

۷۱۸۵ء

کے چشم دید حالات

(المعروف داستان غدر)

مصنف

سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی

۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات

(المعروف داستان غدر)

مصنف

سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی
شاگرد ذوق دہلوی و داروغہ ماہی مراتب شاہ ظفر

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542 پنودی ہاؤس، وریا گنج، نئی دہلی

فون: 23282550 / 23284740 فیکس: 23267510

E-mail: apd@bol.net.in

کتاب : ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات
مصنف : سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی
ناشر : اریب پبلیکیشنز
سزا شاعت : 2006
قیمت : 125/-

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542 پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی

فون: 23282550 / 23284740 / 23267510 فیکس

E-mail: apd@bol.net.in

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
28	شاہی سواری	7	گلزارش
28	فن خوشنویسی	9	تمہید از مصنف
29	فن شعر و سخن		پہلا باب
29	فن سپاہ گری	11	میرے آباء
30	شمیر زنی	12	میری ولادت
31	مبصری	12	تعلیم
32	مولانا بخش نامی ہاتھی	13	شاعری کا آغاز
34	اخلاق	15	اساتذہ اور معاصرین
35	راجہ اجیت سنگھ	17	والدہ کی وفات
37	شہر دہلی کی تقریبات	18	معمول و مشاغل
42	شاہان مغلیہ کی رعیت نوازی	19	ملازمت
43	فریاد شاہان	20	شادی
	شمیر لہاب	20	جہاں کی پیش گوئی
45	ہنگامہ ندر کا آغاز		دوسرا باب
48	میرٹھ میں ندر کی ابتدا		سلطنت مغلیہ کی حالت 23
52	باغی سواروں کا بیان	24	افواج
54	میرٹھ چھاؤنی کا حال	24	معززین و ربار مغل
56	بادشاہ کا جواب	24	صیغہ ہائے تقسیم تنخواہ
57	ریزیدنت کی باریابی	24	دربار شاہی کے آداب
58	ریزیدنت باغیوں کے سامنے	26	بل کمال
60	ریزیدنت کی واپسی	26	مرزاں جواں خت کی شادی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
111	شہر خان ہونے کا	60	ریڈیڈنٹ کی واپسی
115	باغی فوج بھی چلی گئی	61	پانچ سو
116	بادشاہ کو حراست میں لے لیا گیا	64	ریڈیڈنٹ کا قتل
117	تیوری شہزادوں کا قتل	65	تجسیر و تکفین کا انتظام
	پانچوں باب	73	قیام امن کی تدبیر
125	ہجرت	76	ونک لوٹ لیا
128	مہاجر میں ورود	78	میگزین اڑا دیا
129	پانی پت پہنچے	80	قیدیوں کی رہائی کی کوشش
130	پانی پت کا محاصرہ	85	قیدیوں کا قتل
131	پانی پت سے رخصت		چوتھا باب
133	ایک اور آفت	89	انگریزی فوج آئی
138	ریاست رام پور میں ورود	89	پہلی لڑائی
	چھٹا باب	90	دوسری لڑائی
143	وطن کو مراجعت	95	باغی قلعہ بند ہو گئے
144	حکاش معاش	96	تیسری لڑائی
147	مہاجن نے ہاش کر دی	97	جرنیل سخت خاں کی آمد
	ساتواں باب	98	بادشاہ کے تاثرات
149	ریاست الور کی ملامت	102	چوتھی لڑائی
150	نادر اشیاء	103	باغیوں کا بارود خانہ لڑ گیا
150	سیتے	103	شب خون
151	گھوڑے	105	سیاہ برج کا نیا مورچہ
153	شہزادوں کی قدر و منزلت	110	بادشاہ ہمایوں کے مقبرے میں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
222	میر محبوب علی خاں	154	لاہور کی ماز مت سے علیحدگی
223	آبادی شہر	155	ریاست ہے پور کی ماز مت
223	امرا کے طبقہ اعلیٰ		آٹھواں باب
224	امرا کے طبقہ دوم	163	مہاراج ہے پور کے حالات
224	امرا کے طبقہ سوم	167	مہاراج کے خصائل
224	اقتصادی حالت	168	محرم
225	امرائی قہمات	168	تجارج کی امداد
226	اپنے طرز کلام کی وضاحت	168	وفات
229	شعرو سخن	169	ریاست کی آمدنی
231	خاتمہ کلام	169	نواب احمد علی خاں رونق
		173	ماز متی کار گزاریاں
		192	قلعہ رتھویور
		194	کوہستان ہیرا سیہ
		195	شیخادانی
			نواں باب
		199	ریاست ٹونک کی ماز مت
		206	سجاد مرزا کی وفات
		211	ٹونک میں شعرو شامری
		213	نواب ابراہیم علی خلیل
			دسواں باب
		219	حیدر آباد کن میں ورود
		220	مرتن مولانا علی

گزارش

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے لے کر بہادر شاہ ظفر کی جدو جہدوں تک ڈیڑھ سو برس کا زمانہ اگرچہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے زوال کا زمانہ ہے، لیکن یہی وہ زمانہ ہے، جب وہ تمدن فروغ پذیر ہوا، جسے ہم "ہندو مسلم تمدن" یا آسان تر لفظوں میں "زبان اردو کا تمدن" کہہ سکتے ہیں۔ اردو شاعری اور فارسی نثر نگاری اس تمدن کی امتیازی خصوصیات تھیں اور مغلیہ ہندوستان کے اہل قلم اور اہل ذوق، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، اپنی علمی ضروریات اور ادبی حشاشغل کے لئے انہی دو زبانوں کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ رد و ساء اور امراء شہزادگان اور راجگان یکساں طور پر فارسی اور اردو کے ان انشا پردازوں اور شاعروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے بعد یہ صورت حال بدل گئی لیکن اس تبدیلی نے بھی اپنی تکمیل کے لئے کم و بیش نصف صدی کا عرصہ لیا۔ فشی ہر گوپال تفتہ فارسی زبان کے آخری صاحب دیوان ہندو شاعر اور مہاراجہ کشن پرشاد شاد فارسی اور اردو شعرو ادب کے آخری سرپرست ہندو امیر تھے۔

زیر نظر کتاب کے مصنف سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی نے ہنگامہ ۱۹۵۷ء سے ربع صدی پہلے اور نصف صدی بعد کا زمانہ پایا ہے اور اس عہد کی تبدیلیوں اور کیفیتوں کو چشم غور سے دیکھا اور اس کے گرم و سرد کو زبان تجربہ سے چکھا ہے اور اپنی اس خود نوشت سوانح عمری میں اپنی معلومات اور محسوسات کو بڑی سادگی اور بے تکلفی سے بیان کر دیا ہے۔

یہ کتاب انیسویں صدی کے ایک ایسی سادہ مزاج اور راست بیان شخص کے واردات و مشاہدات پر مشتمل ہے جس نے اپنے ملک میں اس صدی کا سب سے بڑا انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کے نتائج و عواقب کو اپنی جان پر لیا تھا۔ پھر اسی سلسلے میں وہ

ہندوستان کے دل سے نکل کر اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچا اور زندگی کی متنوع کیفیاتوں سے بدرجہ شدید اثر پذیر ہوا۔ پس طرازِ نظمیری حقیقت میں انیسویں صدی کی ایک دلہندہ پر داستان ہے جسے شرفائے دہلی کے ایک خانماں برباد نمائندے نے بڑے دل آویز پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس بیان میں نظمیر کا اندازِ نظر ہمیشہ روشن اور دامن خیال ہمیشہ کشادہ رہا ہے اور یہی داستان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ کتاب آج سے کم و بیش چالیس برس پیشتر چھپی بار حبیب مکرم آغا محمد طاہر صاحب نبیرہ حضرت آزاد کے اہتمام سے چھپی تھی۔ اب اردو کے کلاسیکی ادب کے احیاء و تجدید کے ضمن میں جب اس کی دوبارہ اشاعت کا خیال پیدا ہوا، تو میں نے صاحب موصوف سے اس کی اشاعت کے حقوق مانگے اور بڑی آسانی سے حاصل کر لئے۔ آغا صاحب نے اس تصنیف لطیف کو روشناس غلط کر کے زبان ادب پر ایک احسان بے پایاں کیا تھا۔ میں نے اس احسان کا محض سایہ دراز کرنے کی سعی کی ہے۔ خدا کرے کہ میری یہ ناچیز کوشش اہل ذوق اور اہل علم کو پسند آجائے۔

تمہید

بعد حمد و ستائش خداوند پاک اضعف العباد حقیر سید ظمیر الدین حسین ظمیر دہلوی خدمت احباب کرم فرماؤ مخلصان بے ریا و اصحاب باصفائیں گزارش پرواز ہے کہ عرصہ بعید و مدت مدید سے اکثر محبان باصفا و داستان باوفا جو یائے حال پر اختلال اس شکستہ بال کے تھے اور کیفیت سرگزشت اس خود فراموش کی طلب فرماتے تھے۔ فقیر بے سرو پا بخیال گذشت آنچہ گذشت، گزشتہ راصلوۃ تصور کر کے بظائف الیلایم گزاری کرتا رہا۔ انجام کار جب احباب صادق الوداد کا تقاضا حد اصرار سے تجاوز کر گیا اور فقیر کو جز اقبال گنجائش عذر و معذرت نہ رہی اور خطوط کا ایک دفتر فراہم ہو گیا۔ ہاچار پاس خاطر چند محبان اخلاص کیش قدرے اجزائے پر ملال بسان نامہ اعمال سیاہ کرنے کا اتفاق ہوا اور تمامی سرگزشت بطور سوانح عمری روز و احوال سے تازمانہ شیخوخت راست راست بے کم و کاست بلا تصنع و بلا مبالغہ و بلا تصرف و بلا تحریف جو حوادث سر پر گزرے اور جو واقعات مدت العمر میں پیش آئے ہیں قلم برداشتہ بقید تحریر لائے جاتے ہیں۔ کسی کی توہین و مذمت و ستائش و مدحت سے سروکار نہیں۔ صلہ و مزد تحسین و آفرین کا طلب گار نہیں۔ عبارت نگاری اور انشاء پر دلی سے محنت نہیں۔ راست بیانی اور صدق گفتاری سے کام ہے۔ مقفی و مسجع سے طبیعت عاری ہے۔ ہر چند کہ میری طرز تحریر آج کل کے عبارت نگاروں کے خلاف ہے، ہوا کرے۔ مجھے اپنے ادائے مطلب سے مراد ہے۔ کسی کی عذب البیانی و رطب اللسانی سے کیا غرض، میں اپنی سیدھی سادی روزمرہ کی بال چال میں اپنی سرگزشت لکھ رہا ہوں۔ اخبار نویس نہیں، قصہ خواں نہیں۔ میری جو زبان مادری ہے، زمانہ شیر خوارگی میں جو الفاظ اپنے پالنے والوں کی زبان سے سنے ہیں وہ میرے ذہن نشین ہو گئے ہیں اور میرے استاد و اتالیق

نے جو مجھے تعلیم کئے ہیں وہ نقش کا لہجہ ہیں۔ میری زبان اور میری قلم سے وہی کلمے نکلتے ہیں اب اگر لاکھ دوسروں کی تقلید کروں تو کیا ہو سکتا ہے، نہان ماری بدلی نہیں جاسکتی ہے۔

اکثر مکالمات اور بیانات میں جو الفاظ میں نے دوسروں کی زبان سے سنے ہیں من و عن وہ کے وہی برقرار رکھے ہیں۔ اپنی جانب سے تبدل اور تحریف کو روا نہیں رکھا۔ جو واقعات میری نظر سے گزرے اور بیانات کہ میں نے اپنے کان سے سنے اسی طرح درج صحیفہ کئے ہیں۔ دروغ برگردن راوی۔

مثلاً ایام غدر میں جو معرکہ جنگ کے حالات زبانی مردمان فوج باغیہ میرے گوش گزار ہوئے، وہی لکھتا ہوں اور بازاری گپوں کا اعتبار نہیں۔ ان سے مجھے احتراز ہے۔



پہلا باب

میرے آبا
شہیدہ کے دو مانند ویدہ

چہ پر سی از سرو سہا، نیم عمر یست چوں کامل
سید غم پریشاں روزگارم خانہ برو شتم

مسند نسب فقیر فطیمہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا علیہ صدوقہ سوم تک پہنچی اور
ختمی ہوتا ہے۔ سترہ پشتیں جد امجد حضرت شاہ نعمت اللہ ولی رحمہ اللہ علیہ تک پہنچی ہیں اور
حضرت شاہ نعمت اللہ ولی سے تا حضرت امام ہمام احمد رضا علیہ السلام بہشت پشت ختمی ہوتی
ہیں اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے تا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آٹھ پشت جائز
ختمی ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے نبیرگان شاہ نور اللہ اور شاہ حبیب اور شاہ محبت
اللہ حضرت شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ ولی زمانہ سلطنت بہمنیہ میں حسب طلب بادشاہ
ہمنیہ ہندوستان میں تشریف لائے اور بادشاہ ہمنیہ کے پیر و مرشد تھے۔ چنانچہ مزار مبارک
موجود ہے۔

انگریزوں کا شہید رہنما گاہ شاہان دکن میں اب تک موجود ہے۔
انگریزوں کے فقیہ و رہبر سلاطین گورکانیہ آل تیمور میں عمود ہائے جمیعہ و منصب
عظمیٰ پر فائز و ممتاز ہوتے چلے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ تا اختتام سلطنت تیموریہ، شاہ و اخیر حضرت

[illegible]

میری دولت

حاصل و دولت فقیر شکت باں ہیں غناں ہے کہ وہ مدین فقیر و جہاد فقیر کو، بان نہایت تمنا تھی۔ قبل و دولت فقیر چند ۱۰۰۰ روپے تھیں وہ چھپے تھے۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے سرگرموں کی نہایت خوشی حاصل ہوئی اور عایت ہزارہا سے میری پرورش ہونے لگی تمام سرگرمی آٹھن چنی تاجدار میں تھا اور مدینہ ۱۰۰۰ روپے میں مستند رہا۔ پیش نظر ملازم تھے اور جہاد بزرگوں، علی میں نہایت شوق و دلچسپی میں آتا تھے۔

اس مہینے چار ساتھیوں پہنچے، میری آمد نے مجھے روزوار حویلیہ - یہ علاقہ انہوں
 سے حدوں حسب میں متبانی تھی - نسبت، حوم سے روزوار شانیوں تقریب میں آئی -
 زب حد میں رہتے چار برس ہا سو تو میرا حقہ کر یا گیا اور میری مسکنی در تسمیہ خونوں
 تقریب شامل کر کے بڑی دحوم سے شانی ہسم اندہ کی - شہر کے غلام دومر او شہزادگان
 و میر و انہوں - تے در اور وہ سب محفل رقص و ہوا کر مر رہی در تمام ملک یہاں
 قورے تقیم کے لئے - چند روز تک پخت طعام اور تور و ہدی جاری رہی -

میں نے یہ سب رازوں کو اپنی کتاب "تیری سجدے" میں عذریہ قریب
 وغیرہ کے ساتھ اپنی تیرے ہاتھوں میں دی تھیں۔ غرضکہ میری بسم اللہ اس کتاب میں
 تھی۔ میری شان میں نہ تھی نہ اس کے ختم میں تھی۔

بعد ازاں مدنی صاحب جس حدیث یا امر جناب تاج محمدی حضور علی صاحب میری تالیفی
اور تالیفی پر مقرر ہو گا، راست سے انھوں نے ممکن ہو کر بعد طبع ہو گا۔ جس نے حد

ہائی سے حد کا مجید شاعر یہ اور مراد نہ نامہ۔ حدیٰ جب کا مجید شاعر یہ تو گلستان
 بوستان بھی میں شاعر چکا تھا اور کتب درسیہ میں شاعر، شاعر و سفر ریختہ اور میراث وغیرہ، ایسا
 تھا۔ باغضل۔ سندھ نامہ تک میں نے شیخ صاحب مرحوم سے پڑھا اور بعد کتب، میر چنگر قہر
 اور شہ ظہوری و مرطفر۔ قصائد عربی و خاقانی۔ وقایع نعمت خان محل مختلف است، اس سے
 یہ ہیں۔ بعد مطالعہ کتب فارسی کتب عربی کا مطالعہ میں نے مولانا قاری سید جعفر علی سے
 مدرسہ میں کیا۔ غرض کہ سن ۱۱۰۰ء و ساٹھ سال تک درس و تدریس کا شوق نہ رہا۔ درجہ درجہ شہان
 سے فوری سے دست بردار ہوئی کہ تفصیل عربی تفصیل و پختگی۔ ہدایت۔ کتب میں
 نے مصنف، نحو، ایسی ہے، عربی کتب یہ، و تورات مثل روضۃ الصالحین، و غیرہ۔ کتب
 تاریخ و شہنشاہ وغیرہ میری نظر سے گزرے ہیں۔

شاعری کا آغاز

ابتداء شعر و شاعری یہ ہے کہ میں جس زمانہ میں بہار، شاعر و لکچا پڑھتا تھا یہ دور
 و مدد دور کے یہ وقت قہر میوں بنی شاعر صاحب نور شاہ نصیر تشریف لے گئے اور
 میرے محبوبی میں دونوں بزرگ رہ گئے۔ اس لئے کہ میں بنی شاعر صاحب نے ایک شعر
 بنی استاد کا پڑھا۔ میرے والد نے فرمایا کہ یہ جو باب عمدہ متعلق ہے۔ سبحان اللہ۔
 اور یہ شعر تھا۔

ہم سے پھری چشمیار اچھے ب تک رہے

نزدت میں و نہار دیکھئے ب تک رہے

مطلع کا کلمہ بن کر میرے کان ہلے ہوئے۔ اڑتے اڑتے اپنے والد پر دور
 سے دریافت کیا کہ مطلع کے معنی کیا ہیں اور مطلع کسے کہتے ہیں۔ والد ماجد نے اپنے قریبی
 مطلع، مطلع کے معنی سمجھاے اور میر فرمایا کہ علم عروض میں اس جو شعر لکھا جاتا ہے اس سے
 دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے۔ اسے مطلع کہتے ہیں اور جس کے اخیر مصرع میں قافیہ
 ہو، اسے شعر کہتے ہیں اور شعر کی تعریف بیان کی غرض کہ سب رشادت بہاب مدح
 میرے، ابن نشین، اسے در میں نے فی بد یہ ایک مطلع اور یہ شعر بنی ورن پر موزوں

پہا قہار الدار و دار غموی صاحب میوں بنی شاعر صاحب نہایت خوش ہوئے اور میوں
 بنی شاعر صاحب نے مجھے پیار کیا اور کہا کہ تو کام شعر ہو گا۔ وہ مطلع اور شعر یہ ہیں

(مستقل)

صحبتِ اغیار و یادِ دیکھیے کب تک رہے مجھ سے یہ دروہ دار دیکھیے کب تک رہے
غیر سے اس تیرا صاف ہے آئینہ دار میری طرف سے خبر دیکھیے کب تک رہے
اس دو حریف اور عنایت ن بزرگوروں کی میرے حق میں بارود میں شہید رہ
سوئے پر سہاگہ کا کام کر گئی اور مجھے شوقِ شعر و سخن پیدا ہو گیا دروہ دروہ اویسی جونی کی طرح
ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ جس کی زبان سے شعر اچھا نہ ہوا اس میں نقش و
نیا۔ کمر کے کتب خانہ کو دیکھا تو اس کی فارسی کے دو لائین بکرت نظر آئے۔ شعر کے فارسی
کے نقابِ مہر و کمر میں موجود تھے۔ اس کو دیکھا تو اس نے کہا۔ اراہ کی غزل اساتذہ
کئی یاد رہی ہیں۔ ان میں سے ایک اور سوانح و مقتضیات وغیرہ لکھنؤ سے چھپ کر تیار ہوا
اس میں آئی تھیں۔ شہزادہ راجہ کے دیکھنے کا شغف رہا ہے۔ ایک اور میں بھی نوئی پہلی
لکھیں اور میاں بی بی صاحب و دھما میں۔ مین و مد صاحب منع فرماتے تھے کہ تو شعر نہ
لکھ، حالانکہ خواجہ شاعر جواب تھے۔ شاعر نے صاحب شاعر تھے۔ غرض انہیں یہ میں
مناظر اقطابِ مدین صاحب مشیر شاعر، شاعر میر صاحب مرحوم نے شاعر صاحب کے مہار
میں مشاعر و قراءت۔ چونکہ مکان مشاعر و میر کے مکان سے بہت قریب تھا، میں شامل رہا
نہ کہ اس غزل میں سے ہی مشاعرہ میں پڑھتی ہے۔ اور جناب شیخ محمد ہر اسیر صاحب
واقفِ خاقانی ہند کا جگر شاعر ہوا۔ اور غرض صاحب بھی شاعر ایک مشاعرہ تھے اور بہت سے نام
تور شعر موجود تھے۔ میر اسن کم و بیش اس زمانہ میں چودہ سال کا ہو گا۔ اس کے بعد دہلی میں
ایک دو جگہ اور مشاعرے ہوئی تو میں ان میں شریک نہ تھا۔ طبعی طور پر طبع آزمائی کیا کرتا تھا۔
حضرت ستاد مرحوم کی خدمت میں جانے کا اتفاق تو ہمیشہ ہوتا لیکن غزلیں کٹر کمر ہی دکھانے
کا اتفاق نہ ہوا۔ اے فیضانِ محبت استاد سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ میں نے جب غزل لکھا
یہ اساتذہ پیش کی اور جناب ممدوح نے اسے ملاحظہ فرمایا۔ جب مقلعہ پر نظر پڑی تو خوش ہوا کہ
یہ شعر اچھا ہے۔

دو پون ظہیر فاریدی درملہ بدزد گریانی

ہور نیز زباں فیشن ترجمان سے فرمایا کہ انشا اللہ تو شاعر ہو گا۔ اسی کلامِ معجز فیض کا
تقدف ہے جو میر کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔ بعد انتقال استاد مرحوم چند قصائد اور آثر

غزل نگاری کا تعلق ہو۔ مگر فسوس ہے کہ وہ سب سرمایہ یام ندر میں تلف ہو گیا۔ فقیرانہ
غزلیں کہ مشہور ہوئی تھیں اور وہ تو یاد تھیں اور مجھے بھی چند شعر یاد رہے ہوا کرتے۔
سب کہ مضامین ہو گیا۔ ہزاراں جملہ یکہ شعر محض دیں۔ مصحف تصدیق و رد و شواہد

ہوائے موہم ہواں سے چمے بعید نسیم
نسیم آئیہ مسحور رسی لاعے
شعر قصیدہ و دم دردمدح ولی عمد

سیم مست کلتی ہے جوشِ مستی میں پٹ پٹ کے جو ناصدغ سے میر
شعرِ قصیدہ در حدِ محبوب علی خاں مختار ما شاہ -

سال میں ایک مہینہ رمضان کا ٹھیکہ ختم کرتا ہے پئے صوم خدے متوں
 ور مجھے چار مہینے متواتر گزرے آخری ماہ جمادی سے لگتا شوں
 روزے رکھوئے مجھے چار مہینے پیہم عین یاد میرے، فطر کا بکنا نہیں
 ایک غزاں حسب فرمائش مہاراجہ ایت سنگھ مموی مہاراجہ دلی ریاست پٹیا۔ جس
 صد میں ایک ہزار روپیہ کی گھڑی مجھے عدایت ہوئی تھی دو سو روپیہ مستحق ہے ور آج
 روپیہ شعروں کے حساب سے صد ہو تھا۔ مٹھ تھا۔

خوب بیہے عاشق ناشا کیا دہرہ میں کی دہر کیا فریاد کیا
دوسری غزل کے دو شعر۔

چاہت کا جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی مقرر۔
 سوئے ن دو غزلوں کے کلام سہبت میں سے چھباتی نہ رہا
 اس تہذو اور معاصرین۔

بعد انتقال حکیم مومن خاں صاحب و شیخ محمد ابراہیم زوق مرحوم و مغفور کے مر
سد بد خاں صاحب غائب، مفتی صدر الدین خاں صاحب زردو، خیر خان صاحب
میش۔ خادم علی خاں صاحب اسد و حشمت ورنو ب مصطفیٰ خاں صاحب شیعہ مشاہیر رورہ
مستند اوستائی کے سرور تھے۔ ان حضرات کے قریب نظر ہم کو نو خیزوں میں تصور
جاتے تھے۔ درجہ اول پر مرزا ۲۱ دین محمد خاں صاحب عارف و درجہ دوم پر محمد

سید تاج الدین عرف امراؤ مرزا انور حضرت ظہیر مصنف کتاب ہذا کے چھوٹے بھائی تھے۔
استاذوق کے شاگرد تھے۔ بعد میں مرزا غالب سے بھی اصلاح لی۔ نثری شعر میں مہارت سے
مقدمہ تھے۔ یہ شعرا نہیں کا ہے۔

نہ ہم کچھ نہ تم نے کیس سے پینہ پونچھے اپنی نہیں سے
والدہ کی وفات

پہلے شفقت والدین کا حال معروض بیان میں چکا ہے۔ اب والدہ کی حالت
سے خصوصاً مدد فقیہ کہ سبب مہماری مجھ پر وار میرے چھوٹے بھائی مرزا انور
جانب والے سے فدا تھیں اور شبانہ روز ہم دونوں کو مشہور، ریشم، نگوں میں رشتی تھیں۔
اب مہماری چرخ تفرق پر دے سن بہشت ساگی میں ن کا سایہ دمان حافظت میرے رست
کھنیا اور وہ مخدومہ مہماری مجھے وار میرے بھائی کو والد بزرگوار سے سپرد کر کے علی اہل و
بیت مہماری رزنگوئے روضہ جنت ہوئیں۔ مجھے لوں وہی صدمہ مہاجرت مہماریان کا ہوا۔
لیکن وقت رحلت میری مہماریان نے سنست ہوتی و حواس مہماریان اپنے ہمہ رکان،
عزیزان پسے ہم دونوں بھی یوں کو لگے سے نکایا و رہے ماس حسرت و یاس ہمارے والد بزرگوار
کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کہ آپ کو ان دونوں کی نسبت مہماری محبت پوری تو ہے لیکن ان کی
نسبت مہماری بھی ضرور ہے۔ کیونکہ اب یہ بے ماس کے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ مہماری
مادری رکھنے والے سوائے تمہارے کون ہے۔ اُپر آپ نے ان کی نسبت مہماری تو جی کو کام فرمایا تو
میں حشر میں دامن گیر ہوں گی۔ یہ نہ کر اور کلمہ شہادت پڑھ کر رات جنت ہوئیں۔ لیکن
والد بزرگوار نے حسب وصیت مخدومہ فی الحقیقت محبت پوری و مہماری دونوں کو کام فرمایا۔
میری پرورش اور ناز برداری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں فرمایا اور ساتھ تعمیر و تربیت پر
مقرر فرمائے۔ ہزار ہاروپے میں نے میدریغ صرف کیا۔ زمانہ طفولیت میں پنجاب و کبوتر
میں صمد ہاروپے پر باد کے مگر جناب ممدون نے مجھ سے بھی ریشم فرمایا جو حسب یہاں دیکھے
ایا۔ جب میں سن بلوغت کے قریب پہنچی تو مجھے کھوڑے کی ساری کا شوق ہو۔ وہ کھوڑے
خریدے اور ان کو کھلایا اور تیار کیا۔ چڑھا کر۔ مگر یہ سب نہ فاس جناب کے مہماریاں مجھے
یک استا چاہک سور کا شاگرد کرایا اور سواری سکھائی۔ کھوڑے کا ہانا اور چرخ۔ تیار کرنا
اور حب و صوب سے آگاہ ہونا یہ سب باتیں میرے ساتھ لے جاتیں۔

معمول و مشاغل :

میں تھی صبح قبل از نماز بیدار سواری ہو کر نوکری میں جایا کرتا اور قبل از بدین منظور پر نور، پر جھروکے شاہی چاکر حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ جس وقت حضور برآمد ہوتے قلمدان کمر میں ڈال کر ہوا رکے ہمراہ ہوتا تھا۔ جو چھ شعر شعر منجانب سوری موزوں ہو کرتے تھے بہت جاتا تھا۔ مگر جب تھوڑی دور چلا تو ہمراہ چلے گا اور اہل اطاف خسران خیمہ صدارت جاتا تھا کہ سارے ہوئے۔ عقب ساری مبارک دہائی بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک پر سارہ جاتا تھا۔ میری ساری کا حضور وقت میں سے ہمراہ رہتا تھا۔ ابھی اس سور ویر تھا۔ قلمدان تھوڑے سے حد مکان پر آتا تھا۔ میری نشست ٹاڈ والوں میں بیٹھتا تھا۔ میرے پیچھے ٹاڈی مراد مراد نور اور نور مراد مراد نور شیدہ ہم قیوں بھائیوں کیونچہ میں شدت رکھتے تھے۔ نوے سے حد دست احباب فراہم ہوتے تھے اور انہیں احباب علم بھی ہمارے پاس پہنچا کرتے تھے۔ دو گھنٹے کا کام اس وقت رہتا تھا۔ اس میں شعر شعر کا بھی تذکرہ ہوتا تھا۔ وہ اس قدری اور تذکرہ جات کی شعر حوالی کی تھی۔ حد یاد ہے صحبت پر خاست ہو جاتا تھی۔ میں کمر میں جا کر بھاٹا ہوا رہتا تھا۔ بعد ازاں دو گھنٹے ستر دست کر کے بیدار ہوتا تھا تو پھر احباب محفل سمجھتے تھے۔ بجھ پور وغیرہ کا شغل رہتا تھا۔ پانچ بجے دن کے گھوڑے پر سواری ہو کر بازار کی سیر کو چلا جاتا تھا۔ بعد مغرب مکان پر جاتا تھا۔ اور پھر احباب کا مجمع رہتا تھا۔ ہر طرح کی دل رستی تھی۔ ایک دو ستر نواز جاتے۔ ستر طبلہ وغیرہ سے دل کو فرحت ہوتی تھی یا کسی اور شغل میں رہا ہوتا تھا۔ کبھی ایک دو دوست متفق ہو کر کسی دل رستی کی صحبت میں چلے جاتے تھے غرض یاد ہے شب تک اپنی خوش طبعی میں بسر کرتے تھے۔ کسی طرح قلم و غم حق جانے ہوتا تھا۔ ان عید، رات شب برت کی مانند بسر ہوتی تھی۔ سوئے بیٹھے بٹھانے کے اور خوش طبعی سے ہونی رہتا تھا۔ کوئی میدان تماشا ایسا نہ ہوتا تھا جہاں اس مجمع احباب کا گزرنے نہ ہوتا۔ عجب ایک صحبت رقیق یاد ان خوش باش، خوش معاش اہل فن و فنکار، نظر یف طبع و ذہن، ہر دہائی تھی۔ جن کو دنیا و مافیہا سے کچھ خبر نہ تھی۔ دن رات چیموں سے کام لیتے تھے۔ صحبت میں سب شریف زادے میر زادے وغیرہ مجتمع تھے کوئی بد وضع بد پیشہ بد معاش

میں خلافت و رہنمائی اور خدایہ رستم الدود سید ظہیر الدین حسین صاحب دروغہ فوزنگی عنایت ہوا اور میں نورانی میں حاضر باتیں رہنے لگا۔ جب ساری مبارک خواجہ صاحب میں رہتی تھی، میں وہیں رہتا تھا۔ دونوں وقت خود کا خوان میرے واسطے محل سے تیار میں ایک دن بھی رکاب سعادت سے جدا نہ ہوتا تھا۔ تیرہ برس سے بائیس سال کی عمر تک نورانی میں حاضر رہا۔ غدر میں جب بادشاہ کے سب دروہوں کو جدا کیا گیا ہے میں بھی جدا ہوں۔

شادی :

اور اسی دن یہ وہ سامی میں میری بہت قرار پائی۔ منگنی ہوئی۔ حد تین سال سے میرے متد کان بھی ہو گیا۔ یہیں شادی سے رہا، نہیں ہوئے تھے۔ ساچھ مندی۔ برات پوتھی وغیرہ دہاتی تھیں۔ رخصت نہ ہوئی تھی سامان جینہ وغیرہ سب لمانت رکھا ہوا تھا۔ میرا آثار شباب تھا سب مہر خداف تندیب شادی کرنے میں مجھے تامل تھا۔ یہ کمزوری کرتا تھا۔ یہی وجہ سے والد مہمان مجھ سے ناراض تھے۔ مجھے سلاموں جازت نہ تھی۔ مگر میری والدہ نے مجھے چاکران کے قدموں پر ڈال دیا اور میرے قصور معاف کر دیا اور میں شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ محمود دھرم سے میری شادی ہوئی۔ اور سب رسومات حسب دستور ساچھ مندی برات لایا ہوئی۔ رخصت بھی حسب زمانہ تکلف سے ہوئی۔ جیسے اہل پنجاب روپیہ کا، سب باتیں اسی خوشی دل مئی کے ساتھ ہوئیں۔ بعد نزع شادی سب سامان جینہ کا کوٹھوں میں داخل کر کے قفل لگادیے گئے۔ اپنے گھر کا سامان استعمال میں آیا گیا۔

تباہی کی پیش گوئی :

بعد چار ماہ کے غدر صاحب مازاں ہونے اس سامان میں سے ایک پھل بکار نہ ہوا۔ وہ سب سرکار انگریزی کے غدر ہو۔ اس کے علاوہ چالیس ہزار روپیہ سے زائد کائنات اہمیت جو زمانہ بزرگاں سے اندونہ چلا آتا تھا وہ سب دستبرد انگریزی میں تاراج ہو۔

اسے خواجہ قطب الدین مختیار کاکی کی درگاہ سے مر لیا ہے۔

روس کی فوج آئے گی۔

نواب صاحب: اس کا علم اللہ کو ہے۔

چچہ میں سے چچہ کہ حضرت یہ امر آپ تک پہنچا رہا ہے۔

نواب صاحب: میں نے تو یہی کہتے ہیں۔ یہ چچہ کہتا ہے کہ ان مضمون میں

نہ جانے اور بھی دیکھو میں تم سے ملتا ہوں کہ میں بھی شہید ہوں گا۔

میں نے عرض کی حضرت خدا کے لئے آپ یہ تو نہ فرمائیے۔ خدا آپ کو ہمارے

سر پر زندہ و سلامت رکھے آپ ہماری پیر ہیں۔

نواب صاحب: مشیت یزدی سے چچہ چورہ نہیں۔

تھوڑے دنوں میں بھائی کھانا اور پان کھا کر رخصت ہو کر اپنے گھر آئے۔

مکیر وزیریں چوبہا کے قرونق طہنی پر نصب کیا جاتا تھا۔ تخت طاؤس کے دربار چار گوشوں پر پارکوں طہنی میں کار نصب ہوتے تھے۔ اور ان منقاروں میں بڑے بڑے مہمانوں میں جس میں زمانے کے تھے ہوتے تھے تو یہاں ہوتی تھیں۔ تخت طاؤس میں مسد تین ہاے ہاتے تھے۔ جب بادشاہ دربار فرماتے تخت طاؤس کے دونوں پسوں میں وہ ہر فردہ مٹھیں درباریوں کی دست بستہ استودہ ہوتی تھیں۔ سب نیچی نگاہیں کے کھڑے رہتے تھے۔ خاموشی میں کیا ہے کہ کوئی کی طرف دیکھے یا کھوئے یا مسکرے یا پیا کرے۔ دربار کے دونوں گوشوں پر دو قطار کھڑی برادر و نگریاں سرخ کے کھڑے رہتے تھے۔ ذری کی سے بے اعتدالی ہوتی درگاہ میں کھڑی ڈال کر دربار سے باہر کیا گیا دروازے ہند کا سا دربار نہ تھا دیون خاص کے مقابل۔ اس پر دے کا دروازہ تھا۔ وہاں سرخ بانات کا پردہ کھچ رہتا تھا۔ جو شخص دروازہ میں سے داخل دیون خاص ہوتا تھا۔ پہلے اس پر دے کے آگے آکر سلام گہ پر آکر مستودہ ہوتا تھا۔ آداب و تسبیحات ہی ہوتا تھا اور تین سلام مکروب بہت جھک کر ہی ہوتا اور نقیب اس پر دے کے برابر سے آکر کھاتا۔ یہ خطہ آداب ہے آداب ہی وہاں ہوتا۔ بادشاہ سلامت عام پنہا بادشاہ سلامت۔ بعد اس کے شخص سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب کے زینہ سے دیوان خاص کے چبوترہ پر چڑھتا اور عین خلی راتا اور دیون خاص میں جا کر دوبارہ دربار کی سلام گاہ پر آداب ہی ہوتا اور نقیب دربار بھراواں آواز کھاتا اور سلام برکتا۔ برنڈر ہندوئی ہے قید ہا تخت کی طرف جو برنڈر پیش کرے گا اور بادشاہ نڈر ہا برنڈر ہا کے اراخان و دے دیتے۔ نڈر ہا کا اراخان تخت کے پسوں میں استودہ رہتا تھا اور ایک مہمان نہایت چاہتا تھا۔ نڈر ہا کے برپہ پچھلے قدموں سے ہر گناؤ تک جاتا اور قاعدوں چہنی صحت آداب ہی ہوتا اور جس جاتی نصف دربار میں چاہتا تھا۔ تخت کے عقب میں خوش و ہمدے سے رہتے رہتے تھے وہاں ہاتے میں رہتے تھے۔ کچھ عرض معروض برنی سے تو عرض میں دو مٹھوں میں دربار کے پاس سے رہتے تھے۔ عرضی ن و دے دینی جاتی تھی اور عرضی سے جاتے تھے۔ بادشاہ کے سامنے عرضی کو ہوں کر مددہ دیتے تھے پشت عرضی عرضی کی جانب ہوتی تھی۔ بعد مد خطہ عرضی ٹاٹاں قلمدان پیش ہوتا تھا اور ہمدت آمینہ کے خوف میں قلمدان میں قلم ہا رہتے رہتے تھے۔ عرضی و اس پر ہا کیا اور بادشاہ کے پاس سے ہاتھ فرما دیتے۔ اس محکمہ کے ہا ہمد

ہو پورا تعمیل ہو گئی۔ یہ قاعدے دار ہار شاہی کے تھے۔

اہل کمال

جو کامین جس مہم افین کے ماسر ہار شاہی تھے وہ کمال اور انتخاب روزگار تھے۔ ان کی نظیر اور مشا جے، دیگر غیر ممکن، میں ہار شاہی میں تھے۔ تو ہی ہار شاہی، قندار کے وظیفہ خوار شاہی جاتے تھے۔ ہار شاہی جاتے ہوئے جاتے ہوئے تو تھوڑا بہت وہاں سے بھی رو رہی نہ پاتے رہتے تھے۔ ہار شاہی چھوٹے میں آکر ستانہ ہار شاہی کر جاتے تھے۔ بعد ہار شاہی قلعہ معلی کٹر ششخص خانہ ہار شاہی ہو کر اطراف و جنوب ہندوستان میں منتشر و پریشان ہو گئے۔

مرزا جواں مخت کی شادی :

ہر چند کہ تقریباً تیس سال پہلے ہندوستان میں غلہ سے بڑی ہیں مگر جیسی شادی مایہ زیب و تجمل شاد، و میرزا جواں مخت بہادر مرزا حوس کی ہوئی۔ یہی رہتیں محصل و تقریب و غریب، جاہ و شہر اس و ریاضی کے ساتھ کہیں غلہ سے نہیں بڑی۔ بیان ملکات و رسوم و رائج و مہدی و رات و تراش شہ و روشنی، قندار نہ جاتے وغیرہ، فاضل جاتے ہار شاہی اندر ہار شاہی۔

وہ عظیم محمد مرزا ان اہلین ظفر خاندان مہدی کے آخری، شاہ اکبر شاد شاہی کے بیٹے اور شاد شاہی کے چوتھے تھے۔ ۳۱ سال میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۷ء میں آہر شاد شاہی کی وفات پر بہادر شاد شاہی کے عتب سے تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے حکومت انگریزی سے اپنے وظیفہ میں اضافہ کے لئے دست و پا کی اور مرزا جواں مخت کے مشہور بموجا یڈر کو رہ کا خطاب، کے وظیفہ میں اضافہ کے مقدمہ میں وراثت کے سے نکلتے تھے۔ یہی تھے مرزا جواں مخت نے یہ درخواست منظور کی۔ ظفر کے عہد میں انگریزوں نے، شاد شاہی کی اہمیت بھی ختم کر دی۔ اسی میں گور، جہاں، اور کمانڈر انچیف سند کی طرف سے بلا شاد کو نذر آید۔ اور اپنے تقرری تصدیق کرا کے طریقہ بھی چھوڑ دیا۔ مہدی کی حکومت شاہی خاندان و قلعہ سے نکلنے اور ظفر کے بعد اہل کی نام مغل شہنشاہی کو بھی ختم کر دینے کے لئے تھے۔ یہ غدر ہو گیا۔

ظفر کے قہر کا مہر و نات کو شہر تھے۔ شہر و اہل کمال کے قدروں تھے۔ اس وقت کے شہر تھے۔ ان وقت کے بعد مرزا جواں مخت کو کلام، صانع کے (ظہیر)

جاتا ہے۔ بہتے دو امر قابلِ نگارش ہیں۔ ایک یہ کہ قاتل نے محفلِ سب سے جدا گانہ تھی۔ دوسرا یہ کہ بارہوی میں جدِ جد محفیس ترتیب دی گئی تھیں۔

ہر دور میں ایک طاغوتِ جدا رقص کرتا تھا۔ شاہزادگان کی محفلِ جدا ادا زمین معززین کی انجمنِ جدا، فرقہ سپاہ کی بزمِ جدا، شاگردِ پیشہ کے لئے جدا، کسی طرح ہر فرقہ کی محفلِ جدا تھی۔ اہلِ شر کے لئے حکمِ عام تھا کہ آئیں اور تماشا کے رقص و سرود سے محفوظ رہیں۔ رقصاتِ پری پیر ہر طرف سرگرم ناز و نندہ تھیں اور مددِ جویان ناہید نوازِ مزہ پر روز۔ دس بارہ روز تک محفیس گرم رہیں۔ کل طرزِ میں شاہی ورؤسائے شر کے واسطے تورہ جات کا حکم تھا۔ جس کا جی چاہے زر نقد بچوں روپیہ تورے کی قیمت لے، خواہ تورہ لے جتنے قلم کے نوکر تھے نام بہ نام سب کو تورے تقسیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً میرے والد کا تورہ جدا، میرے نام جدا۔ میرے چھوٹے بھائی کے نام جدا، وہ بھی نوکر تھا۔ میری وادہ کے نام جدا۔ یونکہ ایک تنخواہ ان کے نام بھی تھی۔ میں نے مہتمن تورہ بندی سے کہہ بھی تھا کہ ”نکھ رو۔“ کے بعد ایک تورہ بھجو دیا کرو۔ اس دریا دلی سے تقسیم تورہ جات کی تھی۔ جس روز تورہ آتا تھا تمام عزیز واقارب دوستِ حباب کے گھر آکر تقسیم ہو کر جاتا تھا۔ ایک تورہ میں طعام میں قدر ہوتا تھا کہ ایک محفلِ شکم میر ہو کر کھاتا۔ میرے مکان کا تمام دیوان بھر جاتا تھا۔ ایک ایک طبق میں پانچ پانچ سے کھانا ہوتا تھا۔ چار چار پانچ پانچ طرح کے پاورنگ برنگ کے بیٹھے چولہا، سرخ، ہنہ زرد، دوائے پانچ میر کی باقر خانی ایک شیریں ایک نمکین اور کافی قسم کے نان غرضہ قسم خوردنی سے کوئی شے باقی نہ رکھی گئی تھی۔ مختصر یہ کہ کسی ریاست میں جی پر تکلف کوئی تقریبِ نظر سے نہیں گزری جو گئی گزری سلطنت میں دیکھنے میں آئی۔ اس کے علاوہ جن شعر نے قصائدِ تنزیت اور سرسے و عید و کھجے تھے، ہر جودیدِ مردم تھے گئے۔ سب کو صلہ و خلعت و نعم عطا ہوئے۔ شاگردِ پیشہ کو جوازے تقسیم کئے گئے۔ ۱۔

۱۔ مہر جوں است نین شادی پر مہر غالب و استاد ذوق نے سرسے لے لے تھے، ذوق نے ان موقع پر یہ نادر قصیدہ بھی لکھا جس کا مطلع ہے۔

پائے نہ ایسا ایک بھی دن خوشتر آسمان
کھائے اگر ہزار برس چکر آسمان

شاہی سواری کی بادشاہی سواری کی گاڑی میں سوار ٹھوڑے گاؤں جاتے تھے اور
گلاب رنگت کھل نکم صاحب کی سواری میں آٹھ ٹھوڑے گاؤں جاتے تھے۔

ہاں وہاں وہاں تھوڑے ہادر شاہ کہاں وہاں وہاں تھوڑے ہادر شاہ
ہاں وہاں وہاں تھوڑے ہادر شاہ کہاں وہاں وہاں تھوڑے ہادر شاہ

کہاں سے باغی بے دین آگئے ہے ہے

کہ نام اس کا جہاں سے مانگئے ہے ہے

یہ تھی آتش فتنہ گاؤں خاں جہاں میں یک قیامت پگھلے خاں

غریب کا نام خدانت خدائے خاں کھوں کوٹنے سے پہلے بن گئے خاں

کسی پہ قبر خدا کا نہ آفت آئی تھی!

یہ خاندان تھر پر قیامت آئی تھی

حضرت بادشاہ یگانہ دار کاہ حق کاہ معرفت دستا کاہ جامع کہاں دموردا فضل

حضرت بادشاہ جہاں تھے۔ سوے رتبہ احدک سلطنت، بیوی تنہا باطنی سے بھی موصوف

تھے۔ کثرت قدرت حضرت سے سننے میں آتے ہیں۔ چنانچہ از بھند ایب یہ بھی تھی کام

حضرت کا تھا۔ میری، ہاں حق کر، سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ کارخانہ آگ و چلنے والے نہیں

ہے۔ بھونڈی پر خاتمہ ہے، رتیور تا شفر، چنانچہ ایب بن تصور میں آیا۔ حضرت کو قدرت میاں

کا کہ صاحب نبی دوم، ناظر الدین علیہ رحمہ سے ہے اور میدان حضرت بھی۔ یاد رہے

بسیار تھے۔ اس کے علاوہ جمیع موم، فنون شریعہ میں دستا کاہ تھر رکھتے تھے۔

فہن خوش نویسی خط نسخ میں دستا کاہ شہر طہل خد میر سے جہاں رور میر

علی شاہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے۔ میرے دادا نے میرے والد اور بادشاہ کو

برابر بتایا تھا، وہاں بزرگ و خوش نویس ہائی تھے۔ علی میں جتنے اس فن کے خوشنویس تھے

میرے والد کے یا، شاہ کے شاہ تھے ایب، ایک قصیدہ علی سلطان روم کی مدح میں خدیو

مصر کی جانب سے دیت و بھجوا گیا۔ اور دیت سے علی میں آیا۔ اس صاحب پر یزیدت

علی نے میرے والد سے کہا کہ آپ سے بھد بھد کے والد نے جواب دیا میں میر جازت حضور

سے نہیں بھد سکتا۔ آپ جازت حاصل کیجئے، میں بھدوں گا۔ اس قصیدہ کو بے حضور

میں سے اور تمام نیست عرض کی۔ حضور نے والد و ملاکر قلم کیا۔ خلیفہ ائمہ بھد و میر

وائد نے اس کی صحت کرا کے لکھ دیا کہ طمس صاحب نے بہت سا سونا چڑھو کرا سے تیار کرایا اور پھر وہ ولایت کو بھیجا گیا۔

فن شعر و سخن، حضرت بادشاہ شاعر، جواب و زبان و کلام تھے۔ کوئی محاورہ زبان کا باقی نہیں چھوڑا۔ پانچ دیوان موجود ہیں۔ شاہ نسیم مر حوم اور شیخ برہیم ذوق خاقانی ہند کے شاگرد تھے۔

فن سپاہ سربازی، بدوق اس کی گاتے تھے کہ باید و شاید۔ باب چند ہا نشانہ اور تے ابھی نشانہ خدائی نہ کرتا تھا۔ بارہا یہ کہتے میں گیا ہے کہ جانور روتا ہو جاتا ہے ہوا پر پر بدوق اتری ہے، بھائی اور بھائی، پھٹنے کی حاجت نہیں۔ بوٹ بوٹ ہو اور ہوا در میں گرہا۔ دریا میں مچھلی یا گمر نے منہ نکالا اور گوں منخرین پر پڑی اور چپت ہو گیا۔

فن تیر اندازی، فن تیر اندازی میں بادشاہ آپ سنگھ سنگھ سے شاگرد تھے۔ بادشاہوں کثرت تیر اندازی کا حال میں نے اپنے وائد کی زبانی سنا ہے کہ بادشاہ زمانہ ولی عہدی میں جوان تھے۔ تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو دیوان خاص میں ایک جر ثقیل گار کھی تھی۔ تین من چنوں کی پوٹ نیچے شتی تھی۔ جر ثقیل کے ذریعہ سے اسے چٹکی سے لکھ چاڑھتے تھے تیس نمک کمان کھینچنے پر قادر تھے۔ چھی کمان کو بہادہ اسرار ہیٹھ لیتے۔ ایک من سوری مہارک سیم ٹرید سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں مرزا فتح امین بہادری عید ثانی گار تھ۔ وہاں سے چھ شور و غل کی آواز آتی تھی۔ فریاد غل کیا ہے۔ غرض ہوں مرشد زدے تیر گار ہے ہیں۔ قلم ہوا سوری ادھر سے چلو۔ غرض وہاں پہنچے۔ سب آداب ہی کے فرمایا تیر گار۔ سب تیر گار لگے۔ فرمایا تیر کمان ادھر۔ و۔ کمانوں کی شتی پیش کی گئی۔

۱۔ بہادہ۔ محنت مشقت۔ رن کھینچنا اصحاب میں اس کمان کو جتے ہیں جو مست نہ ہو۔

۲۔ اس میں کئی جگہ چاک لگائے جاتے ہیں اور تیر پھٹنے میں کمان کو زیادہ زور سے کھینچنا پڑے۔
۳۔ اس کمان کھینچنے کی مشق ہو۔ کبھی اس کا چند رنجیہ کاہتا ہے۔ ہندوستان میں اس کمان کو یہ کہتے ہیں۔ استاد ذوق نے کہا ہے۔

نہ جنگ نونل کی تو مجھوں اہل ہاموں کو

کہادہ تا صبا کچھو کچھو شاخ ہید مجھوں کو

ان میں سے ایک کمان اٹھلی۔ اور تین تیر کھینچ گئے اور سدا پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تودہ میں پوست ہو۔ ایک باشت بہم رہا سب نے تحسین آفرین کی۔ اور تیر اور لگایا۔ دوس سے زیادہ تودہ میں داخل ہو۔ تیسر وہ بالکل مفروق تھا فقط لب سوناری بہ ہے اور تمام تیر غرق تھا۔ نعر و تحسین و آفرین بہہ ہو گیا۔ یہ میری چشم دید بات ہے۔

شمشیر زنی بھکیتی نے فن میں بادشاہ میر حامد علی صاحب سے شہرہ تھے۔ میر حامد علی و میر شرف علی دونوں بھائی سدا کامل تھے۔ ہندستان کے بڑے بڑے راجوں کے شہرہ تھے۔ علی مدنی کسرت جو حضرت علی مرتضیٰ شیر خد کی ایجاد سے ہے وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔

میں نے اپنے والد کی رہائی یہ سناتے کہ بادشاہ تین تیر اٹھ آ میوں کے متعلق مدد کرتے تھے اور آٹھ کی بد برس پر چوٹ کرتے تھے اور بادشاہ سب سے اور روتے تھے اور اپنی چوٹ جھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی۔

فن شہسور کی مشہور روزگار ہے کہ ہندوستان میں ڈھائی سو تھے ایک بہادر شاہ نے اسے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر حصوص نے غریبوں سے شرط کر رہا کہ خندق گھوڑے کے کدوانی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب سن مبارک کی برس سے تجاوز کر گیا تھا۔ لیکن اب بھی جس ان گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اپنی شہسوری دکھایتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے۔ ایک روز حضرت نظام الدین دہلوی ساری مبارک جاتی تھی۔ تسبیح خانے میں سے جب برآمد ہوئے تو وہاں میں تو سوار نہ ہوئے۔ سامنے خصوں کی لین لگی ہوئی تھی۔ آگے چابک سوار کھڑے تھے۔ بجوبیگ کی طرف وہ جھپکے ہوئے۔ وہ آگے حاضر ہوئے۔ ان سے دریافت فرمایا کہ وہ وہاں گھوڑا نو خرید ہو تو تیار نہ ہو بیٹھ ہو ہے وہ قابل سوار کی ہے؟ بجوبیگ نے ہاتھ باندھ کے عرض کی۔ حضور سے قبل سے تیار ہے۔ فی غور گھوڑا آگے آیا۔ حضرت سوار ہوئے۔ سب ہارم رکاب ہوا۔ اس میں سوار ہوئے۔ تہستہ آہستہ بائیں کرتے ہوئے غارہ خانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر پہنچے۔ گھوڑا گردن جھکانے ہوئے دہانہ سے ٹھیک ہوا اپنے کو بٹاتا ہو جھومتا چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر بجوبیگ نے نظر چا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے چھپکا دیا اور گھوڑا ذرا ٹیکا۔ چونکہ یہ شہر بند پڑا ہوئے گھوڑے کے ساتھ لپٹے چلے آتے تھے بادشاہ نے مڑ کر

ایسی اور فرمایا کرتا ہے۔ میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں۔ گھوڑے کی چاکری میں چھ سر نہیں ہے۔ دیکھ تو اس درباروں میں مسکا ہے کہ گھوڑے سے پہلے بھرنے شروع کئے۔ ایک پد بھر اسی طرح رتا ہوا ہو گیا ہے جیسے کوئی پرندہ اڑتا ہے۔ یہ سن چو کڑیاں بھرتا ہے۔ بعد تکبلی ماتھن دے کر گھوڑے کو چکار لیا پھر سب لوگوں کو سوار بن کا حکم دیا۔ سب اپنی ساریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دو گامے قدم پر گایا اور گھوڑے نے گایاں مار کر اور جھوم جھوم کر دو گامہ چننا شروع کیا۔ اسی طرح تین کوس شہر سے درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروہ درگاہ پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آتی آمد مورخ شش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لے۔

مبصری

حضور نور جیسے شہسوار تھے ان درجہ مبصری بھی تھے۔ گھوڑے کے عیب و صوب و قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ دربار قوم کی عادت سیرت سے لڑوے خوب گاہ تھے۔ شہر میں جو سود گر پیش قیمت لڑا کرتا تھا اسے حضور کو بد خط نہایت تھیں۔ بعد شہر کے نہیں کہتے تھے۔ جو گھوڑا چھ قوم دار ستارہ حضور لیتے تھے

حضور نے ایک نعت بطور قاعدہ کلیہ عقیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سوار کی سلطنت رہتی ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا زیر اور شاختن کی یہ ہے جس رنگ کا بادشاہ ہوتا ہے سوار اس رنگ کا گھوڑا شہر پر نہیں ہوتا۔ محک و فدا رہتا ہے اور اس کی پیدائش بھرتا رہتی ہے اور وزیر کی شاختن یہ ہے کہ اس کی عادت بلو شہر سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بطور شاذ ایک دو شہر پر بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ قدرے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ پورے کی سلطنت ہے اور اسے وزیرت اور بعد بزرگ کی سلطنت ہوگی۔ "روایت کی وزارت۔"

گھوڑے کی قوم میں سے ایک قوم سے پیریا اس کا خواص یہ ہے کہ وہ منٹوبہ کے روز روزوار رہتا ہے اور اپنے تھان پر انجس اور غیلہ آئی کو مثل خاکرب وغیرہ کو نہیں آتے دیتا۔ اور اگر آجاتا ہے تو فوراً اس پر چوٹ کرتا ہے۔

ایک بار میں دربار میں موجود تھا۔ وہاں جی سا گھوڑے سے آئے۔ اس بار وہ گھوڑے تھے۔ اس بار آئے گھوڑوں کی صف ستارہ تھی اور حضور کیونکس سے پچ

کے در میں تشیف رکھتے تھے۔ تینے فصد سے دیو کر فرما دیا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا چھ ہے بھر طیکہ ٹرینہ ہو۔ غرضکہ موہ کو آگے طلب کیا گیا۔ وقتی گھوڑا شکل و صورت کا بہ نسبت کاروان اچھا تھا۔ ختم ہوا۔ سواری دیکھی جانے۔ ایک چابک سوار کو سوار کر دیا گیا۔ چابک سوار نے چابا باغوں کو پھیر کر دکھائے۔ گھوڑے نے باگ پرے کر شرارت شروع کی۔ ہڈے ہو کر تالی بجائی اور نیچے اتر کر باجھی پھینکی۔ موزے پر منہ ڈالے۔ سوار وہاں تھا۔ مار گیا۔ جات پانی مشکل ہوئی۔ اسے اتار دیا گیا۔ وہ سوار چڑھا اور اس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا زبردستی خاندے وان میں جا پڑا۔ کٹھ سماں کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار مار دیا۔ آند ر خاندے میں سے تمس وہاں سے لٹھی مار مار نکالے۔ وہاں سے پڑیا خانے میں جا پڑا۔ وہاں سے مار مار دیا۔ وہاں سے برابر سواری کی اور گھوڑے کی لڑائی رہی۔ اب گھوڑے کا یہ حال ہو گیا۔ پینے میں شراب اور تمام راتوں کے کھڑے ہو گئے۔ باجی سے خون کی فصدیں اٹھیں۔ اور خون بہہ نکلا۔ اور گھوڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے۔ کیا مجال کہ یہ تانی کرے اور بادشاہ کے نائب پھیر کر دھوا دیا اور سلام کر کے پڑا۔ اس وقت بادشاہ نے ایک شہنشاہی راجاں چابک سوار کو معاف فرمایا۔

مورخ شش قادی ہاتھی مورخ شش قادی ایک قدیم ہاتھی معمر تھا۔ کئی بادشاہوں کی سواری کی تھی اس ہاتھی کی عادتیں بالکل انسان کی تھیں۔ قد و قامت میں ایسا بلند ہوا ہاتھی ہندوستان کی سر زمین پر نہ تھا اور نہ اب ہے۔ یہ ہاتھی بیٹھا ہوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ دوازدہ ہست رہتا تھا کی آدمی کو سوائے ایک خدمت کے پاس نہ آنے دیتا تھا۔ جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوبدار جا کر حکم سناتا تھا۔ میں مورخ شش کل تمہاری نوکری ہے۔ ہتھیار ہو جاؤ۔ نہادھو اور تیار ہو رہو۔ اس کی وقت سے ہتھیار ہیں۔ فیضان تھان سے کھول کر بہن میں لے گئے اور سے جا کر سنا دیا اور جھانوں سے میل چھڑا کر دیا پھر دوسری کروٹ لے کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لے گئے۔ نقاش نے مستک پر نقش و نگار کھینچ دیئے۔ وقت سواری مدید اس کرکار خانہ میں لے گئے۔ گناہ پندیا جھولی ڈالی، عمار کی کسی نقار خانہ کی دیوڑھی پر کراستاد کر دیا۔ برابر اور ہاتھیوں کی قہار کھڑی جس وقت ہوا اور سواری بادشاہ نقار خانہ کے دروازہ سے برآمد ہوا۔ پہنچ کر تین سلام لےئے اور خود ہی بیٹھ گیا۔ جس وقت تک

بادشاہ سوار نہ ہو لیس ور خواص نہ ٹٹھکے کیا محال کہ پہنچ کر جائے۔ جب بادشاہ سوار ہوئے اور فوجدار نے شاہہ یہ فوراً استردہ ہو گیا۔ ایک خوبی در تھی کہ وقت سواری دو ماہیں سے دونوں کانوں میں پہنائی جاتی تھیں۔ دو ترکش نیزوں سے کانوں کے نیچے آویزاں کئے جاتے تھے در بہت بڑی سپر فو۔ وی مستحک پر نصب کی جاتی تھی در بہت بڑے نقد چاندی کا معدہ چھم و ہنہ فقرہ سے سر پر رکھا جاتا تھا اور پیچون کی شٹ فوجدار خاں سے مندرتے پر رکھتے۔ بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے در سواری روں ہوتی تھی۔ یہ مقدار ہے کہ حقہ ترسندہ پانی چھم سے ایسا سب رفتار تھا بڑی ٹنھوں رفتار تھی۔ قصہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی تو ویسا ہی مست ہے جیسا تھا۔ یہ ماں سے ہاتھی اور سل تھائے وہاں وہ صنف در تھی کہ تمام دن خور سال جو در برس سے کن سے کن پے معصوم ہوتے تھے سے سے دیکھتے رہتے تھے۔ ان سے حیر کر تا تھا در اپنے ہاتھ سے ٹوں چاریاں قور در صاف سے نواہا کرتا تھا۔ دن بھر پے اسے کچھ سے رہتے تھے۔ پے سے متے تھے مگر شش غی سے قور یہ اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اٹھا لیتا تھا اور ہار کرتا تھا در پے جتنی بڑی تعداد ہوتے در سے دیکھتے کہ کھڑی ہر یا، کھڑی سی قدر ہاتھ اٹھا رکھتا تھا۔ سب پے کہتے ٹیپا، تھو ٹیپا، بتا۔ چھ آپ قون کرتا۔ پے ایک پاؤں سے حرام ہو جاتے۔ دو کھڑی ہر سے پیشہ کرتے۔ کھڑی پوری ہوئی تو در دیتا بھی نہیں ہوتی ہے در جب کھڑی پوری ہو جاتی تو خود ہی قون سے دیتا۔ پے پاؤں ٹیپ دیتے تھے جس دن پہنچتے تو چٹخیں ہار کر دیتا تھا۔ ہٹوں کوئے کھلاتا۔

جب فیخانہ شاہی اور اصطلیل پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اسپ ہمدام اور مول بخش با تھی نے دند پانی چھوڑ دیا۔ اسپ ہمدام بہت بڑا شاندار گھوڑا دور کا بہ نہایت خوش رنگ و در خوبصورت تھا۔ سواری میں سب کو قون سے آگے چلتا تھا۔ زمانہ و نہجدی سے بادشاہوں سواری میں تھا۔ سب سے ہر چاہیں ساں ہونی تھی۔ تمام جسم سے منتشر تھا در چھم سے جسم سے گاہ سے چھم سے ہر شے رنگ سے چھم سے تھے۔

جب انہوں نے آپ ان کے رہا قور بخش سے فیہان نے جاری ہند سے صاحب و طبع دیکھی کہ با تھی نے حناء پیا پندہ رہا ہے۔ کل کاں ہنسی مدنی ہو جائے تو ہار کئے چھائی سے کن۔ ہمدام سے صاحب ہو ورنہ کیا۔ لیکن وہاں ہیں

[illegible]

جاننا کہ یہ مسلمانوں کی شہریت ہے۔ یہ مسلمانوں کی شہریت ہے۔ یہ مسلمانوں کی شہریت ہے۔

خلق اسے، شادیوں، بارگاہوں، عظمت و شوکت و جلال و کبریا، اسے خدا،
بعد حمد، فضل و بجز، عسروہ نفس و عسروہ لحم، سن نعل سے آراستہ و چمکتے تھے۔ غرض
عسروہ میں تقدس متوجہ میں اس درجہ تھا کہ خواہ کوئی بہ کاپ بارگاہ احدیت میں
مستور نہ ہوتے تھے۔ ابھی وہی کلمہ آمنت و طوطی زبان پر نہ آتے تھے۔ وہے نکلتے
روحانیت پاس ہو رہے تھے۔ سرمدہ خدا سے نعل محمدی سے پیش آتے تھے اور عام شہروں
سے مرنے تقدس مترنم رہا، صحت و تقویٰ، صہارت و حیات کی جانب مائل تھا۔ یام
شباب میں بھی مرثوب منہیات و ممنوعات شریعہ نہ ہوئے۔

خوش بیٹ سے ارجمند تھے کہ ٹرپروں میان فرمائے جائیں تو دل کو یہی نہ
حاصل ہو۔ صد باغیہ و حکایت عجیبہ و غریبہ نوک زبان تھیں۔

اکہ تذاوہ جات عام شہرہ آفاق۔ زمانہ سلطنت حضرت شہ عالم بہادر مرہوم بیان فرمایا کرتے تھے۔

جہاں فسوس و مقام جہاں ہے دنیا ہے پادشاہ و پادشاہ و فی ازمائش و پادشاہ و پادشاہ
عبارتیں پرانی سلطنت اس زمانہ کی سلطنت معرکوں میں آئی ہے۔ کیسے کیسے ہاتھ باندھ
وہ عزم و شہادت صاحب قیاس و خاندان و پادشاہ و پادشاہ ہیں۔ جن کے ریت

جہانگیر کا پھر یہ قیصر روم و خاقان چین و زار روس کے سروں پر ہوتا تھا۔ بڑا ہر شمشیر غریب سے شرق تک کشور ستانی کا ڈنکا دیا۔ ہفت اقصیٰ میں رعب داب کا سہا تھا دیا۔ شہر وانی انتہائی سے لے کر بیہوش و شہاد و ہلی تک پانچ ہزار سال سے زیادہ سلطنت خاندان مغیہ میں رہی ہے۔

امیر تیمور کشور گریں ہمت و جرأت کو غور کیا چاہیے کہ ہفت اقصیٰ میں قبضہ کیا یا۔ بڑے بڑے سرکشوں کو تے کی کھوپڑی میں پانی پلایا۔ سلطان روم و حوے کا بیٹا دیا۔ ن سو مہنگی ہوئی تھی تن تنہا جان واحد کمر سے نکل کر حد کاں سے تاریاں شہر پنا قبضہ کیا۔ بادشاہ نے حکمت عملی سے تمام ہندوستان کے ٹان میں ورن اس کی حاکمیت قائم باستی پورے پورے عالمگیر ہی ہوئے۔ باون برس پہلے کے خیر میں ہر سرے تمام ہندوستان پر قابض و متصرف ہو گئے۔ ایسی قدیم سلطنت و زمانہ بجا رہا اب ان کے یہاں سے تار و کیا کہ توارق تک میں درج کرنے کو نام و نشان باقی نہ چھوڑا اور پچھ پاس قدم نہ کیا۔

فاعترو ما اولیٰ لا نصار

تو انگریز بدل است نہ سماں

حیال ز اموال برے خوردند طیلاں غم سیم و زرے خوردند

راجہ اسجیت سنگھ

ن کے واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ راجہ صاحب موصوفہ میں ریاست پٹیالہ کے چچا تھے۔ ایام شباب میں وردہلی ہوئے تھے۔ بڑی کے عیش و عشرت میں یہ مرغوب طبع ہوئے کہ پھر وطن مالوف کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کے جاگیردار تھے۔ جس وقت آپ کی جاگیر کا روپیہ آتا تھا کل سہاں ہر تازہ نوادر سے کر کے راجہ بن بیٹھتے تھے۔ مکان کی آرائش، شیشہ آرائش، جھانڈاؤں کاڑی، گچھی، مہان پڑاٹا۔ ہاں یہ وہ غیہ و سب زہر تو خرید لیا جاتا تھا اور جب داؤد شہ و غیہ و پر سر باندھی جاتی تھی تو چند روز میں سب کو دے دیا فقیر ہو جیتے تھے یک بار ایک کھل رکھتے تھے اور کہتے تھے "میں تو فقیہ ہیں" بعد قرض دام پر گزر آرت تھے۔ سال بھر میں وہ کہ روپیہ کے مقروض ہو جاتے تھے۔ جب وہ تین سال میں پانچ چار لاکھ قرض ہو جاتے تھے تو تیس لاکھ باری

ہوا تھی۔ یہ خبر چڑیا۔ میں کھینچتی رہی پٹیا۔ غیب بدنامی ریاست روپیہ کھینچ دیتے اور سارے گھر میں ان کے دسکے پانچ چھ نمونے پیش قیمت معد ساز طرہ نقرہ ایک دو رنجہ ٹیس برائے سواری لکھتے رہتے تھے اور یہ گھر سارے لوگوں کو خوش کر دیتے تھے۔ ایک سارے ایک فیملی ہر دو معدیہ اور نقرہ دو جھوں زر و زنی و حوضہ نقرہ ایک ہزار روپیہ خوراک مومن خان صاحب کو عطا فرماتے تھے۔ اور ایک زنجیر یا یہ فیملی ہر دو صاحب کو عطا ہوا تھا۔

رجہ صاحب موصوف کو دو باتوں کا شوق از حد تھا۔ ایک شعر و سخن کا اور دوسرے
منزل پر پہنچنے کا۔ سب دنوں میں وہ اپنے رخصتے کرتے۔

جس شخص کو کہتے تھے کہ شعر مانتا کہ سے پہلے اس کو قدرانی حد سے
 مدد ملتی تھی۔ کنے اپنے حوٹ خدواری سے فارغ ہو کر رہا کرتے تھے۔ وہاں میں
 مسکن میں تمام وہ وقت وہاں رہا کرتے تھے۔ وہاں میں قصہ وہاں رہا کرتے
 تھے۔ کہ کہ بہت عیش و عشرت میں رہا کرتے تھے۔

پتا کہ نہایت عمدہ، لطیف ہنستے تھے اور اس نسبت کو بھی خوش پوشاب رشتے تھے۔ اور روز بروز ان کے رشتے تھے جو شاعران کے پاس پہنچ گیا اور اس پانچویں قسم کے کن کے خون نہ جانے، یہ تھے کہ وقت اس وجہ سے ختم ہو گیا کرتے تھے۔

رات میں یہ بیعت ہوئی تھی کہ میں چھپیں خیاط چٹھے ہوے ہیں اور تھان پہ
تھان پارچہ اور ٹونہ ناری وغیرہ کے چے آتے ہیں اور سبے مند میں ہمارے اور دوشے
وغیرہ خریدے جارہے ہیں اور جوزے تیار ہو کر سب کو ایک رنگ تقسیم ہو رہے ہیں۔ میں
میں بزار روپیہ میں نے ایک جس میں تقسیم کرتے ہوئے دیکھا ہے غرض کہ چند روز میں در
نقد تقسیم ہو جاتا تھا۔ بعد تو شے خانہ تقسیم ہوتا تھا۔ بعد سواریاں بخشش کی جاتی تھیں۔ پھر
ماہان مکان تقسیم ہوتا تھا۔ جب سب چھوڑے چلے گئے تو سہ ماہ تک ٹھہر کر روپے پر ہونے لگے

سے اس کے کافی غم۔ صاحب میر غم سے نہیں بزر۔ یہ انتہائی سخاوت ہے
کرونی صاحب ملک اس درجہ بخشنے کو قویٰ نہیں۔ اس کے بعد غم پر دریاں بہنا تجلیات سے
ہے یہاں یہ غم اس قدر زیادہ قیمت کار میں پڑا۔ اسے بھی اپنی قسم کا بھی ہے۔ تم اس
غم کے اوصاف نہ دیکھ سکتے ہو۔ کامدروں کو تا یہ بھی ہے۔ اگر یہ غم اس کو دیا جائے گا

تو تھارے نے بہتر نہ ہوگا۔ فقیر کا مدد و حفاظت کرتے تھے۔ ایک روز یہ خوشی ارواڑہ میں
اس پر سوار چلے آتے تھے کہ ایک فقیر نے سوں کیا کہ راجہ بیت سنگھ تمہارا نام سن کر
سے آیا ہوں کہ راجہ صاحب بڑے نخی ہیں۔ جب میرے سوں پر اردو۔ قومیں جاوے۔
راجہ صاحب۔ تیرا کیا سوال ہے۔

فقیر۔ یہ گھوڑا مجھے دے دو۔

راجہ صاحب گھوڑے پر سے ترپڑ۔ گھوڑی کی باگ سوں کو دے دی اور کہا کہ
میں جانتا تھا کوئی بڑا سوں ہوگا کہ مجھ سے پورا نہ ہوگا۔ یہ تو چھ بھی سوں نہ تھا۔ غرض کہ فقیر
گھوڑا لے کر رہی ہو۔ یہ پیادہ مکان پر پہنچے۔ کامداروں نے سنا کہ گھوڑا دے آئے۔ وہ تماش
کر کے فقیر کے پاس پہنچے۔ اس سے دریافت کیا گھوڑا پچھتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ کامدار نے کہا
کیا ہے گا۔ سوں نے سنا ایک ہزار۔ کامداروں نے فی غور گھوڑا کہوں یا۔ مکان پر آکر ہزار
روپیہ سے لے دیا۔ جب تو وہ گھوڑا لے کر رہا۔ حدیچہ وہ کے کسی در کو دے دیا۔

شہرِ دہلی کی تقریبات

دہلی میں یوں تو سب میلے مثل عیدین و رہارہ، فاقیوں اور سکس اور حضرت نظام
الدین و سیا کی ستر حویں بڑی، خوبصورتی سے ہوتی تھیں، ورتماہ شہ کی خلقت کا اثر، تمام عام
ہوتا تھا مگر یہ گل فروشان عجب پر تکلف و رنگین میوے تھے۔ یہاں میری نظر سے اس
نہیں گزرا۔ ہر چند کہ بڑے بڑے میوے ہندوستان کے مثل ہوا اور ہیشمر اور مکیتر میں
نے دیکھے ہیں مگر قوت و قوہ پھول و پودوں کی یہ کی کیفیت و رنگینیاں سے کیا نسبت
ہے۔ ان میلوں میں کنواروں نے سمجھتا ہے یہ تحقیق پن کہیں۔ لال قوہ، مندر ہی یہاں تھیں نہ
اور نہ دستِ فدا کے عدا، معر و مرغزرا، کوسر، چشمہ سار میری نظر سے گزرے ہیں یہاں
پر نصیب سار و سب، انیسے میں نہیں آیا۔ نہ یہاں نہ رت کا ت نہ اپنے رنگت و نجات کا یہ
اور نہ یہاں رینو کا۔ یہ میوے ہندوستان کے خواجہ قطب الدین شکیار کاں راجہ مدد علی کے مزار پر
ہوتا ہے۔ مزار مبارک دہلی سے سات کوس کے فاصلے پر جانب جنوب و مشرق میں
واقع ہے۔ یہ وہ خلیع زمانہ سلطنت و جاں ہندوستان میں، اور خلیع ہندوستان تصور کیا جاتا
تھا۔ چنانچہ راجہ پرتھوی انشاوارہ کے ہندوستان کی مقام پر ورنگ آکر سلطنت تھا۔

اس کی مینار قلعہ اور محلات اور معدے بہتہ، شکتہ اور بخت تان تان میں موجود ہیں اور نیچے جیہا مسجد نیم تیار، شاد قصبہ مدینہ، وقت بندہ تان بھی سی محل پر مسور شدہ دیا گھر رو رہا ہے۔ بہت خانہ ٹوٹا جاتا تھا اور مسجد تعمیر ہوئی باقی تھی۔ نصف بہت خانہ ٹوٹا تھا اور نصف مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ شاد قصبہ نام سے افست پانی۔ مسجد کی تعمیر نام نہاد روئی۔

کار دنیا کے تمام گھر۔ اس میں شگ نہیں کہ اگر یہ مسجد تعمیر ہو جاتی تو روئے زمین پر اس تعمیر کا نظیہ نہ نکلتا۔ اس مسجد کا ایک مینار تیار ہو گیا تھا اور دوسرا بنوڑا تمام تھا فقط ایک کھن اکھنے پایا تھا، مسجد کے، ان کے در نصف تعمیر ہوئے تھے۔ مینار مسجد کا ارتفاع انسی گز کا ہے۔ سات منز میں سی کی قرار دی گئی۔ دور مینار کی عمارت مشن کمر کی سات خوش مواد مہبوط ہے۔ پاشش عمارت سنگ سرخ سے ہے اور اس پر کلام مجید چار ٹکڑے ہیں جس قدر کے نذر دیا ہو ہے۔ طرف ہر اس میں لیکن کس خوش نویس کے ہاتھوں تحریر ہے۔ انھوں نے خانہ دانی چاہتے۔ مینار تیس مسجد کے، اس اور محرابوں پر بھی سی تعمیر کے نام نہاد شکتہ ہے

اس مسجد کے کھن میں دولت خانہ شکتہ ہے بہت خانہ کی عمارت سات عمارت سے بہتہ ہے۔ فتنے پتھر اس پر پتھر چن کے گئے ہیں مگر اس ترتیب سے چنے گئے ہیں کہ آج تک آج ہیں بہت خانہ کے کھن میں وہ ستون آج بھی کھیل سکتے ہیں وہ نصب ہے اور اس کی سطح تہائی چوہ عبارت نذر ہے۔ اس کی کیفیت اس طور پر ہے کہ پر تھی رنی و منجھوں نے خبر دی تھی کہ تیرے محلات کی میں میں راجہ باسک جوزمین کاراجہ ہے اس کا نذر دیا ہے اس کے سب سے پہلی خوبیاں اس کے، ایسا سے جانے نہ پائے۔ پھر تیرے کھن میں ہے کہ۔ قیمت تب تیرے کی اور میں سے سلطنت نہ جانے پائے کی۔ منجھوں کو زمین اس کی کوئی تعمیر مگر خدا کے محمد کی خبر سے کتب خیر تھے۔

شانِ قدرت دم کے دم میں کیا سے کیا پید کرے

جو نہ ہو وہم و گماں میں برد پیدا کرے

غرض کہ سب مدیت و شجاعت کی کا دم تیار۔ کی کی اور معجب نشان اپنی مہمان زمین میں

نہ نئی تھی۔ بس زمین پر نصب ہو گئی راجہ کو بھیمان کے قول کا اعتبار نہ آیا۔ مگر اس نے وہ
 کھینچ کر لے کر اپنے پاس سے دیکھ کر وہ بہ چند ہفتوں کے متغیر ہوا۔ یہاں تک کہ جب
 مانتا تھا۔ مثل ہندی ہے راج ہٹ، تریاہٹ ہالک بس یہ نہ سنی اور یہی وہ تھا۔ یہی تو
 یہ تھا۔ یہی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حکم دیا چرائی جا رہا تھا۔ انہوں نے جواب
 دیا ہوتا ہے۔ دو مہینے کا نہیں پہنچا۔ وہ پتاں کا راجہ ہے۔ یہاں تک یہاں بٹھارہ۔ مزاروں میں
 پہنچ گیا۔ غرضکہ وہ یہی گج تک کی جا موجود ہے۔ اسی محل سے آبادی موضع مہروں شروع
 ہوئی ہے اور مقام جھرنہ اور دیا مسجد پر جا کر ختم ہو گئی ہے اور اسی مسجد کے گوشہ ٹھکانا
 مشرق میں سنگ سرخ کا حجر ہے۔ اس میں بادشاہ علاء الدین کا مزار ہے۔ موضع مہروں میں
 آبادی ماننے کے کھنڈ کو ہے۔ یہ پہاڑ چند بلندیوں پر بلند نہیں ہے بلکہ زمین میں دوڑ ہے۔ اس کی عمارت مسہر
 شدہ کے آگے بڑھ کر عمارت مزار مبارک خاص ہے۔ مزار کا چبوترہ چار کھانے چار کھانے
 ہو گا۔ ارتفاع ایک بالشت سے کم پر چبوترہ آیا۔ یہ حد بندی مزار ہے۔ مزار پر کئی
 ٹوٹریوں کے درجہ درجہ نشان تابشور موجود ہیں۔ مزار مبارک میں جو کچھ ہے۔ اس کے
 حضرت کا ہے کہ ان ٹوٹریوں کے نشانات کو تبدیل اور تغیر نہ ہو۔ حضرت نے قبل وفات
 مریدان وہ صیت فرمائی تھی کہ میرے مزار میں دو دروازے ہوں گے۔ سقف اور سندھ وغیرہ ان
 تکلیف نہ کرنا۔ درگاہ ہی کے ملحق عمارت محلات ہاں شاہان ہے اور سامنے سے رخ و جانب
 مغرب مکانات رعایا میرا ہیں اور بازار ہے اور کھانے ہے اور سرائے پختہ ہے اور دورویہ
 مکانات اور کمردجات و روکائیں وغیرہ تعمیر ہوتی ہوئی چھر نے تک چلی گئی ہیں۔ آبادی کے
 گوشہ مغرب اور جنوب میں تاریک عظیم الشان ہے اور وسط میں ایک پختہ چبوترہ ہے
 اور اس پر ایک بڑی نما مکان ہے اس کے درمیان میں وہ تاریک حوش کھنڈ ہے
 نام سے موسوم ہے اس کو بادشاہ قس لدین ایش نے تعمیر کیا ہے۔ یہ روایت اس تو
 مشہور ہے کہ بادشاہ قس لدین کو خواب میں جناب مہاراجا کا نشان زیارت ہوا اور اس نے
 دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے پر سو رہے ہیں اور اس محل پر تشریف رکھتے ہیں
 اور شاہزادہ اکبر شمس الدین یہاں حوش ہوا۔ چنانچہ بادشاہ جب خوب سے بیدار ہوا
 اس موقع پہ پہنچا اور اس کے کھانڈے کے چاروں طرف سے نشان موجود ہیں۔ اس وقت وہاں
 چبوترہ اور درج تیار کرانے کا حکم دیا اور گورا اس کے حوش کر دیا۔ پہاڑ کپانی باب مغرب سے

موجودہ شکار میں بہت سے راس میں فرہم ہوتا ہے اور مشرق کی جانب پشت ہے اور پشت پر
عمارات کا نہیں، وہ مکانات ہیں اور بار بار سے عتب میں جانب مشرق نشیب ہے اور تاب
کے جانب میں درختانِ خوب آئے ہیں جو مریوں کا ندھیری باغ مشہور ہے۔ بازار سے
قصر پر جانب مشرق نشیب ہے اس کا ارتقاء قریب اس کے ہوگاں محل پر جھرنے کی
عمارت ہے۔ تاب سے غارت کی جو سڑک ہے اس سے نیچے ہی جھرنہ ہے۔ چونکہ زمین
تاب کا پانی جھرنہ جھرنے میں جاتا ہے جھرنے کے نشیب پر دیوار پشت ہے اور پشت سے
مشرق ایک دیوار سنگ سرخ کا ہے اور دونوں پہلو میں زمین ہے۔ اور آگے اس دیوار کے ایک
خوش چوڑ پکھل قدم سے زیادہ عمیق ہے۔ اور صحن وسیع پختہ چبوترہ کا ہے اور خوش میں سے
ایک نہر رواں ہے کہ خوش میں پانی چل کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں سے پانی کی چوڑی
چلتی ہیں اور چبوترہ پر سے نیچے کرتا ہے اور سامنے اس چبوترہ کے ایک پہاڑ کا ٹکڑا ہے کہ وہ
ذھنون سے دھسے پہلو میں زمین ہے اس پر آبی چڑھ کر اس پہاڑ کے ذھنون پر بہتے ہیں تو
پھسل کر نیچے زمین پر آ رہتے ہیں۔ سے پھسلنا پتھر آتے ہیں اور جھرنے کے دیوار کے
دونوں جانب شکار اور جانب میں عمارت کے دو مکانات دیوار دیوار ہیں اور ان مکانات اور
صحن جھرنہ پر درختانِ خوب سایہ دار ہیں جھرنے کے خوش میں پانی تاب کا بھرتا جھرنہ
برتابہ اور جھرنے میں پھلتا کر نہر میں جاتا ہے اور نہر میں چوڑی پھلتا کر نہر جاتی ہیں۔
میدان کے مقام میں اس مقام پر جب کیفیت ہوتی ہے کہ قابض دیکھ ہے۔ نہر با آبی جھرنے
کے دیوار کی سقف پر سے خوش میں گرتے ہیں اور تیرا بہاؤ نکلتے ہیں اور پھر چڑھتے ہیں اور
پھر گرتے ہیں یہ تار بہ عمارت ہے جسے پہاڑ پانچ آبی کوئے گرتے ہیں اور پھسلنے پتھر
سے کھنڈروں آبی تھکتے ہیں۔ جھرنے کے مکانات میں چھوٹے واسے بیٹھے ہوئے ہیں تیار
رہتے ہیں اور تیار ہوئے ہوتے ہیں۔ پانی کا بہاؤ ہوتا ہے کہ کان پڑی آوار نہیں

یہ پتھر اس بل کا چھٹا اور پھسلنا ہے کہ ہر کوئی اس پر بیٹھا اور پھسل۔ چھوٹے واسوں کی سیر میں انہوں
کا اس پتھر پر چھٹنا تماشا بہ جاتا ہے استاذِ ذوق نے اس مطلع میں اسی پتھر کا حوالہ دیا ہے۔

میں کہاں سنگ دریا سے مل جاؤں گا

کیا وہ پتھر ہے پھسلنا کہ پھسل جاؤں گا

آتی ہے ہر رات آدھیوں کا ڈھانچا اس محل پر لٹکا ہوتا ہے۔ روچنے کو خان نہیں ملتی۔

یہ میلہ ساتوں کے مہینے میں ہوتا ہے۔ جمعرات کے دن پنکھا چڑھتا ہے چاروں
برابر یہ میلہ رہتا ہے تمام شرکی خلقت ہندو مسلمان امیر غریب ادا۔ اٹل شہ سے سب چلے
جاتے ہیں۔ شہ میں دکان کوئی شذر نادر کھلی رہتی ہے ورنہ تمام حلوانی۔ مانہونی۔ صاق۔ کباہی
سب خواجہ صاحب میں جا کر دکانیں لگاتے ہیں۔ صو سیوں کی دکانوں کا جھوم اعظمت مدد ایک
ایک دکان سولہ سولہ گز زمین مربع میں لگائی جاتی ہے۔ دکان کے اندر بڑے بڑے گڑھا دھلی
کے چڑھے ہوتے ہیں ور چوریاں پوڑیاں۔ بیوریاں شیرنی وغیرہ تیار ہوتی ہے بازاری جانب
تھو تھو چھنے والے بیٹھ جاتے ہیں۔ تاہم وار نہیں آتا ہے۔

مکانوں کا کر یہ سینکڑوں روپے ہو جاتا ہے جا جا کر یہ خیمے استودہ ہو جاتے ہیں۔
شہ کی خلقت شبانہ روز ناچ رنگ، لکھتی ہے ندھیری ہریل میں جھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ شہ دن
بازاری اس میں جھوٹی ہیں۔ ہلکی ہلکی پڑتی ہوتی ہیں۔ عجب کیفیت ہوتی ہے کہ میان
نہیں ہو سکتی۔

دن کے دوپہ بھرنے پر سے پنکھے ٹھٹھتے ہیں۔ آگے آگے تو اور اقوام اہل حرف
کے پنکھے ہوتے ہیں اور سب کے پیچھے چوں و سوں کا پنکھا ہوتا ہے اس وقت کا ترسناک دیکھنے
سے تعلق رکھتا ہے۔ گریہ میں کسی آدمی کا پاؤں زمین سے اٹھ گیا تو آدمیوں کی پیشکش میں سو
سو قدم تک اڑھ چد جاتا ہے ہر پنکھے کے آگے رہن چوکی سجائی جاتی ہے۔ اور جاتے تھمتے
جاتے ہیں ور آہستہ آہستہ پنکھا رونہ ہوتا ہے۔ نغمہ کی دے ستم کرتے ہیں۔ ہنسی۔ ہنسی
غیر ہن میں مدد لگاتے ہیں کہ آدمی کے اختیار اور سہہ ٹھوٹو ہو جاتے ہیں ہنسی۔ ہنسی تنہا کا
نہیں رہتا ہے ور عالم کے اختیار میں جو ہاتھ میں آیا پیٹنے دیتے ہیں۔ وٹھوں اور مکانوں پر
سے صد بارہ پیدہ رہتا ہے۔ نغمہ کی دے برس دن کی روٹی پیدا کر دیتے ہیں۔ مکرہ کے پیچھے
اس اس پندرہ پندرہ منٹ توقف کرتے تھے رات کو نو بجے جا کر درگاہ میں پنکھا پکچتا تھا۔
بھڑائی کا مل تو، شاہی محل کے نیچے نغمہ کی جاتے تھے ور محل کی چمنوں میں سے وہ پ
ٹرفیاں اور ٹالے برستے تھے۔ بعد وہ جا کر درگاہ میں پنکھا چڑھاتے تھے۔ پچیسے کے آگے۔
بعد وہ سب خلقت بدستور بھی رہتی تھی اور جھم کے کی کیفیت اور میکے کے تماشے میں ور
خرید و فروخت اشیا تھم جاتے میں مشغول رہتی تھی۔ اور گاہ کے دروازے کے آگے یہاں رکھ دیا جاتا

جب سولے گھنٹے کے کوئی چارہندہ دیکھا تو سب نے فوجیوں کو اپنے پاس لے کر
 اور تمام گھر بار اپنا ہمراہ لے کر محل شاہی کے نیچے پر جھروکے آکر ڈنڈا پیٹاں مار
 جھروکے کے نیچے جا کر فریاد مچائی کہ ہم پناہ چھوڑ کر شہر سے کہاں جا میں۔ بادشاہ رعیت پناہ
 نے بھڑکنے لگا کہ ان غریبوں کے حکم دیا کہ ہمارا بیڑہ خیمہ جی ریتی میں سب دریا
 جمن ان کے برابر لگا دو۔ جہاں رعیت کا وہ دور۔ شاہرورد پشکان نے بھڑکا، صدر حکم
 کا سطلانی سے جا کر سب دریا استاد کر دیے۔ یہ خبر صاحب ریڈنٹ بہادر کو ہوئی وہ خبر سننے
 ہی بادشاہ کی خدمت میں دوڑے ہوئے آئے اور حضور میں عرض کی کہ حضور یہ کیا کرتے
 ہیں۔ حضور کے ہمراہ تمام رعیت شہر سے نکل کھڑی ہوئی

بادشاہ سلامت۔ بھٹی جہاں میری رعیت وہاں میں۔ رعیت میرے ہاں ہے
 ہیں۔ میں ان کو کیونکر اپنے سے جدا کروں۔ کہیں گوشت سے ناخن بھی جدا ہوں گے ہیں آج
 تو قصبات کو شہر بدر کرنے کا حکم ہو ہے کل کی اور قوم ہو گا پر سوں کی اور قوم کو نہ گا،
 برسوں کی اور قوم کے، سبھے حکم جاری کیا جاے گا رفتہ رفتہ سب شہر خانہ بریا جاے گا۔ اگر
 تم صاحبوں کو شہر خالی کرنا منظور ہے تو صاف مجھ سے کہو۔ میں شہر کی رعیت کو ہمراہ لے
 کر خود صاحب میں جا بیٹھتا ہوں شہر کا تم کو اختیار ہے جو جی چاہے وہاں رہو۔

صاحب ریڈنٹ بہادر۔ حضور ہم گزرا یہاں نہیں نہ فرما میں۔ ہی وقت دن
 فریادوں کی دادرسی کرتا ہوں اور سب کو شہر میں آئے دیتا ہوں۔ حضور پناہ خیمہ ڈیرا لٹھو
 دنگا میں۔ صاحب ریڈنٹ بہادر نے ہی وقت پر جھروکے جا کر قصبات و خیمہ دیا کہ جا اپنے
 گھروں میں جا کر رہو اور بیڑہ خیمہ بادشاہ کا لٹھو دیا۔

فریاد شہریوں

ایک بار گھوسیسوں کے سرکار انگریزی نے حکم فرمایا کہ تم لوگ اپنی گائیں بھینسیں
 شہر سے نکلوا اور یہ دن شہر ہٹا دو جا کر آباد ہو جاؤ۔ تمام شہر میں ایک غلغلہ مچا دیا تمام گھوڑوں
 پہاڑ پہاڑ کو لے کر مہاشی کو لے کر ریتی میں پہاڑے۔ سب یہاں ہوا، اٹھ تو مہاشی جیت
 ریشاں غبار کے ہونے لگا، فریادوں کے ہاتھوں کی سر یہ ورری کی پکار یہ حال دیکھتے ہی بادشاہ
 رعیت پناہ وہاں تاب تھی۔ کہ یہ زیبا تھی، یہ سبھی غلغلہ سابق بھڑکا خیمہ ریتی میں بھڑکا

یہ نئی حرکت ریڈنٹ بہادر آگے اور عیش معروضوں اور گھوسیلوں و سکرٹس
 کہ جاہد ستور قدم شدہ میں جا رہا ہو۔

سب سے پہلے سرگرمی نے صاحب ریڈنٹ سے کہا کہ وہ چھو بھنی مہر
 مہجوں کی میں قمریت و کمر سے بگم نہ کرے اور بعد میں قمر و خیر رہے اپنی
 سے ریڈنٹ جہاں۔ چنانچہ یہاں ہی ظہور میں آیا کاپی و رداد سے لے کر قلعہ تک اور اریہ
 سے لے کر قلعہ تک اور جامع مسجد سے لے کر دہلی و رداد تک مدتی ٹنگم کا کوچہ خمر کا بازار۔ خمر
 بازار خن وورن خن کی حویلی سے دریائے گج تک ہزار ہا مکانات نمودار مسہر کر کے دلی کا چہرہ
 بتا رہا تھا۔ اور چھٹیل میدان کر دیا تھا۔

روزہ روؤں کے گمروں میں عجب چسل پہل ہے۔ گھر گھر تجھے کاسہاں نظر آتا ہے۔ ب وہ وقت قریب آتا جاتا ہے کہ روزہ دارن شب بیدار روزہ نیت باندھ کر خور و نوش سے دست بردار ہوں۔ گھڑی دو گھڑی ستر راحت پر دراز ہو کر ستراحت فرما میں۔ تناول طعام سے فارغ ہوں ہو کر پان کی گھوریاں کلوں میں دبا کر قہین کے گھونٹ کھینچ رہے ہیں۔ کڑ جون شر شر سفلوں کے دم گار ہے ہیں۔ آنکھوں میں نیند کا خمیر ہے۔ مٹھے مٹھے دنگھے جارہے ہیں۔ ادھر آسمان کا رنگ بد نئے ٹا ہے۔ آج صبح نمواں ہوتے جاتے ہیں۔ صبح کا تارہ آمد ہو چکا ہے عمر چاندنی کھل کھل کر اپنا روپ اُکھار رہی ہے۔ مریز و بیمار رہی ہے۔ ماسٹان جہاں جیسا ہوا ہو کر رہا ہو وہاں خشوع و خضوع تسبیح و تہلیل جبراتی میں مجبور ہیں، قس میں ہیں کہ یکایک قہقہے رنائے ناز کاٹوں میں آئی۔ تین منٹ تک رہا رانا مارا۔ بعد کی جلدی پان تھوک کر غرارے۔ انت، اٹھے، ”وَبَصَّوْمٍ كَدًّا ثَوِيَّتٌ مِنْ شَرِّهِ رَمَضَانَ“ کہہ کہہ کر پانگوں پر دراز ہوئے۔ اپنی ہی کو یہ خبر نہیں کہ صبح و قیامت نور و نور ہے۔ (مستف)

نہر بھو آج کل پر کل اس کو خبر نہ ہو۔ مریض جاں بلب و صبر میر حریا ہوا اب مشرق کی جانب سے سفیدی کے مال آسمان پر پھیلتے چلتے ہیں۔ مرتع خورشید کا رنگ جو یا شجری ہوتا جاتا ہے، قس، بہت بے باک چینی کرتا ہے کی تھوڑی طرح مد قلعی نظر آنے لگا ہے۔ جھڑو نوں کی روشنی جھلس جھلس نظر آتی ہے۔ چراغ آخری صبح جاں لب کی طرح ٹمکتا ہے۔ دازد شہ پناہ کے دیدہ حیات کی طرح نماز میں۔ وچہ بندی کے پھانک ہنشم تھوڑی طرح حیراں، صبح کا تڑکا نور ظہور وقت، سنا سنا اوھر گجری آواز، ادھر مسجدوں میں دانوں کا شور دھر مندروں سے ناقوس کی پکار، غار خانوں سے، جھکی نوات کی نمور میں شہابیوں کی سہائی بھیر، یں کی دھنیں جی کو ٹیکل سے دیتی ہیں۔ سیم آخری۔ ٹھنڈے ٹھنڈے نیماتے نرم نرم چل رہے جاگئے ہاؤں کو تھپ تھپ کرنا رہا ہے۔ ڈنڈے باغ سے ہو کر جھوٹ بھاریں پتی خوشبو میں پٹ پٹ کر عطر جمنا سے صبح کا بھاری ہے۔ چوکیدار شب بیدار دکانوں کے چوڑوں پر مردوں سے ٹکرا باندھ کر ب خبر سوار ہے ہیں۔

چوچان از مرغ گریز روزبان بختن در آمد سگ و پاسبان

خروس غنودہ فرکوفت ہاں اہل رن برہنہ برمتیر وادوں
 زوری اروازہ سے نگر موت کے گھاؤں تک حسن کا ریا۔ یں سے رہا ہے۔
 چاندنی چوک کی سڑک کھٹاں بسی ہوئی ہے۔ ہزاروں چاند کے ٹکڑے سیاروں کی طرح
 جھمکتے چلتے ہیں۔ جس کو دیکھو گفت کا پرکاہ ہے۔ ایک سے ایک علی ہے۔ سینکڑوں
 بہستان کی پریاں، سوتوں نقشے، چاند سے چہرے، چھریے بدن نازک اندام گلہ
 روق مست، سیاہ پتلی، سیاہ بال، انہرے انہرے بولے سینے مرگے کیسی نگاہیں جیتے ہیں
 مر ہیں۔ رستے پاؤں تک چاندی سائے میں مدی چاندی چلی آتی ہیں۔ ہمدانی، تن ریب
 کے دوہرے دوپٹوں میں سے آندن سی بدن کی رنگت چاندنی پڑتی ہے۔

کیا تن نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے

یہ بدن کارٹک ہے۔ جس کے جو بدن میں ہے

ادوی اور سر مگی اظلسوں کے گھیر دار لنگے چوڑی چوڑی چٹنے کی ٹانف پر پر
 طہنی ٹکونی چٹے نازک نازک پتلی پتلی حنائی نگلیوں میں پیموئی پیموئی گاہ جلیاں۔

یا چاہیے نہیں۔ فحشیت برہنہ جس رخت کے خون میں چاہیں، یا

دوری دوری پیشانیوں پر چھ چھ بٹنرے بولے، میند تہنی تھکوں میں جاتے
 ہوا صلی، پتھے پتھے سرخ سرخ ہونٹوں پر پچھلی پچھلی مسکن، تازی، ہوا، ہوا کے نی
 ہے۔

یہ شہ وہ ہے کہ غنپہ تھ حسن وادوں کا یہ شہ وہ ہے کہ تختہ تھ وادوں کا

یہ شہ وہ ہے کہ مجمع تھ مر جہوں کا یہ شہ وہ ہے کہ مرجع تھائی کمروں کا

یہ دور میں ہے زمیں جس کی درنگت ہے

یہ خاک وہ ہے کہ اکسیر ہاتھ ہتی ہے

دریاے حسن میں نازیناں گھبدن سے نمکدوں سے تختہ پہن خراتاے دریا میں
 دریاے پر نور، جیسے در رہا ہے۔ چاند دریاں مہجوں میں بھٹکے سے رہے ہیں۔
 کھنکھناتے تارے پانی میں اٹھائی سے رہے ہیں۔ دریا کی مہجیں شاق سماریں سے بیتاب
 دریا کی زہنی چلی آتی ہیں۔ دریا کے خوب نشترین ایک ایک صورت، تہ رہی ہیں۔
 مراں آدنوں کے سیرک مین مین ریت کی مار جیوں درختے ہواے مر مرین میں

نومے نگاہی ہیں۔ کشکش تم سن اصرار نے کے دن آپس میں ٹھیسٹ چھین ہو رہی ہیں۔

چھ نر۔ ہے جونی کا ہاتھ شوخیاں زیور ہیں اس کے کے

کوئی پری جیر، مد جہاں جہاں کا اشن کر کے کھڑے کھڑے ہاؤں کو مروڑی دے

کر پنجہ ز رہی ہے۔ کوئی خشک سازھی باندھ کر تیل سازھی کو مروڑی دے رہی ہے۔

فشر و پنجہ مر جاں زائد مروارید قمر ز جیب شب اشکبار پیدا شد

ٹھٹ میں یک مصرعی مہراج موٹے تازے چوڑے چکے ٹف دھنگ ہانگوں

میں نمونی۔ یہ پونی نہ نکالے تو دیکھو۔ اتنی پاتی۔ دے ہو۔ رت ہے ہیں ایک

پتر کے پتہ کے چکے پر یک ماتھ سے سندن خستے جاتے ہیں۔ یہ جانب مہادیوں

میا تھ کی ہے متامل میں اس کے اور اپارسیوں مورتی ہے۔ اور ایک مر مر کا یہ

یاد میں تھوہ ہے۔ یہ کل کے آسن یہ چھوڑ جاتی کا سامان غلوہ یہ دھار ہوا ہے

مہادیوں چھ دودھ پانی نڈھ ہوا ہے۔ چھ چھووں و چھڑیاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ

جانب کوڑی چیسوں کا ڈھیر ہوتا جاتا ہے۔ اور یک جانب مانج کا تار ہے۔ نازیناں پری جیر ہوا

نہ سو۔ اور سے نکلتی ہیں تو ہاں چن من پر پت کر مہادیوں سے رہا ٹن رہتی ہیں اور مس

ہاں مہادیوں ہاؤں میں جاتے ہیں۔

مصرعی مہادیوں یک ہاتھوں و گونگی سے پیشانی پر سندن کا ٹیڈ کا دیتے اور یک

چھڑیاں تکی کی منہ میں سے اسے دروہ و نہ ہوتی جاتی ہیں۔

میرٹھ میں غدر کی ابتداء :

صبح ہوئی گجر جا مرغ سحر کا غل ہوا

کرنے لگے چمن چمن مرغ چمن نواگری

مسجد و خانقاہ سے شور اٹھا صلوٰۃ کا

دیر میں جا کے برہمن کرنے لگے ہری ہری

مرغان خوش مان و رنگ پر میٹھے ہوئے حمد ہی چھہار ہے ہیں پانی کے مایے

میں چریاں سے پوں چوں کا وہ غل شور ہے کہ کان پڑی آواز نہیں آتی۔ مستان باد و توحید عالم

وجد میں جھوم رہے ہیں۔ عجب کیفیت کا وقت ہے۔ رانی شفق فقیہان پر پھونکی چلی جاتی

ہے۔ مظلوع خورشید مکناری ہوتا جاتا ہے۔ راہان سعیدہ چاک ہو کر آسمانوں رنگت نیلی نظر

آنے لگی ہے۔ سورج کی گنگا جمنی تر نہیں بند ہے، پہلے تاروں کی طرح بھیکسی جاتی ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں قلعہ معصے کے بند منظر وں کے سنہرے گلسوں پر پڑ پڑ کر پٹی چمک رہی ہیں۔ ہٹھک کا سنہری برج ٹکس شفق سے سنہری نظر آتا ہے۔ اس برج کو ٹمن برج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہان تیہوریہ کی خاص نشست گاہ ہے۔ اس کے نیچے چھت بھی اور چھت میں سینہ حویں ہیں ورا دیں خاص میں سے نیچے دریا کی طرف رستہ آتا ہے اور نیچے اتر کر دریا کے کنارہ پر پتھر پست ایک چبوترہ ہے جس کو پانی کہتے ہیں اس پر مائچہ ہے جس کو پائیں باغ، دیوان خاص منا چاہیے جس کا عرض تخمین میں پچیس گز کے قریب ہو گا۔ اس دیوان کا چار گز کا ارتفاع ہے۔ ٹمن برج وقت طلوع آفتاب مجازی آفتاب میں شرق کی جانب سے آفتاب، اُتر کے قریب نظر آتا ہے۔ دیوان منا چاہیے کہ چوبیسویں تاریخ کا چاند وقت طلوع آفتاب، طلوع آفتاب کے مقام میں، اور آفتاب ہو جاتا ہے۔ یہ برج اندر سے بہت چوڑا ہے اور ہشت پھل ہے اس نے اس کا نام ٹمن برج رکھا ہے جس کو اب ٹمن برج کہتے ہیں۔ بادشاہ شاہ جہاں بعد نماز صبح اسی کے جھرووں میں بیٹھ کر درشتیوں کو درشتی دیا کرتے تھے چنانچہ وہ قاعدہ مسترد و تاج تک جاری ہے۔ اس کے ٹان مشرقی۔ جنوبی طرف وہ پر سکف نفیس خوش نما خزانے ہیں۔ ان کو جھروکے کہتے ہیں۔ نیچے دہلی جانب کو ایک جنگل ہے جس میں میر تقی علی، روضہ کھاروں کا ٹمن ہے اور اس میں دوسرا جنگل ہے اس میں تھید خان رپوری جمعہ دار خاص بر داراں کا قیام ہے اور اسکی برابر میں چھوٹا چھپر اور ہے اس میں شیدی قبر جمعہ ر جھشیوں کا اور اس پٹری کا طوں قلعہ معصے کی طوں کی برابر ہے۔ اس پر پسرودروں کے فوس پوش مکان بنے چھ گئے ہیں۔ حضرت گل سحانی خلیفہ الرحمانی راج مدینہ و خنر بہادر شاہ ثانی خلیفہ صبح سے فارغ ہو کر جھروکوں میں بیٹھے ہوئے و خلیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔ مداریں تیاری ہے۔ تخت رواں جس کا سہ کی ہوا ہے اور چار ڈنڈے ہیں اس پر زربفت کی مسند بنیے گئے ہوئے ہیں۔ اور کاشانی محفل کا خاف پڑا ہوا ہے، وہ تسبیح کے صحن میں پڑے۔ اور جس کے در و روپہ ہائی پردہ پڑا ہے۔ تسبیح خانہ کے صحن میں خوب رس اور خوش، شادی، خیمہ دار چند معززین اور بار خضر ہیں۔ نظار برآمد انصوری ہے۔ تسبیح خانہ کے چبوترہ کے نیچے پچاس ساٹھ مار جن کی فو کری ہے یہ فہائات کی دریاں و سرخ پٹریاں باندھے ہوئے م رستہ آتا ہے۔ ٹمن برج کے نیچے پانی پر کوئی دوسو خاص بر دار مکی، ستارہ مکی ہے

باندھتے ہوئے۔ غلہ ان میں تلواریں دبائے دست بستہ کھڑے ہیں۔ ایک جانب کو تھیں جو ان
جھپٹی نو عمر لڑکیوں کی سرخ گھوٹوں اور دیوں سرخ منہ بیس سرخ سپے باندھے دست بستہ
مواہب کھڑے ہیں نیچے چائی کے پار رسالہ سواروں کا پرجمائے ہوئے استاد وہ ہے۔ مہدیوں
کے تحتہ میں میر فتح علی اور حمید خاں اور شیدی قمر مسیح دست بستہ کھڑے ہیں۔ جھروٹوں کی
جانب سب کی نگاہ ہے کہ یکایک باندھنے کے جھروٹوں سے ہٹ کرے کی آواز آئی۔ میر فتح علی باتو جو
رنگے بنے۔ شہرہ باب سے دریا۔ پل کی جانب میرا سب جواریا۔ پل کی جانب نگاہ کی
تو دیکھا کہ دریا پار جو میرا جری کا ہلکا ہے اس میں گنگا کی ریل ہے اور شہرہ زور آواز دے
جاتے ہیں۔ دریا کا منہ روڑا اور وہاں تیش کے احوال دھار دیتا رہتا رہا ہے۔ میر فتح
علی نے رسالہ کو غصہ کیا کہ سوار بھیج کر خبر منگاؤ کہ یہ روشنی کیسی ہے۔ رسالہ سے نکل کر
سواروں نے جو غوروں کی باتیں میں تو گراہا ہوا ہوئے گھوڑے زمین سے پٹ گئے۔ کافی
میں یہاں تھے یا وہاں تھے۔ بنو یہ موقع واردت پر نہ پہنچے تھے سیمڑھو کے نیچے پل پر پہنچے
تھے کہ دیکھا دھڑکے بے تحاشہ ٹوٹ دریا کی پل کے چپرائی بھاگے ہوئے چلے آتے ہیں۔
سواروں میں نے قہر کیا قہر ہے جو اس طرح رعب منتشر الحواس بھاگے آتے ہو۔

چپرائی جتنی جناب خیر تو ظہیر فوج ترائی۔ میرا جری صاحب کو مار ڈالا۔ ہلکا کو
گنگا کی۔ ماں کا صندوق اور ٹوک ٹوک ٹوٹا۔ ہم ٹوٹ پنی جان چھوڑ گئے ہیں۔ سواران
بادشاہی نے یہ سنتے ہی سنی باتیں پھیر دیں۔ کوئی پانچ منٹ میں وہیں سرخبر دی کہ کوئی غنیمت
دن پر چڑھ آیا ہے۔ اس کی فوج نے طاقت و تاج پر کمر باندھ لیا ہے۔ ہلکا پھونک دیا۔ میرا
کو مار ڈالا۔ ۱۱۔

۱۸۵۷ء کی جنگ ترائی کے آثار سے بہت پہلے دہلی میں انقلاب کی پیش گوئیاں ہوتی رہتی
تھیں۔ لیکن اس انقلاب کی تفصیل سے کوئی شخص گادہ تھا۔ تاہم عام طور سے یہ خیال تھا کہ اس
انقلاب کا نتیجہ انگریزوں سے حق میں رہا ہوگا۔ کوئی نہ تھا ایران سندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک
مہینہ شہرہ کہ ایرانی ملک آچھے ہیں۔ پھر یہ افواہ پھیلی کہ ایرانی فوج اردوستان کے راستے سے
آ رہی ہے۔ ہر جگہ تھا کہ شہرہ کی پانچ پشت سے فوج اور سہاں حرب تیار کر رہا تھا تاکہ سندوستان کو
فتح کرے اور یہ کہ رروہاں شہرہ کی ان کا ساتھ دے گا۔ ایک طرف (باقی حاشیہ گلے صفحہ پر)

پس گاہ حضور پر نور سے میرے سچ علی در حید خاں کو حکم ہو کہ اپنی جمعیت جہاد میں
توزدو۔ کشتیاں کھینچو۔ کہ فوج ترے نہ پاوے۔ دروازہ شہر پناہ کو بند کر دو سواروں کو رو نہ کر
و کہ بری صاحب کو کہ کر جلد حاضر ہوں اور تمام دروازہ شہر کی کہ تمام کو حکم حضور کی اور
پہنچ جائے۔ کو توں شہر کو حکم پہنچے کہ دروازہ شہر کا پور پورا بند و بست رکھے۔ کلکتہ دروازہ
بذات خود حاضر رہے۔ قلعہ دار صاحب کو حکم پہنچے دو کہ دروازہ قلعہ کی پوری پوری حفاظت
رکھیں۔ سوار کوہ خصت نوکری والے جلد گھوڑے دروازہ شہر میں داخل ہو کر دروازہ راج
گھاٹ معمور کرادیں۔

حسب الحکم تقسیم فوراً تعمیل حکم ہو گئی۔ سوار جاہی روانہ ہوئے مگر یہاں سے جو
جمعیت شکست پلے واسطے روانہ ہوئی تھی اس کو مصبول مطلب میں ناکامی حاصل ہوئی اور
بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ ہنوز یہ سلیم گڑھ کے نیچے تھے کہ سامنے ملک موت کی طرح
سوار آتے دکھائی دیئے۔ یہ پل تک نہ پہنچنے پائے اور وہ پل کے دھڑکے
آئے۔ وہاں سے بہرہ خرابی اقبال و خیزاں گریزاں سواران باغیہ کے آتے آتے انہوں نے
جھمک کے کی ڈیوڑھی کا دروازہ سیا۔ ہچکتے میں داخل ہو کر دروازہ ڈیوڑھی معمور کر دیا اور ایوان
خاص اور تیج خانہ میں حاضر ہو گئے۔ مگر حضرت قدر قدرت علی علیہ السلام پناہ میں
جرات و تمور کو فرما کے نہایت اوسان اور استقامت سے بجائے خود جس طرف تھپتھے تھے پیٹھے
رہے۔ ہرگز جہنیش نہ کی۔ اور محل کی مستورات اور راجاات عصمت میں ایک تہمد عظیم برپا
ہو گیا۔ مگر حضرت بہ نفس نفیس سب کو کلمات صبر و تسکین فرما کے تشفی دیتے رہے۔

دھڑکے سواران باغیہ کشتیوں کے پل پر سے اتر کر سلیم گڑھ کے نیچے ہوت ہوئے
زیر جھمک کے پہنچے در مردمان آئندہ و دوندہ گریزاں ہو کر کلکتہ دور دورہ میں داخل ہوئے۔ دروازہ

(بقیہ حاشیہ) اشرفیہ اندون کی مشہور پیش گوئی کا چرچا تھا۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں گمریزور، کر بھی شہر
ہو کہ ہاں قلعہ کا تعلق شہر فارس سے ہے نہیں ایام میں جامع مسجد دہلی کے دروازے پر ایک شہر
چسپاں یا گیا۔ جس میں شہر فارس کے حملہ کی طرح ان کی تھی۔ شہر دہلی کا نام شہر فارس تھا
تھا۔ خبرت میں اس شہر کا بہت چرچا ہو۔ آخر میں ۱۸۵۷ء میں میرٹھ چھائی میں بہت جوش
پھیل گیا۔ (ظہیر)

والوں کو اطلاع دی کہ دروازہ معمور کر دو۔

اودھ معزز مود دروازہ پر خبر ہو گئی۔ نہانے دھونے والے رستے پڑتے بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے۔ دروازہ رو بھی معمور ہو گیا۔ انی اشٹا میں محبوب علی خاں خواجہ بہ مختار بادشاہی اور حکیم حسن اللہ خاں گھر حاضر ہوئے۔ حضور نور نے محل میں یاد فرمایا کہ یکایک سواران نمک حرام بلائے آسمانی کی طرح ناز ہوئے ورزیر جھرو کہ گھر پر اچھا کر ستودہ ہوئے اور حسب قاعدہ سدا می ادا کی۔ حضور نے مع نور نے حکیم احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے دریافت کر کہ تم کو کون و کون ہو اور کہاں سے آتے ہو۔ اور اس کے نوکر ہو۔ اور یہاں کیوں آئے ہو۔

حکیم احسن اللہ خاں نے موجب صلہ سنی حاتم میں سر سواران بامیہ سے ستندار خاں بر بادشاہ کیا۔ چند فسر سواران نمودار پر سے ترانہ چائی پر آکر ہرے دوت اور جھرو کہ سے ہاتھ جوڑ کر عرض کر بادشاہ کیا۔

باغی سواروں کا بیان

حضور جہاں پناہ سلامت! آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ہمیں صوبہ کا مالک کیا ہے۔ تمام ہندوستان آپ کا مکتوم و فرمانبردار ہے۔ ہندوستان کی رعیت آپ کی رعیت شمار ہوتی ہے۔ آج تک ہندوستان میں جو منادی پھرتی ہے تو یہی بیان کیا جاتا ہے۔ خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کہنی کا۔ انگریز ہوگ آپ کی طرف سے مالک و مختار ہیں۔ ہوگ آپ کے پاس فیادہ آئے ہیں۔ امیدوار خائف ہیں۔ ہم ہوگ حازم انگریزی ہیں۔ ہمیں لوگوں نے اپنی جانیں بچ کر دور سر نہو کر ملک سے لے کر کابل کے ڈیرے تک لے کرے چودہ سو گوس میں مہداری انگریزی قائم کرادی۔ اور ہمیں لوگوں کی ستاعت واداد سے تمام ہندوستان پر تسلط ہو گیا۔ یہ دولت سے کوئی فوج ہمراہ کر نہیں آئے تھے۔ سب ہندوستانی فوج کی کارگزاری ہے۔ شہادت کے واسطے ہمارے پاس تمغے موجود ہیں۔ اب چودہ تمام ہندوستان پر قبضہ ہو رہا۔ انگریزوں کا ہو گیا اور کوئی سرکش باقی نہ رہا۔ اب ہر کار کی نیت میں فتور واقع ہوا اور ہمارے دین مذہب کے درپے تخریب ہوئے اور چاہا کہ تمام

[illegible]

دوب گئے۔ خود ہر کار ہم کو توپ سے زدے۔۔۔ جب فساد نے نکار کیا تو پھر دوبارہ ان کے
حکم سنایا گیا کہ تم لوگ ٹوٹے گاچے، باقی سب نے کسی طرح انکار کیا۔ انجام کو سہ بار وہی
قلم صادر ہو۔۔۔ جواب سے وہی جواب صاف دے۔۔۔ اس وقت قلم ہوا کہ تمہیں دے دو۔ ہم
وہاں نے تمہیں دے دیے۔ پھر قلم ہوا کہ ٹھوڑوں سے تر پڑو۔ ہم ٹھوڑوں سے تر پڑے۔
پھر قلم یہ کہ فساد فونی سے متحد ہو جائیں۔ ہم پورا ہی فساد چھٹ کر سالہ سے الگ ہو
رہے ہو گئے پھر قلم ہو کہ ان کے ہاتھوں میں تختیاں ڈال دو۔۔۔ جب بھی عدوں حلی نے
کی۔ خوشی خوشی جھنجھریاں پہن میں۔ چھ عذر نہ کیا پھر قلم ہو تم نوگوں کو عدوں حلی کی
مدد کی جاتی ہے۔ تم جیسے خائے جا۔ ہم سلام کر کے جیل خانہ کو چلے گئے۔۔۔

تمہارے تقدیر مٹاؤ نہیں جاتی

ہجڑی ہوئی قسمت کی ہاں نہیں جاتی

میرٹھ چھاؤنی کا حال :

یہ سراسر چرخ نیو فری ہند مار بجا بندونے کی داری جب ہم وہاں پہنچے تو اس
قصبہ میں تھیں۔ قصبہ عظیم بہت ہی خوب تھا اور گھر کچھ بڑے پکے بھی اور باہر صلیب مشورہ
دہنے لگے۔ فوق مستورات میں ہمیشہ سے ناقص العقل کو یہ اندیش ہوتا
کہ میں ان کے لیے کیا کر رہا ہوں؟ یہ نہیں ہوتی۔ میں اکثر عورتیں سمجھتا ہوں کہ جن

۱۰۔ کوئٹہ - خدروں بڑی وجوہ یہ تھیں کہ رانا مورنی نے جو ۱۳۸۱ء سے ۱۳۹۶ء تک
سندھستان میں بہت اندر پہنچی۔ مقبوضات کے گورنر جنرل سے بہت سی اصلاحات میں وہ تمام
وہیں رہا۔ توں اور وہیں نفل شناسی کو شہر کرنا چاہتے تھے، مگر چہ پہنچی نے ٹی اس تجویز کو نہیں
مانا۔ تاہم، مورنی کی اس حق کی پامی سے تمام ویں ریاست ناراض ہو گئے تھے، انہیں یہ فکر ہو گیا تھا
کہ اس کی ریاستیں جاتی رہیں گی، فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ نفل بادشاہ کی وفات کے بعد شاہی خاندان
کو قلعہ کے نکال کر قصبہ میں آباد کیا جائے۔ جہاں ہی کی رتی کی کوئی اور نہ تھی۔ اس نے کسی کو
مصلحتی مانے کی جارت مانگی جو نہیں آئی تھی۔ باقی روئے متنبہ مانا صاحب کو پیشکش اپنے سے نکال
رہا تھا۔ یہ ایک باتیں تھیں جن میں وایں ریاست کو پناہ مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ اسی زمانے
میں ایک فوجی قزاقوں منظور یا گیا جسکی رہت فوج کو دینا کے ہر حصے میں ٹٹی سیسے روانہ کیا جاسکتا تھا۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے ورنہ مجبوس ہوے تھے۔ تمہوں نے زمانِ طعن و تشنیع سے پیٹھا پھل جس جس زمانہ و فتنہ و فساد کو تھرا کا ناشر و مٹایا اور ان کی چرب زبانی آتشِ فساد پر دھن کا کام نہ لیا۔ اس محفل پر ایسا نہ

رقیہ حاشیہ: اقدارِ سندھوان کے مذہب میں سمندر پار جہانِ سادہ تھا۔ اس کے ہندوان قانون و مذہب میں مداخلت سمجھتے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہندو تانہوں کو بڑے عمدے نہیں دیئے جاتے تھے۔ حکومت میں ن کاؤن حصہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے ملک میں انگریزوں کے خلاف عام بغاوت پھیل رہی تھی اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ انگریز راج کو زبردستی پانا غلام و رعیت بنائے رہے ہیں۔ چونکہ مغلوں کے عہد میں سندھستانوں کو اعلیٰ ترین عمدے دیئے جاتے تھے، انہوں کو مذہبی آزادی حاصل تھی ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی سمندر پار نہیں جاتی تھی۔ مغلوں نے ملک کو اپنا ملک سمجھتے تھے اس لئے انگریزی حکومت کے مقابلے میں انہوں نے ملکی ہوئی مغل سلطنت کو رد و کرب کیا۔ ۱۸۵۷ء غدر کی ابتدا مکئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ہوئی۔ جیسا کہ باغیوں نے اوپر بیان کیا ہے۔ عہدِ انگریزوں کی سب سے بڑی چھوڑنیوں میں بھی پھیل گئی اور جہاں جہاں موقع، باغیوں کے گمراہیوں کو قتل کر دیا۔ کانپور اور لکھنؤ باغیوں کے مرکز تھے۔ ممبئی میں نواب واجد علی شاہ کے خاندان کے ایک شاہزادے کو باغیوں نے بادشاہ بنادیا۔ ایک سال پیش انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ سے دودھ کی حکومت لے کر انہیں بیابانِ (گلگت) میں نظر بند کر دیا تھا، باقی پیشوا کا متے ناما صاحب انگریزوں کا حاشیہ، دشمن تھا اس نے باغیوں کی قیادت اختیار کی اس کے مقابلے سے جڑیں زیادہ بڑھتی گئیں جس نے ناما صاحب کو شکست دی اور وروپوش ہو گیا۔ لکھنؤ میں راجا نے انہیں شکست دی، باغیوں کا اصلی مرکز ابلی تھا۔ انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کر کے اسے بے دخل کر لیا، مدراس اور پنجاب سے فوجیں منگائیں۔ ہر جگہ لکھنؤ نے دہلی میں، جہاں شکست و ناکامی ہو خود اس لڑائی میں کام آیا۔ رانی جھنوں ورتا اختیار تو پی کے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ رانی قومیداس جٹک میں لڑتی ہوئی ہاری گئی۔ تانہیا تو پی کو گرفتار کر کے ۱۸۵۹ء میں پھانسی دے دی گئی۔ سید احمد علی فوجوں کا مقابلہ سیندھیا اور بلوچوں کے بہادر فوجوں سے ہوا جس میں مرہٹوں و شکست ہوئی۔ اور انگریزوں نے نئی قلعے فتح کر کے کو سیندھیا و مرہٹوں کے گمراہیوں سے صلح کر لی۔ غدر کے بارے میں پنجاب میں امن رہا مگر پنجاب کی فوجوں کی مدد سے انگریزوں نے دہلی و فتح پور، شالو، سب سے ہندوؤں اور مسلمانوں کا خون بہایا۔

جو میں گئے مگر ہم لوگوں نے آج تک سرکاروں کوئی مفاد حرمی نہیں کی۔ جس سرکار نے ہم کو جھٹک دیا ہم آنکھیں بند کر کے آگ میں، پانی میں کود پڑے، کچھ خوف جو تمہوں کا نہ پا رہے ڈوانے میں کہیں دریغ نہیں کیا۔ کابل پر ہمیں لوگ آگئے۔ اور ہمیں لوگوں نے فتح دیا۔ کلمتہ سے کابل تک ہمیں لڑے بھڑے سرسٹوے جانیں دیں۔ اور حق نمک دیا۔ اب جب تمام ہندوستان پر سرکار کا قبضہ ہو گیا تو سرکار ہمارے دین آئین کے ورپے ہونی ہمیں نہ ماننا چاہا۔ ہم سے ٹونا ٹوٹنے کو کہا تو ہم لوگ اپنے دین تباہی کو چھوڑ کر کس طرح بے دین ہو جائیں ہم کو مر جانا قبول ہے مگر دین سے بے دین نہ ہوں گے۔ اب سرکار جو چاہے ہمارے ہم سب مرنے پر تیار ہیں اور ہم اپنے کو اس وقت تک مردہ تصور کرتے ہیں کہ جس وقت جیل خانہ توڑ کر افسروں کو ہر آبد کیا۔

صاحب ریزیڈنٹ بہادر، سنو سنو بیا ہوگ تم اس خیال کو جانے دو رہمیں مارنے سے باز گو۔ اب تم کو کوئی نہیں مارے گا۔ ہم بچ میں پڑے ہیں اور ضامن ہوتے ہیں اور خدا کو وہ کرتے ہیں اور خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم سے دغا نہ کریں گے اور تمہارے حق میں نصف کریں گے اور ان لوگوں کو نہ دیوائیں گے۔ جسوں نے یہ فتنہ برپا کر دیا ہے اور وہ لوگ سزا یاب ہوں گے اور بے سب ٹھیک لے جائیں گے اب تم ہر کٹائی ترک کرو اور بوٹ مار سے باز آؤ۔ اور بادشاہ سلامت کا بھی یہی حکم ہے کہ تم لوگ دین پر پھر نہ ہو۔ ہم تمہارے دین کا بندہ بہت کر دیتے ہیں۔ تم کشت و خون سے باز آؤ اور بادشاہ صاحب خود درمیان میں پڑے ہیں۔

فوج باغیہ غریب پرور ہم کو سرکار کے قول کا بھروسہ نہیں معلوم ہوتا۔ سرکار نے کٹ جانے کا حکم دیا کہ اسے نہ صبر کیجیے گی ہے۔ آج تو ہم سرکار کی اطاعت قبول کریں۔ کل سرکار ہم کو چڑھائی پر کھینچ دے۔ یہی حالت میں ہم کو بھنگی کے ہاتھ سے پھانسی جانے سے کلوار کے منہ سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

صاحب ریزیڈنٹ بہادر نہیں نہیں تم لوگ یہاں گزخیاں نہ کرو ہم انجیل پر ہاتھ دھر کے کہتا ہے کہ ہم تم سے ہر گز ہر گز دغا نہ کریں گے اور بادشاہ صاحب کا بھی فرمان ہے۔ اس میں کٹ جو کچھ دیتے۔ اس نے کہا اب صاحب بہادر سچ تو فرماتے ہیں جس طرح صاحب بہادر فرمانیں قبول کرنا چاہیے۔ مگر میں جہاں تا فہم جن سے سر پر منظر کا

دروازہ پر آئیں۔ ان کو اڑ دو اور کار تو اس تو شدن میں بٹھراؤ۔ ہم کلکتہ دروازے کے اندر سے
 کو جاتے ہیں۔ خبردار ہو دروازہ کو اس کے بند رکھو۔ کھڑی کھلی رہنے دو۔ یہ نہ کرو ورنہ
 صاحب بگھی پر سو رکھو اس کے دروازہ سے باہر آئے۔ کلکتہ دروازہ پر پہنچے وہاں جا کر دیکھا کہ
 دروازہ معمور ہے کو تو اس شر اور تھنیدار اور جمعدار و سپاہی سب مستعد ہیں۔ شہ پناہ کے
 ڈنڈے پر کلکتہ دروازہ سے موت دروازہ تک نجیب مین جمائے گا۔ ہیں ناؤں پر بھی
 موجود ہیں تاکہ موت دروازہ اور کلکتہ دروازہ کے مابین جو ایک برج چھوٹا سا شہر پناہ کا ہے اس
 پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہے۔ اور اس کا رخ پل کی طرف ہے۔ روزن میں سے پل کی طرف
 ہے۔ بھٹیاں یہ ہے کہ آخر فوج باغیہ جو دریائے جمن سے عبور کرنے آئے ہیں تو کسی دروازہ
 سے آئے ہیں۔ اس انتظار میں ساری فوج خیابان کی تہی حڑی ہے یہاں تو انتہاء ہو رہا ہے۔
 سب کیل کانٹے سے درست ہیں۔ جنگ کا سامان ہے۔ ششلی تھنیداری کی فوج نہیں۔

کس چرخ مشعبہ حقہ باز است سے تار مرموہ حیدر سار است

پانچ سوار:

صاحب ریزنڈنٹ بہادر تو ادھر رخصت ہو کر آئے چرخ مشعبہ بہار سے دست بردار
 بازی آغاز کی۔ سواران باغیہ واپس ہو کر کلکتہ دروازہ کی طرف تو گئے نہیں۔ نمبر ۱۰۰
 گھاٹ دروازہ کی طرف رخ کیا اور راجگھاٹ دروازہ پر پہنچے اپنی روایت مختلفہ فوج گزر رہے تھے
 ہوئی ہیں۔ بھٹل کا بیان ہے کہ دروازہ بند تھا اور نجیب دروازہ پر موجود تھے جمن کے نشان کرنے
 واپس بہت سے منتظر تھے کہ دروازہ باز ہو تو ہم جا کر نشان کریں گے مگر دروازہ بند تھا پانچ صد
 کے قریب آدمی جمع ہو گئے تھے۔ دروازہ دیووں سے بھرتا کر رہے تھے کہ دروازہ کھول دیا تو ہم
 جا کر نشان سے فارغ ہوں تو روٹی کھڑکیں۔ دروازہ والے انکار کرتے تھے کہ دروازہ باز
 بے حکم سرکار نہیں کھلتا ہے آخر نوبت زد کو کوب کی کچی دروازوں نے بدتر سے پتھروں سے
 تھپڑ مار دیا تو زکریا دروازہ کھول دیا۔ یہ کہ دروازہ دراصل پسے سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بھی قرین
 قیاس نہیں۔ دروازے شہ کے سب معمور ہو چکے ہیں اور جب کلکتہ دروازہ پر تو قیام درست
 ہے تو اور دروازے کیسے کھلے رہ سکتے ہیں۔

غرضی اس روایت کی تحقیق پوری طور پر رقم کو نہیں کہ دروازہ کھلے۔

تھوڑے مختصر سواران باغیہ رانگھاٹ کے دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور دروازے کی سڑک جو صاف چوٹی دریا کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جا رہا تھا ہوتی ہے وہاں سنہری مسجد کے نیچے چوراہہ ہے۔ ایک سڑک تو اس قلعہ کے نیچے ہوتی ہونی۔ اس ڈی کو جاتی ہے اور ایک رستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور یہیں سے قلعہ کے نیچے کا میدان شروع ہے اور جنوب کے جانب میں دو سڑکیں ہیں دروازہ کو جاتی ہیں۔ نہ ہالے اور ایک سڑک کو شہر کے در مشرق میں دریا کی چوٹی ہے۔ اس میں اس سڑک کے سرے پر پادری صاحب کا گھر ہے۔ یہ پادری صاحب اس تو ہندو تھے پھر جہاں ہوتے تھے، اس میں پرچوٹ ہوتی۔ پہلی سمت کشت و خون کی ہیں سے شروع ہوتی۔

سواران باغیہ : جنگ کی قطعاً، پھر سڑک کی تمام رات میں آکر ہٹا کر دے۔

سواران باغیہ : تم کون۔

پادری صاحب : پادری۔

سواران باغیہ : مسلمان یا ہندو۔

پادری صاحب : عیسائی۔

یہ سنتے ہی ایک سوار نے ہتھوڑا کھینچ لیا اور دھڑ دھڑ مارنے لگا۔ روح نے آسمان کو پرواز کی۔ پادری صاحب تو غلام شورش میں دراز ہوئے اور دست بارت کر دی فرار۔ سواران باغیہ ہنگامہ کوٹ کر آگے روانہ ہوئے۔

اس ڈی کے سرے پر پہنچے اور سبوتاں میں داخل ہو کر ڈاکٹر صاحب کی عزائم پر سی۔ چہن سال ڈاکٹر ذات کے کاہستہ تھے۔ تھوڑے عرصہ سے وہ اور ماسٹر رام چندر دونوں جہاں ہو گئے تھے۔ اس وقت شفا خانہ میں سوار جا کر خلیہ کی طرح چھاتی پر سوار ہو گئے اور سوال کیا۔ کیا دین رکھتے ہو؟

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ بھئی مسیحا۔

فرق باغیہ نے ان کو بھی ایک ضرب چھینچ میں پادری صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ شفا خانہ توڑ پھوڑ کر سب پر کیا۔ ان دونوں شخصوں کے مارے جانے کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور نماز بد پیشہ بد معاش چوٹے، انڈی گیرے، کر کی بانڈی بازار مال مروجہ جوایت موافقت کے منتظر رہتے تھے مہروں سے نکل نکل کر ان سے موجود ہوئے اور ایک جم غفیر اور

کئے ہوئے ہار دو قتل چلے آتے تھے کہ ایک سوار نے غور سے دیکھا کہ قہر کا وار کرے۔
صاحب ریزیدنٹ نے بھی چھپچھپانے لگا کر اس پر سر کیا اور چھپچھپانے لگا۔ سوار کے سینہ پر ہار کر
ہوئی اور اس کا کام تمام کیا۔ باقی چار سواروں نے کہا کہ اب تو تم نے ہار ایک سوار بھی
گرا دیا۔ اب ہم تم کو مٹا دیتے ہیں۔ غرض کہ جو توں کر کے دروازہ قلعہ تک
پہنچے اور کھجکی میں سے جھدی جھدی کو گرہن زد کر کے دروازہ قلعہ میں داخل ہوئے اور
مزدان پر بھی قتل ہو گیا اور کھجکی کو ختم کیا کہ باقی بچتے ہوئے غیور پر فیر نہیں کرتے
یہ کہہ کر دونوں صاحب قلعہ کے حیمت میں غرض ہوئے اور چلتے سے گزار کر زینے پر چڑھتے
تھے قلعہ دار صاحب قلعہ اور یہ بہانے سے اس وقت دھمکانے لگا جانتے اور اسے صاحب
پر غم نہ کرتے اور او میں ہیں

سواران غیور نے کہا کہ یہ روئے سے اسے مار دیا جائے گا۔

ال سے ؟

نہبان دروازہ دینے سے۔

سواران قلعہ دار یہ سن کر صدمہ ہوا۔

سپاہیان دروازہ نے فوراً چوہت دروازہ کھلا دیا۔

سواران صاحب کہاں گئے ؟

نہبان دروازہ : بالائے دروازہ۔

سواران ہمایہ فی غور قلعہ داروں پر سے کود کود کر قلعہ داروں کو سپاہیان دروازہ سے

کوٹھ گیا اور پھرتے میں روانہ ہوئے اور رینہ کی او میں سے صاحب قلعہ کو بوجایا۔

ریزیدنٹ کا قتل :

افسوس مسد فسوس کہ باغیان اور نمک نے ہتھی حق نمک پر نہیں نہ کیا اور اس حاکم

دوئی اقدار صفات شہر کے ساتھ ستائی سے پیش آئے اور بھڑبات شمشیر ان کا کام تمام کیا

اور ہار پر دروازہ سے نکلے پر جا کر قلعہ دار صاحب اور قلعہ دار کی بیوی "مرتن" سے بچوں کو مارے

تکواروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔

یہ واقعہ مقام بدست ہے اس سے ابلی مذہ جن کو خداوند عالم غیب نے چشم

بھرت اور نگاہ معنی نگر عطا فرمائی ہے وہ ہر گز ہر گز اس عروسِ گندم نما نے جو فودش کے حسن
بہ فریب پر مائل نہیں ہوتے ہیں اور اس کے نقش و نگار ظہری و بہار عارضی کے دامِ فریب
پر التفات نہیں فرماتے۔

دور در وادیں باغِ آراستہ در وند ازیں ہر دورِ خاستہ

ورائے در باغ و بحرِ تمام زوئیر ورباغ بیروںِ خرام

اس کی ثروت و تملکت اور دولت و حشمتِ سلطنت کا کچھ اعتبار نہیں ہزاروں
بادشاہانِ عالیِ مقدار و سلاطینِ ذویِ الاقتدار چشمِ زدن میں پامالِ کلبت و ادبار ہو گئے ہیں۔ نام و
نشان تک باقی نہ رہا۔

خیال فرمانا چاہیے کہ یا تو سلطنتِ برطانیہ کا یہ رعبِ سلطوت و سیاست تھا کہ آج
کی دواں خارجہ کی یہ مجال و حوصلہ نہیں کہ سرکار سے کٹھ ما کر دیکھ سکے یا نہ پہ تو یہاں
کہ چند جہاں گھس گھسوں نے آنا فنا میں زیر و بر کر دیا۔

وتعمر من تشاء وتزل من تشاء بيدك الخير من تشاء كل شئ فیر۔

تجسین و تکفین کا انتظام۔

جہاں میں جتنے تھے اوباشِ رند و نافر جام و غاشعار چغل خور بد معاش تمام
ہوئے شریکِ سپاہِ شریر و بد نجوم کیا تمام شریعوں کے نام کو بد نام
دو چند نقشِ قند کو سر بلند کیا کیا وہ کام کہ عالم کو درد مند کیا
شریر و معوی و نا اہل سراٹھانے لگے کہ گمراہوں کو رو گمراہی دکھانے لگے
چھپے ہوؤں کا سراغِ نشان بتانے لگے پکڑ پکڑ کے سمکار حوں بہانے لگے

اٹھائی گیرے اچلے گمروں سے دھر بھاگے

جو ٹٹھ کئے تھے وہ گھڑی پہ کے دھر بھاگے

ہمارے ہاں کمرے کے گھٹنے میں سات ج کر پچیس منٹ پر سوئی آکر قائم ہوئی
ہے۔ راتِ روزے کی نیت باندھ کر جو چھپر کھٹ پر در ز ہو تو جونی کی خیند ہے۔ بانس کا سن
نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ چار مہینے شادی کو گزرے ہیں۔ ہند مکانات سے آفتاب بند ہو چکا ہے
اور کمرے کی منڈیر سے دھوپ اتر کر نصف دروں تک آ پہنچی ہے اور چھپر کھٹ کے

پاؤں میں چھن چھن کر تمازت آفتاب بدن پر ڈالنے لگی ہے۔ جب خوب سے بیدار ہوا ہے مکان کی سقف فراخ ہے تو کمرے کے آگے کا صحن وسیع ہے۔ کمرہ شرقی وہ ہے جنوب کی جانب اور بعد ہے شرق کی جانب قد آسم ہے۔ زینہ شرق کی جانب ہے رینہ میں سے اترتے ہیں۔ ایک دیوانخانہ کے چھت کی جانب دوسرا کمرہ کے صحن میں کمرہ کے آگے چھپر کھٹ ہے اور چھپر کھٹ کے آگے چوکیوں کا فرش اس پر درمی چاندنی وغیرہ کا فرش ہے۔ کاتھ جھمرست کی پٹی سے لگا ہوا ہے۔ حوت کچھ ضروریہ سے فارغ ہو کر موندھے پر جینٹھ ہوں اور سے موندھے پر بیڑھنگی دھری ہوئی ہے۔ خادمہ کے ہاتھ میں آفتاب ہے منہ دھو رہا ہوں سے ہاتھ منہ پا کر چکا ہوں۔ ساسے کری دار موندھے پر تیندھ ہے کٹھنی سے باؤں کو سمجھ کر مروزی دے رہا ہوں کہ یکا یک کیا بیٹھتا ہوں یک خادمہ گھبراہٹ ہوئی سانس چڑھی ہو، حوت حواس پر آئندہ، پسینے پسینے، منہ فق۔ رنگ روئے اوسان زینہ پر سے چڑھی چلی گئی ہے۔ آتے ہی، حم سے چوکھوں پر رگنی۔

جس ہیں، مبارک، خیر باشد آج ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ اس سے گئی۔ گھر میں تو نے سے مبارک سارے ہاتھ کے اشارے سے اس ساس کا منہ ہوسے تو کہتی ہوں۔ قریب چار منٹ کے ر پڑے بیٹھی رہی، جب ہوش درست ہوئے تو کہ۔ میں مجھے جواب نہ دیا درتھاری حوت، من نے بھیجے ہے درتھاری خیر حیت دریافت کی ہے کہ تم گھر میں دیا قلعہ میں۔

راقم میں تو اچھا بھلا چنگا ہوں خدا کا فضل ہے۔ قلعہ تو۔ سبب رمضان مبارک دوسرے تیسرے روز جاتا ہوں۔ آج تو نہیں گیا۔ اور میری بیوی بھی تندرست ہیں۔ یہ دیکھ لے چھپر کھٹ میں سوتی ہیں۔

مبارک۔ اور یہ تختوں پر چار روز سے کون سوتا ہے۔

راقم:- فہیم انسا مانی سوتی ہیں۔

مبارک۔ بی بی ابھی تک اٹھی نہیں۔ شہر کی تجھے ہچھ خبر ہے شہر میں نوغدر ہو۔

ربا ہے۔ تم پڑی سوتی ہو۔

مانی۔ اسے چل کم سخت دور پار غدر کیوں ہونے لگا تو ایسی ہی فال رہاں سے لگا

تی ہے۔ صبح ہی صبح کہیں سے آئی۔ میں رات بھر کی جاگ ہوئی ہوں۔ مجھے سونے دے۔

راقم :- مبارک! غدر کیسا؟

مبارک :- میاں دکانیں شہر کی بند ہیں۔ بازار میں سوار پھر رہے ہیں۔ شہر میں خاک اڑ رہی ہے۔ جب تو نواب صاحب نے تمہاری خیریت منگائی ہے۔
راقم :- مبارک کیا کہتی ہے۔ سوار کیسے۔ میں نے سوار؟
مبارک :- میاں! میں تو عورت ذات مجھے یہاں مقبوضہ میں کے سارے ہیں۔ اُپر میں مرا، دوتی تو ان سے چوچھتی کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔

راقم :- مبارک، سواروں کو تم نے آنکھ سے بھی دیکھا یا سنی سنائی ہے؟
مبارک :- ہاں میاں میں آنکھ سے، بیچ بڑائی ہوں۔ جامع مسجد سے نیچے پانچ سات سوار پھر رہے تھے۔ بیکہ میرے پیچھے پیچھے شادی کی سڑک تک آئے۔ میں روشن چراغوں میں چلی آئی اور دوقاضی کے خوشن طریف چلے گئے۔

راقم :- اس شخص کے سوار تھے کیسے پناہ تھے، کیسے ٹھوڑے تھے؟
مبارک :- پٹے تو ان کے سفید ہی تھے، مگر ٹھوڑوں کا ساہن مریض تھا۔
یہ واقعہ سن کر مجھ پر ایک حیرت کا عالم ہوا اور چند منٹ تک سبوت میں اُڑ رہی
جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا رہا اور خیالات فاسدہ میرے دماغ میں برسات کرتے رہے۔
ایک ایک خیال نے پلٹا کھایا اور طبیعت میں یہ بات آئی۔ آٹھ جو دو بزرگوار، پانچ تھے تجھ سے
چند گلے بلور چشتی، ان بات سے تھے یہ اس کا غصہ ہے۔

اس واقعہ سے پانچ چار ماہ پیشتر ایک روز میں بارہ پاپیہ و بوں میں ایک کتب فروش کی
دکان پر بیٹھا ہوا کتبوں کی میر کر رہا تھا۔ یکا یک ایک بزرگ اور کچھ شیعہ دراز قامت، فرہ انداز
اور از ریش، سیہ فام، کڑبڑی داڑھی، ساٹھ برس کا سن و سال، اذہید ٹمرا کھ، شرعی پاجامہ
، گون نوپی، ہاتھ میں عصا، گلے میں تسبیح ڈسے وارد ہوئے اور دکان پر آکر بولے۔ بھائی سام
علیک۔ مولوی عیسیٰ کتب فروش نے اور میں نے تعظیم دی۔

مہمونی میں آئیے حافظ صاحب۔ حافظ صاحب راقم کی رہبر رہے
حافظ صاحب (راقم سے مخاطب ہو کر) بھائی! ان کتابوں میں کون کا مہمید ہیں
ہے؟

راقم :- حضرت ہاں ہے۔ میں نے ایک مخصوص چھاپہ کار کا مہمید حافظ

صاحب کے حوالے کیا۔ حافظ صاحب تہمت میں مشغول ہوئے۔ ایک رکوع جب ختم ہو گیا تو حافظ صاحب پر حالت جذب طاری ہوئی اور آنکھیں سرخ ہو گئیں اور چہرہ تپتا گیا۔ گردن کی رتیں پھول آئیں اور حالت غیظ و غضب میں بازار کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔ یو، وہ مار ڈال، وہ مار ڈال، وہ پھانسی دے دیا، وہ پھانسی دے دیا، وہ واہ کیا خوب تماشا ہے۔ ایک کو ایک مارے دیتا ہے۔ ایک کو ایک پھانسی دے رہا ہے۔ اور کوئی ہچھ نہیں سستا اور ہٹن صاحب بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ یہ غلط فرما، حافظ صاحب خود ہی فرمانے لگے۔ میں خاموش رہوں۔ تم کو اس نے لڑن دیا ہے کہ تمام سارا لہی کا پردہ نش کرو۔ یہ کہہ کر حافظ صاحب نے گروت نیچے جھکا کر پھر تہمت میں مشغول ہو گئے۔ ایک رکوع پڑھ کر پھر وہی حالت طاری ہو گئی اور وہ پھر نہیں غلط میں وہی نکلتا سابق ادا فرمائے۔ غرضکہ مرہ بعد وہ آکر وہ آخری تہمت پر یہ نظور میں آیا اور بعد حافظ صاحب نے کلام شریف کو پوسا اور آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور میرے حوالے کیا۔ میں نے اندری میں رکھ لیا۔ پھر حافظ صاحب راقم سے محط ہو کر فرمانے لگے۔ تم شہر میں بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہو، باہر جواز کی سیر کیا کرو۔ دنیا دار کو تم میں بیٹھ رہتا نہ چاہیے۔ میں خاموش بیٹھ رہا۔ مارے رعب نے ہچھ نہ کہہ سکا۔ پھر فرمانے لگے تمہارے والد خط نسخ کے بہت بڑے خوشنویس ہیں۔ تم اپنے والد سے مجھے ایک کلام لکھو، لکھو کہ ایک ورق میں سپارہ تمام ہو جائے اور تمیں ورق میں تمیں سپارے ختم ہو جائیں۔

راقم :- بہت بہتر میں عرض کروں گا۔

حافظ صاحب :- بھائی میرے واسطے پرائیوٹ اور قلمی کا ساگ چوا کر لاؤ۔

راقم :- بہت بہتر آپ کہاں ملیں گے۔

حافظ صاحب :- یہ برہمن جو ہمانی کی دکان ہے۔ یہ کہہ کر اور سلام علیک نہ کر تشریف لے گئے۔ ہنوز یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امیر خاں خدمت گار نے دروازہ پر ایک خاصہ کا نام لکھ کر آؤ زوی کہ میںاں سوتے ہیں یا جاگتے ہیں۔ اگر سوتے ہوں تو جگاؤ۔ آؤ زوی سے چوبدار قلم سے کر آیا ہے۔ یہ آواز میرے گوش گزار ہوئی۔ میں جس طرح بیٹھا ہوا تھا نیچے اتر کر آیا اور باہر دیوٹ خانہ میں پہنچا۔ چوبدار نے قلم سنایا کہ حضور کا قلم ہے۔ رانی محبوب علی خاں کے کہ جتنے ملازم سرکار ہیں سب آکر ڈیوڑھی پر حاضر ہوں۔ آپ جلدی

سب سے گنہگار گھوڑے ہاتھ میں بانڈیاں سے چلے آتے ہیں۔ ٹریفک سگ کے کمرے سے نیچے آ کر اس نے ایک ٹھکڑی سڑک کی، لٹین پر مار اور، لٹین چھن، ایسی ہو کر گر پڑی اور منہ سے نہا کہ یہ ایک کافر اور مار اور پھر ایک بزاز کی دکان کا قفل توڑنے لگا۔ میں گھوڑ بڑھا کر آگے چلا گیا۔ پھر آگے اور دو چار سوار پھرتے چلتے دیکھے۔ نہ میں نے ان سے کچھ کہا نہ انہوں نے میری مزاحمت کی۔ میں سیدھا کوٹوالی ہوتا ہوا خونیں دروازہ کے آگے پہنچی تو دیکھا کہ نبوہ کشیدہ معاش کا ہے درصوافوں کی دکانیں لٹ رہی ہیں۔ امیر خان میرا خد متکار ساتھ آتے آتے ٹھٹک رہا۔ میں جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچی ہوں تو یہ تماشا دیکھا کہ قلعہ کی حالت کی بربر کوئی چپاں سوار جمع ہیں اور انگریزی کتابوں کے اوراق پھٹے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں۔ نو بہت تیز چل رہی ہے۔ کاغذ اڑ کر قلعہ کے دواڑ کی طرف آتے ہیں اور قلعہ کے دروازہ کے فاصلہ سے چار روزی بھائی کے کمرے سے گزرتے ہوئے ایک مست ننگ دھڑنگ بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پرانا موٹر "انگریزی" جوتا ہے، اور کاغذ اڑ کر اس کے پاس آتے ہیں اور وہ مجھ کو ب غصہ میں ان کاغذوں پر جوتے مارتا جاتا ہے اور برا بھلا کہہ رہا ہے۔ خیر یہاں سے گھوڑے کو بڑھا کر میں غار خانہ کی دیوار پر پہنچی اور گھوڑے سے تر کر دیوار کی دیوار پر ایوان خانہ خاص کے صحن میں داخل ہو تو میں نے دیکھا کہ دیوان خاص کے در میں ایک ستون کے در سے گئے ہوئے محبوب علی خاں بیٹھے ہیں اور سامنے ان کے دوسرے در سے گئے ہوئے حکیم حسن اللہ خاں اب بیٹھے ہیں اور سب درباری دورویہ دو شخص باندھے بیٹھے ہیں۔ میں نے جا کر سلام علیہ کی اور ایک صف میں بیٹھ گیا۔ ان دونوں صاحبوں کے پیچ میں ایک مسلمان پنجابی بزاز جس کی دکان قلعہ کے سرے پر تھی۔ اور سب شہزادے اور رعایا کے یہاں وہی پڑا ہوا کرتا تھا بیٹھا ہے اور اس کے آگے زمین کچھ لٹھے کے تھان لور طاقے سیاہ دانت کے دھڑکے ہیں اور سٹھ خیاط خانہ مانی داڑھی بیٹھا ہے۔ حکیم حسن اللہ خاں بتاتے جاتے ہیں اور وہ کفن دے رہا جانتا ہے۔ میری عقل حیران ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے اور کس کا کفن تیار ہو رہا

۱۰ احترام الدور۔ عمدوا حکماء۔ معتمد الملک۔ حاذق الزمان۔ حکیم محمد احسن اللہ خاں

ثالث جنگ بہادر ویر عظیم تھے۔ غدر کے بعد بہادر شاد ظفر پر جو مقدمہ چلایا گیا اس میں ان کی بھی شہادت ہوئی تھی۔

ہے یہاں کون شخص ہمارا گیا۔ جسے تجنیز و تکفین کی، تہ تیہ کی ہو رہی ہے۔ میری ساری ساری زندگی
اور ایک جانب مرزا احمد بیگ داروغہ آباد ارخانہ بیٹھے ہوئے تھے ان سے چپے چپے دریافت کرنے
کا وہ چھ تھوڑا سا حال بیان کرنے پائے تھے کہ حکیم احسن اند خاں سے کان میں چوہا جھنک
پہنچی۔ انہوں نے

باد از بند سما کہ کیوں نہیں کہتے کہ صاحب ریزنڈنٹ بہادر مارے گئے ہیں۔ اور باد شہ کا خیمے
کہ میرے سب مددگار جائیں اور صاحب کی تجنیز و تکفین کریں۔ اور قلعہ در صاحب کی، نجی
میں نکو دفن کریں اور حضور کون کے مارے جانے کا نہایت قلق ہے۔ سات آدمی مارے
گئے ہیں۔ دروازہ قلعہ پر لاشیں پڑی ہیں۔ یہ کلمات سنا کر میرے ہوش و حواس باختہ ہو گئے
پانچ چھ منٹ تک تو مجھے کانٹو تو خون نہ تھا اور دماغ میں ایک سناٹا چھڑھایا گیا۔ آخر چوہا ہوش
درست ہوئے تو ساری کیفیت از ابتدا تا انتہا حضور در پار کی زبانی گوش گزار ہوں۔

ہنوز کفن تیار ہونے نہ پایا تھا انتظار تھا کہ کفن تیار ہو جائے تو چل کر ان کی تجنیز و
تکفین کریں کہ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عزیر کیل روت قبض کرنے کو سامنے سے
نمودار ہوئے اور وہی سواران محسن کش لال پردے کے دروازے سے آتے
ہوئے دکھائی دے۔ حکیم احسن اند خاں نے ان کی شکل دیکھ کر کہا کہ سب صاحب فاتحہ خیر
پڑھیں۔ قضا آن پہنچی۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔ سب جگہ فاتحہ خیر پڑھ رہے تھے۔ اس
اثناء میں وہ دیوان خاص کے دروازے نیچے آن پہنچے اور گھوڑوں سے تر تر کر گھوڑے تو جان
کے نہرے سے اکائے اور آپ ندر آئے۔ آتے ہی بیٹھ گئے تو اس وقت قریب ۳۰ آدمیوں
کے ہوں گے اور آثران میں افسر تھے وضع ن کی وہی ورہینوں کی تھی۔ نہ افسر معلوم ہوتا تھا
نہ سوار۔ سب کی ایک وضع تھی۔ گلے میں لٹھے کے کرتے پاؤں میں ڈھیلے لٹھے کے غرارے
دار پا جائے سر پر چھوٹا سا انگوچھ پٹنا ہوا چند کھل ہوئی کسی کے پاس تو بین کسی کے پاس بندون
کسی کے پاس طعنچہ اور کرپیں سب کے پاس موجود ہیں۔ وہ پڑے کے تھان پھیسے ہوئے دیکھ
کر حکیم احسن اند خاں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے یہ کیا سامان ہے۔

حکیم۔ احسن اند خاں آپ صاحبوں نے جو عمال کئے ہیں، اس کی تبدیلی ہم بھگت
رہے ہیں۔ آپ نے آگ لگائی ہے ہم بھگت رہے ہیں۔

سواران باغیہ ارے تم لوگ سب بے ایمان کر شان ہو۔ ارے تم سب

جیسے بے دین کر نہیں ہو۔ تم نے انگریزوں کا جو ٹھکانہ دیا ہے یہ نہ کروہ جو تھانہ کفن کے پرے ہوئے تھے وہ سب ٹوٹ سے دور پھاڑ پھاڑ کر وہاں سے باندھ گئے اور ایک سوار نے وہاں پر محبوب علی خاں کو جوہ سرا کی توند پر چھپ کر رکھ دیا۔ محبوب علی خاں سب چارہ استغلیٰ کی بیماری میں مبتلا ہو چکا تھا مگر جی کامران تھا، گو خود سر تھا تو کیا ہو۔ سوار: ہم کو رسد دلواؤ۔

محبوب علی خاں: ہمارے پاس رسد کہاں سے آئی۔ ہمارے ہاں کوئی فوج ہے شہر کے پاس سے وہاں سے رسد جمع رہے ہمارے پاس رسد وہاں سے نہیں۔ تم کو جان سے مارا جاتا ہے، توہرناؤ۔ میں تو مرنے کو بیٹھا ہوں۔ بہت اچھا ہے جو کسی کے سر ہو کر مردوں۔

شریف علی خاں: رونہ محبوب علی خاں نے سوار کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ان سے کیا کہتے ہو۔ تم ہم سے گواہم دیں گے۔

حکیم حسن اللہ خاں: ہمارے حضور خود اپنی زبان سے نہ کہنے چکے ہیں کہ ہمارے پاس اپنا پیسہ نہیں۔ ہاں نہیں۔ ملک نہیں۔ خزانہ نہیں، ہر تو فقیروں کی طرح سے تکیہ کرتے ہیں۔ ہمارے رسد کہاں سے آئے۔ میں: ہاں، بادشاہ کے گھوڑوں کے اصطبل کے واسطے میرے گھر میں خوراک کے پنے آتے ہیں تو وہ موجود ہیں۔ اس کے سوا ایک دانہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ بادشاہ کے گھوڑے بھوکے مر رہے مگر تم اپنا پیٹ بھر کر مگر وہ کب تک وفا کریں گے۔ تم دونوں کے یک دن کی خوراک کو معلیٰ نہ ہوں گے۔ جاؤ شریف خاں دانہ کا ٹوٹا ہوں رہنے تو دو۔ تمین مین میرے حساب سے فی کس تقسیم کر دو۔

غرضی جوں توں کر کے ایک بھاؤنا، انہوں نے جا کے مستاب باغ میں گھوڑے باندھے دوسرے اور ان موجود ہوئے۔ اب کے بار کوئی پیس ساٹھ سوار کا اثر دہام ہو گا۔ وہ بھی رسد طلب کرتے ہوئے آئے۔ ان کو بھی یہی کہہ کر ٹالا اور پیس جان بھالے کو موجود ہوئے۔ غرضی اڑھائی سو تین سو کے قریب سوار مستاب باغ میں جمع ہو گئے۔ اب جو آتا ہے وہ مستاب باغ میں تر جاتا ہے۔ اس اثنا میں قریب گیارہ بجے کے دن چڑھ گیا ہے۔ کسی قدر پیدل بھی آتے جاتے ہیں۔ تین چار سو پیدل بھی داخل شہر ہو گئے ہیں اور شہر میں غدر مچ رہا ہے۔ شہر کو بد معاشان شہر ٹوٹ رہے ہیں کہ بہت سے سوار گھوڑے باندھ کر دیوان خاص میں محبوب علی خاں اور احسن اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ رسد اور ہمارے کھانے پینے

کامد و ہست کرو۔

ملازماں شاہی ہم کیا مد و ہست کریں جن لوگوں سے شہر کامد و ہست تھا ان و تم نے مار ڈال۔ شہر میں غدر پھیل گیا۔ شہر لٹ رہا ہے۔ دکانیں بند ہیں۔ اب لٹھانے پٹنے کا کیا مد و ہست ہو۔ جہاں سے ممکن ہے ہٹاؤ بیورو تمہارے سبب سے ہمارا لٹھاپیا بھی بند ہو۔ سواران باغیہ بادشاہ سلامت سے عرض کرو بازار کھولیں۔ جو چیز ہست باتھو سائے کھانے پینے کا سرانجام ہو۔

ملازماں شاہی دکانیں تو تم نے پہلے ہی لوٹ لیں اب ان میں کیا دھڑ ہے جو کھولتے ہو اور دکاندار کس موقعہ پر دکانیں کھولیں۔ شہر میں لوٹ مار موقوف ہو اور امن چین ہو تو دکانیں کھلیں۔

سواران باغیہ ہم لوٹ مار کامد و ہست کرتے ہیں۔ اب ہم کی پر دست درازی نہیں ہونے دیں گے۔ جاچا پہرے سپاہیوں کے ہٹائیں گے۔ بادشاہ سلامت کی منادی پھر وادیں اور دکانیں کھلوا دیں۔

ملازماں شاہی، چھوٹے عہدہ کرو کہ ب ہم کی قوم کے آدمی کو جان سے نہیں ماریں گے نہ باز رو نہیں گے۔ ہم امن کی منادی پھر داتے ہیں۔ تم پہے سپاہی جان بٹھادو۔

قیام امن کی تدبیر :

سواران نے قرار کیا اور کہا کہ اپنے آدمی ہمارے ساتھ آکر دو۔ ہم جاہی ٹاکہ بندی کر دیتے ہیں اور دکانوں کی حفاظت کے واسطے پہرہ بٹھادیتے ہیں کہ لوٹ کھسوٹ نہ ہونے پائے۔ اور جو دست درازی کرے وہ گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ تین چار آدمی معززین اور چند سرکاری آدمی ان سواروں کے ہمراہ گئے اور کوتوال شہر کے آگے اٹھادور چلی کو بلوا کر قلعہ سنایا گیا کہ شہر میں منادی پھیر دے ”خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، قلعہ بادشاہ کا“ کوئی کسی پر قلعہ و زیادتی نہ کرنے پائے۔ اب جو شخص کسی کے جان و مال پر دست درازی کرے گا تو سنگسار سرکار ہو گا اور ہر کاروں نے گھر وں سے بدل کر حلوائیوں کی دکانیں کھولیں اور بقاوں کی دکانیں بھی کھلیں اور ان پر پرپیوں کے پہرے بیٹھ گئے اور چھ دکانیں بھی کھلیں حلوائیوں نے بڑے بڑے کڑھادھگی کے چڑھادیے، پوریں تلی جانے لگیں سبقلوں نے

دوکانیں کھولیں۔ روزہ دار بھانے پینے کا سامان سے جانے لگے۔ اس وقت حسن اللہ خاں نے راقم کو اور صوفی مظہر اللہ ایک رسالہ دار بادشاہی کو قلم دیا کہ تم جا کر، پھوشہ کی کیا کیفیت ہے۔ اب قوٹ مار نہیں ہوتی۔ موجب قلم ہم دونوں آدمی سوار ہو کر بازار میں آئے اور قوٹ پوری کی مسجد تک پہنچے تو من امال پایا۔ کس بوٹ مار نہ تھی۔ خال خال کانیں کھلی تھیں۔ دکانوں پر پھرے لگے ہوئے تھے۔ خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ سپاہی قیمت دیتے تھے اور جنس تنوا بیچتے تھے ہم واپس آ رہے تھے کہ دیکھ کو قوٹ کی سامنے چھ بھوم ہو رہا ہے۔ جاں کے بیڑ کے سایہ میں بہت سے یورپی جمع ہیں اور مد معاشل شری بھی موجود ہیں۔ ان مد معاشل نے یہاں ان یورپیوں سے کہا کہ یہ کو قوٹ شہر بڑا انگریزوں کا خیر خواہ ہے۔ یہ سنا تھا کہ یورپیوں سے ایک ماہر، قوٹ کی سامنے سے کو قوٹ کے رتدے پر سر کی جس سے کو قوٹ کا دروازہ کھلے گا۔ کچھ لوگ کو قوٹ کے نذر سے عقب کی دیواریں کود کر فرار ہو گئے۔

اس میں ہم نے دیکھا کہ ایک بھوم دروازہ پاؤں کی طرف سے آ رہا ہے۔ ہم ٹھہرے رہے۔ جب قریب آئے تو دیکھا کہ وہ عورتیں حون خوبصورت میموں کو برفزار سے روکے رہتے ہیں۔ راقم نے ان کو دیکھ کر ان سب عورتوں سے جو ہر دست کا قرار کر کے آئے تھے اور کو قوٹ کے سامنے نیم کے درخت سے نیچے گھڑے تھے گھوڑا بڑھا کر کہا۔ اچھی تو تم لوگ دست درازی کا انکار کر کے آئے ہو اور ابھی پھر دست درازی ہونے لگی۔ یہ کیسے عمدہ و پہاں ہیں تو ان عورتوں نے ان دونوں عورتوں کو پرہیز سے سے کر ہمارے حوالہ کر دیا۔ حد ان کے کہا گیا کہ یہاں تو تم ہمارے حوالہ کرتے ہو آگے پھر سپاہی لوگ ہم سے چھین کر مار ڈالیں گے تو دوسرا ہمد دست کے لئے ہمراہ ہو گئے۔ جب ہم قلعہ کے دروازہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ پوریوں کی ایک جماعت کیشہ اور ان کے ہمراہ اور ہندو مسلمان قریب پانچ ہزار آدمی کے چلے آتے ہیں۔

راقم: یہ انبوا کثیر کیسا ہے۔

سواران: یہ ہمارے محمد و معاون ہیں جو میرٹھ میں ہمارے شریک حال تھے غرض کہ ہم ڈیڑھ گھنٹہ پر ظہر و عافیت پہنچے اس وقت نہ محبوب علی خاں تھے نہ حسن اللہ خاں میں نے خواجہ سرا کے ہمراہ ان دونوں عورتوں کو اندر محل میں بھیج دیا۔ خواجہ سرا نے کہا کہ حضور انور اس کار نڈرانی سے بہت خوش ہوئے۔ جہاں تک ممکن ہو رہا ہے عام پر نظر رہے۔ کسی

آدمی کی جان ضائع نہ ہونے پائے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں وہ مدد معاش ہیں جو اپنی خانہ سے رہا ہوئے ہیں۔

راقم مجھے اس وقت تشنگی کا نہایت غلبہ تھا۔ پیاس کے درد صحت میں کانٹے پر گئے تھے کیونکہ میں روزہ دار تھا اس پر یہ تکایف شوقہ میں وہیں تسبیح خانہ کے ساہان نے بیٹے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک اور جنگامہ برپا ہوا۔ کیا دیکھا کہ تسبیح خانہ کی ستر جیوں پر ایک جوان وہ جتنی چڑھتا تھا ہے اور پوری اس کو سنے ہوئے ہیں۔ اور وہ جتنی کے سیدھے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پیتل کی لٹیا اور موٹھ تلوار کی ہے مگر تلوار ٹوٹ کر آدھی رہ گئی ہے۔ اور وہ نصف طور قبضہ تک خون میں سرخ ہو رہی ہے اور بائیں ہاتھ میں ایک نوجوان حسین مرد جبین مازنین مس کا ہاتھ ہے۔ اس لڑکی کیلئے جیلہ کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی معلوم ہوتی ہے۔ در زقد، کتالی چہرہ باریک کمر سفید برق سایہ اس کے گلے میں ہے۔ مگر اس پر کچھ کچھ خون کی بخندوں کے نشان معلوم ہوتے تھے۔ اور لڑکی کا منہ فتح، رنگ سفید و چہرہ زرد و سیاہ زرد ہی ہیں۔ اوسان ٹھکانے نہیں۔ سینے سینے ہو رہی ہے۔

راقم یہ کیفیت دیکھتے ہی فوراً بے تابانہ اس کے پاس پہنچ اور دل میں خیال آیا کہ اس کے ہاتھ میں شمشیر برہند خون آلود ہے اور سر پر خون سوار ہے مبادا مجھ پر ہی ور کر بیٹھے یا اس مازنین پر ہاتھ چھوڑ دے گا تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ پسے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی جائے پھر اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑا لینا۔ یہ سوچ کر میں نے پیسے جاتے ہی اس کے ہاتھ سے اس کی کلائی خوب طاقت سے پکڑی اور بایں ہاتھ تلوار کی سویر پر ڈال۔ در ربانی یہ اغاظ سے کہ جیسے ادب تو نہیں جانتا یہ بادشاہ کی ڈیوڑھی ہے یہاں تھپیر باندھنے کی ممانعت ہے۔ اس میں بور آدمی بھی ٹھہ کر چمٹ گئے اور اس مازنین لڑکی ستم سیدہ نے جو اس طرح کا ترجمہ اور حامی و مددگار اپنا پایا وہ میری لوٹ میں ہو گئی اور میری کمر میں اپنا ہاتھ ڈال دیا جب اس کا جسم میرے جسم سے مس ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ مارے خوف کے مانند بید کے رزاں و ترساں ہے۔ کلیجہ اس کا ہزک رہا تھا۔ غرضکہ میں نے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور پوچھا کہ تیرا کیا مطلب ہے منہ سے بیان کر۔

جوان وارتی بھائی خدائی قسم ہے۔ ہم نے کچھ نہیں لوٹا۔ کیا۔ کھوں روپیہ کاموں لوٹ کرے گئی۔ ہم نے کسی کو ہاتھ نہیں گایا۔ ہم نے فقط یہ مال دیا ہے ہم کو یہ مال مل

جاوے اور ہم کو کچھ نہیں درکار۔

راقم غودہ شمشیر شمت سے حوالہ کی اور سب بھی تم کو یہ مان نہیں مل سکتا ہے۔
اس عورت کو سنا جائے کہ تمہاری جان بھی جائے گی اور یہ غریب سب کس بھی جائے گی۔
تمہاری کوششیں و جان لی خدایا جائے گی۔ یہ سپاہی دُک بھی تم کو اور اس عورت کو ہلاک
کر دیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑے روز تم صبر کرو۔ جب ہنگامہ فرو ہو جائے گا اور خدر مٹ
جائے گا اس وقت یہ حالت تمہاری تم کو مل جائے گی بھی تمہارے بادشاہ کے پاس رہے گی۔
اس میں اور خواجہ سرا وغیرہ جو ڈیوڑھی پر موجود تھے سب راقم کے ہم زمان ہوئے اور سمجھا
سمجھو کر وہاں سے روانہ ہو کر اس نوجوان نازنین کے ذرا جان میں جان آئی اور مجھ سے مل
ہو کر ٹھہری ہوئی۔ سب میں نے اس سے اس کا حال دریافت کیا کہ تم کو یہ کیونکر یاد۔

وہ جواب میں نے منہ کو ہاتھ لگا کر پانی کا اشارہ کیا میں نے بہار خانہ میں سے پانی
لیگا کر اسے پلویا۔ جب ذرا ہوش درست ہوئے۔

نوجوان مس اس آدمی کے صاحب کو دیکھا۔ درہار ہاتھ پکڑ کر بچہ۔ راست
میں سپاہی دُک ہم کو چھینے گئے۔ اس نے نہ دیا مرے مارنے پر تیار ہو۔ بڑا ٹھہر تا یہاں تک
یہاں و سبب ہمارا دنیا کے ٹٹ سی۔ کیا اب ہم کو تم اس آدمی کو پھر دے دو گے۔

راقم نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب بادشاہ کی پناہ میں ٹٹنی ہو۔ جیسا
بادشاہ کا حکم ہو گا۔ وہ یہاں جائے گا اچھی تم کو حفاظت میں۔ آسائش تمام رکھا جائے گا۔ کوئی تم پر
ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس وقت خدر مٹ جائے گا پھر تم کو اختیار ہے جہاں چاہو ہو تم میر
ہو، تمہاری زندگی تھی کہ تم زندہ سلامت یہاں پہنچ گئیں اب تم کو کوئی نہیں مار سکتا۔

نوجوان مس، ٹھنڈا سا بس بھر کر "دیکھا چاہیے۔"

راقم نے خواجہ سرا سے کہا کہ ن کو محل میں بھجوادو۔ اور خواجہ سرا نے ڈیوڑھی
کا پردہ اٹھایا درباری دار کو آواز دی۔ فی ماری درمیں صاحبہ آتی ہیں۔ انہیں حضور میں پہنچادو۔
ڈیوڑھی کا پردہ اٹھا دو وہ نوجوان نازنین خاتون اندر داخل ہوئی۔

بینک لوٹ لیا :

اب دوڑ چکے ہیں۔ تیسرے کا ٹٹل ہے۔ بد معاشانِ شر نے جو دیکھا کہ اب لوٹ

ہار کی محنت ہو گئی۔ اب دال کلنی دشور ہے۔ انگوٹے باغبات پر کمر باندھ کر مثل مشہور ہے ایک توڑا کریدیں پر چڑھانیب۔ حسب تحریر میں و ترغیب مغویان شیطان ہشت فتنہ ہمایہ ہمرہ ہوئے اور بد پیشان نے ان کو لے کر ہنگ گھر کے دروازہ پر کھڑا کر دیا۔ ہنگ ہکاری شہر و کی ہنگم کے باغ کی کوٹھی میں جو خونی دروازہ کے محاذ میں اور دروازہ باغ جنوب رو یہ سب سڑک اردو بازار واقع ہے۔ غار نگر ان بے پروا نے جو دروازہ باغ میں قدم رکھا۔ محافظان خزانہ ہنگ نے جو انگریز تھے نیز چند عورت معدیوں کے پناہ گزین تھیں ان گمریوں نے سر رشتہ حزم و احتیاط خزانہ ہاتھ سے نہ دیا اور بہ استعداد تمام درجات کا مقام سے پیش آئے اور سقف کمرہ سے ہندو قیں سر کیں اور مردمان باغیہ نے جواب ترقی بہتر دی۔ نرائی کا سامان ہو گیا۔ باہم صندوق چنے نلی تھوڑی دیر یہ ہنگامہ برپا رہا۔ بعد دو چارہ معاشوں سے دیوار باغ سے کود کر کوٹھی کی چھت میں آگ لگادی۔ کوٹھی کے سقف میں بڑے بڑے طویل اور جسیم شہتریں جب جل کر مرنے لگیں تو شعلہ ہائے آتش سر ہنگ کشیدہ ہو گئے اور افراط و خان سے آسمان تیرہ و تار ہو گیا۔ حاصل کا سقف کوٹھی جل کر میٹھ گئی اور وہاں رہتے تھے اس میں جل کر خاک ہو گئے اور پورے کوٹھی میں داخل ہوئے۔ وہاں تو جو یورپین عورتیں اور بچے اس میں پناہ گزین تھے ان کو بے رحمی سے ہارک کیا چونکہ کوٹھی مذکور کا ہر کارہ چارہ تھا اندر کے کمرے سب سلامت تھے جن میں خزانہ کے صندوق تھے یہ کوٹھی کے عقب سے اس میں داخل ہوئے اور صندوق خزانہ کے قفل توڑ کر توڑے روپوں سے ڈنٹے شروع کئے۔ ان غار نگروں میں وہ لوگ ہیں جو میرٹھ سے آئے ہو کر چلن و رسارتے ہیں۔ اس کے ساتھ والے جو بد معاش ہمارا ہوئے ہیں ورنہ کے شہر کے کوئی چھرا و حولی، بے گھر کنجڑے قصاب، کانڈی محلہ کے کانڈی اور دیگر بد معاشان شہر۔ پسواں، کانڈی، بڑا، بھائی گیرے، جیب کترے وغیرہ وغیرہ سب رذیل ہیں، کوئی شریف خاندانی ن میں شامل نہیں ہے۔ جو نیک معاش و اشرف ہیں وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ان کو یہ خبر تک نہیں کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے مردمان باغیہ سے جس قدر بولتا گیا خوب رہ پیہ بولتا کہ کسے اٹھانے سے عاری ہو گئے علی ہذا اقیاس ایک ایک چھرا جوڑہ قین قین تھیں۔ روپوں کی خا کر گھر لے گیا۔ خصوصاً کانڈی محلہ کے باشندے کہ زیر دیوار سلونت پذیر تھے نرل ہو گئے۔ روپوں سے گھر بھر گئے۔ مثل مشہور ہے ہاں مفت دل ہے رحمہ گھر ہاں تک و نہیں

چودہ لاکھ روپیہ ہے۔ تاہم روپیہ کی شے دو نچھوڑتا ہے۔ ایک گھنٹہ کے عرصہ میں سب لوٹ لٹ کر برابر اُردیا۔ خزانہ کے صندوق تک اٹھا کر لے گئے۔ دو گھنٹہ کاٹل یہ ہنگامہ رہا۔

میگزین اڑا دیا:

پانچ بجے ہیں۔ دن ڈھل گیا ہے ہنور قیامت برپا۔ ٹرمی ہنگامہ طلوع پہ ہے،
 شہر کا شہر میں نفسی نفسی کی پڑی ہوئی ہے، عجب ایک تار طمہ فتنہ و فساد ہے کہ نیچے
 زمین اپا ہوری ہے۔ اریہ کشت و خون جوش مار رہا ہے۔ وٹ کھسوت کا بازار گرم ہے۔
 سمسٹ ب خوف و خوفگر ان ناخدا ترس نے مشہر پارت رہا ہے کسی کو کسی کی نیہ نہیں۔ پٹی
 پٹی سب لو پڑی ہوئی ہے۔

۔۔۔ بند میں عرشِ حق تعالیٰ دہلی بیاض مراد ب خاص، ماہِ قمری دہلی
 زمین چرخ کی قائم مقام تھی دہلی جب آیا عبد جوانی تار تھی دہلی
 یہ وہ زمین ہے زمیں جس کی زرا اگلتی ہے

یہ خاک وہ ہے کہ اکسیر ہاتھ ملتے ہے

جہاں آباد تھ یہ عزو شان کے لئے جہاں کا لفظ ہاتھ اسی مکاں کیلئے
 یہ رہے اس کے سب تھے نہ تھیں کیلئے کہ اس سے کام زمانہ کے وہاں کیلئے

فلک سے رتبہ میں رتبہ دو چند تھا اس کا

مقام عرش سے پایہ بلند تھا اس کا

دل زمانہ تھا دلی پہ یہ تباہی ہے نہ سمجھے دل میں تنگن پر جفا کی ہے
 کہ دل کو دوتے ہیں خانہ خدا کی ہے خدا کے گھر کو ہزار ستم کہانی ہے

نہیں جہان میں واللہ اس جفا کی پناہ

جو انتقام ہو اس کا تو بس خدا کی پناہ

یہ شہر وہ ہے کہ غنچہ تمامہ جمالوں کا یہ شہر وہ ہے کہ تختہ تھا نونالوں کا

یہ شہر وہ ہے کہ مجن تھا حسن، اولوں کا یہ شہر وہ ہے کہ مرجع تھا بامالوں کا

یہ وہ مکاں ہے کہیں جس کے قیصر و جم تھے

یہ خطہ وہ ہے گدا جس کے فقر حاتم تھے

ہر کاروں کی ڈاک مل رہی ہے۔ داد فریاد کی خبریں چلی آتی ہیں۔ مدد معاشان ابھیں
 حید۔ خامان شد او نژاد کو ساتھ لگائے لگائے پھرتے ہیں۔ ملازمان شاہی معہ قصیر حسن مد
 خاں خاندانی کے داس میں بیٹھے ہوئے یا بدیع العحاث بالحقیر کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔
 اہل خانہ کا وظیفہ سب کی زبان پر جاری ہے کہ یکایک اس زور کی مصیبت آواز ہوئی کہ گر ہزار توپ
 کا ربر ایک میر ہوتا تو اتنی گرج نہ ہوتی۔ خاندانی کا مکان شاہجہانی عمارت ہے جس کا آثار چہر
 فٹ کے برابر ہے۔ چونہ گچ کی عمارت ہے اس کے دروں کا سقف سنگ سرخ، سنگ ہری کے
 ٹیسوں کا ہے جن کا دل اور صفی مت ایک ہاشت کا ہے اور عرض بارہ گروہ کا اور طول پانچ گز ہے
 اس میں سے چونہ در مٹی اس درجہ گری کہ سب گردبار ہو گئی اور زمین کو اس درجہ رزہ ہو
 کہ زلزلہ محسوس ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم پر مکات آ رہے۔ سب نکل نکل کر باہر صحن میں
 بھاگ کر کھڑے ہو گئے اور آثار ادا رلرلت الارض رلرلھا گئے پیدا ہوئے۔ مغرب
 کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک تشق گرد و غبار در دھوئیں کا زمین سے گھاڑ آسمان تک
 بندھا ہوا ہے اور مائشیں آدمیوں کی راغ و زغن کی طرح منڈا رہی ہیں۔ تین منٹ نہ گزرے
 تھے کہ آسمان سے سنگ باری و تکور الجمال کا لہر المصوتی زمین پر برسے گئے
 بھٹ بھٹ کر پھر دھان میں پہنچے اب عقل حیران ہے کہ یا الہی یہ کیا معاملہ ہے۔ موقع
 و روایات کا معاملہ دکان خاندانی سے ایک میل سے چھ زیادہ ہو گا۔ ہر کاروں کی جوڑی نے
 منکر و نکیر کی طرح کر خبر دی کہ میگزین (بارود اسلحہ خانہ) اڑا دیا گیا۔

تفصیل اس اجمال کی اس طور پر گوش گزار واقعہ نگار ہوئی ہے۔ جب باغیان اور
 شقوت آثار نے جا کر میگزین کا محاصرہ کیا ہے تو چند مردمان و رہین نگہبان میگزین، میگزین
 میں موجود تھے اور اکثر عورتیں بچے وغیرہ جا کر پناہ گزین ہوئے۔ پہلے تو محصوران مجبور
 بمقابلہ پیش آئے اور حفاظت اختیاری کے طور پر ہمدوقیں سر کرتے رہے اور جب ہویاں کا
 غلبہ حد سے گذر گیا اور چار دیواری میگزین کے اطراف و جوانب میں لوگ پھر گئے اور کوئی
 صورت جان بچنے کی نظر نہ آئی۔ اور زندگانی سے یاس کامل ہو گئی۔ تو بموجب اس مثل کے
 کہ مرتاکین نہ کرتا، جان شیریں سے ہاتھ دھو کر مرنے پر کمر باندھی۔ ناچار ”آپ ڈوبوں گا مگر
 تجھ کو بھی۔ ڈوبوں گا“ پر عمل کیا اور کار تو سوں کے خانے میں جا کر ان کارخوسوں کو آگ
 لگا دی۔ آپ بھی اڑ گئے اور ایک ہزار کے قریب کو ہر وہے کر رہی عدم تباد ہوئے اور

کیفیت اس کی اس طور پر ہے کہ کچھ لوگ تو دریا کی جانب کی دیوار فصیل پر کھڑے ہوئے تھے اور قین جانبِ خلائق کا مجمع تھا اور وہ خانہ کار تو سوں کا زیر دیوار شہر پناہ تھا۔ جب وہ خانہ اڑا ہے تو پچاس گزدیوار شہر پناہ کی زنگنی۔ جس قدر آدمی ڈنڈے پر تھے وہ اڑ گئے کچھ تو اس طرح ضائع ہوئے اور اکثر صدقات سنگسار ان سے سنگسار ہوئے وہ عورتیں اور بچے جو اور کمروں میں چھپے ہوئے تھے اور پانچ چار بوڑھے جو ان جو چ رہے تھے۔ مگر وہ بھی زخمی ہو گئے تھے ان کو پوریوں نے گرفتار کر لیا۔

قیدیوں کی رہائی کی کوشش :

اس اثناء میں ملازماں شاہی مع قیصر احسن اللہ خاں مکانِ خانہ بانی میں سے نکل کر سب دیوان خاص میں آئے۔ چوتھے میں چھ منٹ میں پانچ تھے ہیں روز و شانی کا وقت قریب آگیا۔ تشنگی کے مارے جان پر مٹی ہوئی ہے۔ آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے۔ بہند مکانوں سے کلسوں پر زرد زرد دھوپ چمکتی معلوم ہوتی ہے۔

ایک ایک پردہ کے دروازے سے جم غفیر خلائق نمودار ہوا اور جب وہ اجماعِ شہر دیوان خاص کے صحن میں پہنچا تو دیکھنے میں آیا کہ پچاس بچپن عورتیں اور بچے اور چار پانچ مرد زخمی چلے آتے ہیں اور گردن کے ایک حصہ پوریوں کا ہے اور خلائق کا ہجوم ہے۔ ان قیدیوں کو پوریوں نے تسبیح خانہ کی میز میوں پر بٹھادیا۔ ہم ن کوٹھ کر دیکھنے لگے تو ان کی اس وقت یہ کیفیت تھی کہ سر سے پاؤں تک اسے ہوئے تھے اور پریشان حواس پر گندہ احوال تھے۔ ان لوگوں نے جو تسبیح خانہ کی میز میوں کی طرف سے کر کے ہم کو کھڑے دیکھا تو گزرا کر پانی کا اشارہ کیا۔ آبدار خانہ سے دوستوں کو بلوایا گیا اور وہ مشتیں پانی کی بھر کر لائے اور ان لوگوں کے ہاتھ منہ دھوائے اور ادک سے سب کو پانی پلویا مگر بعض چھوٹے بچے تھے کہ وہ ادک سے نہ پی سکتے تھے مجھے ان کے حال پر ترس آیا۔ میں نے دو آٹورے کاغذی آبدار خانہ سے طلب کر کے ان کی ماؤں کو لائے کہ انہوں کو پانی پلاؤ۔ جب لوگوں نے پانی پیا اور ہوش درست ہوئے تو متفق الحفظات سب نے کہا کہ بھائی مسلمانو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہم سب مسلمان ہوتے ہیں۔ ہم کو جان سے نہ مارو جب یہ بات ان لوگوں کی زبان سے اپنے کانوں سے مٹی تو بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور دو چار آدمی تھے سب آبدار ہو گئے۔

یہ خبر اندر حظور کو پہنچ گئی اندر سے بادشاہ کا حکم آیا کہ فوج والوں کو تم بوگ سمجھی واور ان کی حراست سے اپنی حراست میں لے لو۔

اس وقت جو سپاہی سورا سورا غیہ و موجود تھے مجھے خوب بھیجی دیا ہے کہ
ازاں جمد یہ دو شخص بھی تھے ایک تو گلاب خاں رسا رسا سو مگر پری۔

دوسرے قادر بخش صوفیاء سفر میں چلنے پر دو دنوں میں رسیدہ معمر تھے۔ ان کے من
بچوں سے تجاوز کر گئے تھے۔ بچوں اور سائیکل کے جین میں تھے اور۔ نسبتاً گروں کی قدر
قیمت مناسب اور رخصت بھی معلوم ہوتے تھے۔ ان کا تھوڑا سا رونا و بکنا تھا۔ ان میں
جہاں ہم لوگ بھی تھے ان سے گفتگو شروع کی گئی۔

تقریر ملازمان شاہی :

سنو بھائی مسلمان ہو گئے تو ان کا بیان ہے کہ قازان میں تارین پرانی ہے وہاں تارین مسلمان
 پرانے ہو گئے اور نئے ہیں۔ جس قوم کو واجب اور حرام ہے کہ جان شریعت شریعت اور چاہی
 اور لگان دین متین کی کراہ اور جو حکام دین اسلام اور شریعت محمدی سے ہیں ان پر ان کے
 راستہ۔ جب تم پورے مسلمان ہو گئے اس میں نفسانیت اور تعصب اور وہ وہاں کے نو مسلم
 سے خارج ہو جاؤ گے۔ تمہارے پیغمبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہاں
 خلیفہ کرام کے زمانے میں جو اقوام یہود و نصاریٰ و دیگر کفار سے دین پر مزیں ہوں ہیں تو
 ان تارینوں سے تمہیں شریعتیں پیش کی جاتی تھیں۔ ان میں جو نئی اور منظور کرتے تھے ہی تو
 قبول کیا جاتا تھا۔

شرطِ اول۔ اگر تم لوگ دینِ اسلام اور دینِ برحق قبول کرو اور کلمہ پڑھو اور واحدائیتِ خدا اور نبوتِ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لآؤ تو تمہارے بھائی بند ہو۔ جو ہم میں وہ تم ہو۔ ہم میں تم میں کچھ فرق نہیں۔ تمہاراں سب ملک زمین جو روپوں سے ہم و چہ تر عین نہیں۔

دوم۔ یہ ہے کہ اگر دین اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ دینا قبول کرو پھر تم لوگ ہماری حمایت میں ہو۔ کبھی تم سے عہد شکنی نہ کریں گے۔

سوم آبرن، ونوں شہ میں سے کوئی شہر تھو منظور نہیں ہوتا ہے تمہارے
 زمینیاں تھواری ہے وہ فیصلہ کر دے گی۔ پھر وہ لوگ آبر، مقابلہ پیش کرتے تھے، اور نوبت جداس

قتل کی پہنچتی تھی تو ان کو کیفر بردار کو پہنچایا جاتا تھا۔ مگر عورت درپے پر ہاتھ کی سنے نہیں ٹھہرا۔ عورت اور اطفال قتل سے مسلسل نفی کر دیے جاتے تھے یا جو کفار ذمی ہو کر مل اسلام کی راہ میں آجاتے تھے پھر کسی کو حوصلہ دست درازی کا نہ ہوتا تھا۔ جائے تعجب ہے کہ یہ وگت سلام قبول کرتے ہیں ورکلہ پڑھتے ہیں۔ درتم وگت ان کے درپے قتل ہو ورنہ وگت قتل کرتے ہو۔ یہ کہاں کی دین داری ہے اور کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو۔ عورت اور بچوں کا قتل کی مذہب میں رو نہیں۔

ذیق مایہ چھ تو پھر ہم وان سے ساتھ یا رنا چاہیے۔

عزیزانِ شہنشاہ و بادشاہ اسلام کے سپہ سالار رنا چاہیے۔ وہ نوا مسلمان بریں کے ورنہ اس کے ساتھ ان کی خوشی ہوں ان سے عتہ کر کے جائیں گے۔ غرضی حد تکوے۔ یاد وہ دور کے سپہ سالار کے وہ رضی ہوئے کہ اچھا تمن کو اپنے پاس رکھو یہ عرض انصار میں کرئی کی۔ ختم ہوئے ان سے نوا ووں و سے اپنی تھیل میں رکھ ورنہ سے حصے پینے کی بھی طرح خور پر دست برد اور جو رکھی ہیں ان کی مرہم پنی و غرضی ن سب کو جو استیغ خانہ کی یہ تھیلوں کے پیچے دیوان خاص کے لیکن میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں پانچ چار مرہم ہوں گے ورنہ باقی عورت و اطفال خورد و سار ٹرکے کر لیاں تھے۔ میرے قیاس کے موجب قریب ساٹھ کے ن کاٹر ہوگا۔ میں نے اس وقت تسبیح خانہ کے چہرہ پر کھڑے ہو کر کہا کہ تم سب دیوان خاص میں جاؤ۔ وہ سب وہاں سے اٹھ کر تسبیح خانہ میں ہو کر دیوان خاص میں آتے تھے تو اس وقت کی فوج نے ان سے کہا کہ اس شخص نے بڑی کوشش کر کے تمہاری جانیں بچائی ہیں تو وہ سب لوگ مجھ کو دعا میں دینے گئے اور اسی اثنا میں ڈیڑھ گھنٹہ کا پردہ تھا اور وہ خوبصورت نوجوان لڑکی جس کو میں نے اس وقت کے ہاتھ سے چھینا تھا ورنہ پورے ہاتھ سے بچا تھا محل سے باہر آئی اور پیچھے اس سے اور تھیں تھیں تینوں نے آکر مجھ سے پوچھا کہ اب کہاں جائیں۔ میں نے جواب دیا اور سب تمہارے دربار دیوان خاص میں موجود ہیں تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ۔ چونکہ وہ یہ جانتی تھیں کہ میں نے پورے دربار ورنہ باقی سے بچھوڑا کر اندر بھیجا دیا تھا ورنہ اس کے اس میں خوف خدا ہے ورنہ ایک حالت یاس میں ڈوبے کو تنے کا سہرا بہت ہوتا ہے۔ مجھ سے بیٹے گئی کہ اب تمہاں جاؤ گے میں نے کہا کہ اب تمہاں جاؤں گا اور صبح کو نوٹری میں پھر حاضر ہوں گا اس نے کہا تم مجھے

اپنے گھر سے جاؤ میری جان بچ جائے گی۔ میں نے کہا کہ اب تم کو کوئی نہیں مارے گا۔ تم بادشاہ کی حفاظت میں ہو۔ میں نے جواب دیا دیکھا چاہیے۔ تم اپنے ساتھ سے چلو۔ میں نے کہا کہ میں یہ گھر سے چلوں تمہیں دیوان خاص کے باہر نکلتے ہی یہ دو گے مجھ اور تمہیں دونوں کو مار دیں گے۔ اس پر وہ بدیدہ ہو کر دیوان خاص میں چلی گئی۔ میں اپنے گھر کو روانہ ہو۔ دیوان خاص کے چوک میں ہوتا ہوا نذر خانہ کے دروازہ سے نکل کر قلعہ کے دروازے پر رو رہا تھا۔ شام کی تاریکی پھیل گئی جب میں رو بہ زاری دروازے پر آیا ہوں تو شہ میں سنا تھا۔ دروازے پر یہ چیزیں تھیں ایک عجیب و غریب روٹی تھی شہ کا شہر ہاتھ دودھڑاتا تھا۔ جاہلوں کا نہیں کوئی پڑی تھیں مکانوں کے دروازے بند تھے روشنی کا نام نہ تھا۔ ان گھروں کے کھٹکے ٹوٹے ہوئے تھے میں کوئی دروازہ نہ آگے ہوتا ہوا کوئی کے سامنے سے گذر کر چھوٹے دروازے پر چھٹکے پر پہنچا اور چھوٹے دروازے میں چھٹکے وایوں مٹھائی وایوں اور بزرگی کی دکانیں۔ اس کوئی ہونی پائیں اور صرف کی دکان پر ایک فیوٹی فقیہ پر ہنس زخمی پڑا ہوا تھا۔ وہاں سے گزرا تھا۔ اس کی پشت کے اوپر تین زخم بکے بکے تھوڑے تھے وہاں سے آگے بڑھ کر بزرگی کے دروازے میں ہوتا ہوا اپنے مکان پر آیا۔ گھڑی بھر رات آگئی تھی بھی دروازہ نہیں کھلا تھا۔ دروازے پیاس کے میری زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور صحن میں کانٹے پڑے ہوئے تھے مجھ کو دیکھ کر وہ مدد کے خد کا شکر ادا کیا کہ یہ زندہ سلامت گھر میں گیا۔ اس وقت میں نے شہ پر بارش رواں نہ کھوئی۔ کھانا کھیا مدد کے مجھ سے جاں پوچھا میں نے ساری حقیقت بیان کی کہ میں صحن سے میں نے فہمائش کر کے ان لوگوں کو پھینکا ہے۔ میرے دل مدد نے فرمایا کہ خد تجھ کو جزائے خیر دے تو نے بہت چھ کام کیا میں نہایت خوش ہو۔ ہم سادات ہیں۔ ہماری سرشت میں رحم و رحیم خیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد کے کیسے رحم کے ہیں جناب علی مرتضیٰ رحمہ اللہ وہ جس نے اپنے قاتل کو کار شہر بھیجا ہے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ قلعہ کی جانب سے توپوں کی آواز آئی میں نے سمجھا گھریزوں کی فوج پیچھے سے آگئی۔

میں نے آدمی کو بھیجا کہ جاؤ خبر لے کر یہ توپیں کیسی چلتی ہیں۔ آدمی نے واپس کر جواب دیا کہ چھ ہائی کی پلٹنیں شہ میں آگئی ہیں۔ اس کی سلامتی کی توپیں چل رہی ہیں میں ان بھر کا مارا تو بک چنگ پڑ گیا۔ یہ صبح کو منہ ہاتھ دھو کر پھر قلعہ کو روانہ ہوا۔ ان بھر وہاں خد کا منہ نہیں رہتا رہا۔ اس دروازہ سلامت کی طرف سے شہ کا تھما ہوا اور کوئی مقرر رہا یا

مجھے حکم ہو کہ سقا کوے جاؤ اور میگزین میں ٹک ٹک رہی ہے اس کو چھوڑا اور آگرہ روڈ میں ٹک ٹک گئی تو تمام شہر زجائے گا۔ غرض کہ کوئٹہ کی معرفت دو تین سوئے میرے پاس پہنچے اور جن مکانوں میں ٹک ٹک رہی تھی وہ چھوٹی۔ دریا کی طرف کا شہر کاؤنڈا مگر انہو پر تھا۔ آدوں کے پہاڑ گئے ہوئے تھے۔ دو سو توپ کے قریب چھتیس مینی تو پھڑوں پر تیار تھیں۔ اس قدر توپ کی مائیں زمین پر پڑی تھیں کہ انہو کا چھ شہر حساب نہ تھا۔ چھپنے نہ تھے غرض کہ میگزین بہت قرب سے معمور تھا۔ میں اس کو کسی طرح چھوڑ کر آیا تھا دو تین دنوں کے بعد سارا مین اس سہانہ ووت رہ گئے۔ مگر توپ کے گولے باقی رہ گئے۔ ان پر بیٹیت تھی کہ مین اس شہر سے پارہوں کو ہمراہ لئے ہوئے بھلے، تسوں کے گھر گاتے پرتے تھے اور اس وقت وہاں رہا مین اس سے کہ چار دیواریں کوے جا رہا ہے۔ یہاں نہ بچی ہوئی ہے نہ صاحب وک ہیں اس یہاں سے کہ میں تھیں کہ ووت یہاں بادشاہی عداوتوں کی یہ حقیقت تھی کہ بہ وقت جل رہا تھی ہر دفعہ دیکھ کر آرمی میں پھیر لیتے تھے اور سینہ پر ہندو قیس رہا سیتے تھے یہاں ہم میں پھیں آرمی خانی میں حیدر حسن اللہ خاں کے پاس پٹھے ہوئے تھے کہ چار دیواریں نے آرمی کو خیر کیا اور ہندو قیس پاؤں پر پھینک رہا ہے۔ ان کے گھر کھانے اور کھانے سب بے دین ہو۔ اس کے تم سب کر سچین ہو۔ تم انگریزوں کو ہانسیاں بھیتے ہو انہو کو نے یہ انہو سے کہ ایک دفعہ تم ہم سب کو زور اور زور کے جھٹکے سے قافیہ ہو جائے۔ ان میں سے ایک دو فسر سمجھ رہی تھے وہ ان کو بھارے کے ان کے حکم سے ہم دو گوں کی جان ناک میں تھی۔ دھر فوج کا یہ حال تھا کہ روزانہ چار سو آدمی فوج کے بھاگ بھاگ آتے تھے اور دن میں جمع ہوتے تھے چار ہینیاں کو مل حیدر سے آئیں اور پانچ سو جون سفر میں کی پٹن کے اور آگے سب کوئی سات آٹھ ہزار آدمیوں کے قریب جمعیت پور دیوں کی ہو گئی۔

مدنی کے چھوٹے شہر دل میں بنے گئے کہ بہ اندرون و پتہ قتل ہونے گئے
جو اہل درہ تھے رورہ جاں ہونے گئے مسیح، خنز بھی منہ ڈھاپ ڈھاپ روئیے

ستون خانہ فصفت گرا دیئے یکسر

چراغ بوم عدالت چھا دیئے یکسر

قیدیوں کا قتل

ایک دن صبح کا وقت ہے۔ کوئی گھڑی بھر دن چڑھا، دو گامیں سر سے نکل کر قلعہ
 کی طرف روانہ ہو، اور قلعہ خانہ میں داخل ہو کر وہاں عام کے نزدیک پہنچا ہوں، مجھ کو انہیں
 کہ خانہ سبانی میں چل کر حکیم جی سے ملنے چلو، شاید حضور میں سے چہرہ خیر ملے، ہمارے
 ہوں۔ ان خیال سے جاں کار راستہ چھوڑ کر خانہ سبانی کے دروازے سے اندر داخل ہو۔ جب
 مستجاب دروازے کے آگے پہنچا دیکھا کہ پورے ان قیدیوں کو داغ سے لے کر باہر آتے ہیں۔ میں
 سننے پر چھا کہ تم کو کہاں سے جاتے ہو۔ وہ بولے کہ تم کو قلعہ کے سامنے جا کر رکھیں
 گے۔ پھر میں نے کہا کہ یہ تو ہماری تحویل میں ہیں۔ تم کو نہ لے جاؤ، مگر وہ کب سنتے تھے
 مجھ کو نہ دیکھتے ہو، کہ مہاراجہ ہاتھ دیر حرکت ہی کر بیٹھیں، میں قدم بڑھا کر جھدی سے حساب لے
 خان صاحب کے پاس پہنچا دو خانہ سبانی کے کوٹھے پر ایسے ہوئے تھے میں نے جاننا کہ
 کہ خان صاحب آپ کو کچھ اور بھی خبر ہے۔ وہ بولے یا میں نے کہا کہ وہ وہاں
 قیدیوں کو لئے جاتے ہیں مہاراجہ کو لے جا کر قتل کر دیا میں، آپ اس کا بدلہ لے سکتے ہیں
 جواب دیا کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ خان صاحب وقت میں عدول دیا ہے۔
 کہ بادشاہ کو پناہ چاہتے ہو تو سمجھو سمجھو کہ قیدیوں کو پناہ دینا یا رخصت کرنا
 لوگ دلی کا چہرہ تو بنادیں گے۔ احسان اللہ خاں نے جواب دیا کہ میں تمہیں ہمارے
 انسان زحمت باغفل پر زحمت بالقوۃ کو ترجیح دیتا ہے۔ ابھی جو ہم سے ملے تھے میں تو یہ نہ
 پتے ہم کو قتل کریں گے اور پیچھے ان پر ہاتھ ڈالیں گے۔ پھر میں نے جواب دیا اچھا ہے۔
 ہم چار آدمی مارے جائیں مگر بادشاہ کی یہ کار قویج جائے گی۔ یہ کہ میں ان سے
 ہو اور بادشاہ کی پرتیا۔ خواجہ سے عرض کرئی کہ وہ پورے غریبوں کو کالے
 جن کو حضور نے لے لے خانے میں رکھا تھا۔ بادشاہ نے اس وقت حکم دیا کہ حکیم جی کو لے دو۔ وہ
 اس کا بدلہ دست کریں۔ خواجہ نے اسے اندر سے مکرر کارے کو دیا کہ جھدی حکیم جی کو
 کر دو۔ غرض ایک ہر کارہ تھوڑی دیر کے بعد دور گیا، پھر تیسرا ہر کارہ روانہ ہوا۔ ان
 عرصہ میں گھڑی، یزید گھڑی کا زمانہ گزر گیا۔ حکیم جی کسی طرح ان سے نہ ملے۔ حد
 ڈیڑھ گھڑی کے حکیم جی تسبیح خانہ پہنچے۔ اور اندر محل میں حضور کے پاس پہنچے، بادشاہ نے حکم

ایک سال میں دو بار ہجرت کرنا ہوتا تھا۔ غرض کہ ”بہت چھا“ نہ کہہ رہا تھا۔ اسے اور
 دین خاص میں سرچنے کے بارے میں نہ سمجھتا تھا۔ وہ شہر میں آگیا اور وہاں
 سے ملنے والے لوگوں نے اسے بتایا کہ اس پر دو دروازے دو پینیاں پوریوں
 بند و قفل کاندھے پر رکھے ہوئے چلی گئی ہیں۔ راستے میں انہوں نے دین خاص میں گھس کر
 انہوں کا محاصرہ کیا اور قتل و غارتگری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس وقت
 ہم لوگ خدا کو یاد کرتے تھے اور سب بیٹھے ہوئے کلمہ پڑھ رہے تھے ہم کوئی دس بارہ آدمی کے
 قریب تھے۔ ہم کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب محض دو لوگوں میں ہم کو ازادیں گے۔ گھڑی بھر تک یہ
 کیفیت رہی بعد دو سواروں کے ہاتھ میں سرخ رداں نعل پر دے کے دروازہ سے رداں کا
 جھکا دیا۔ ان سپاہیوں نے جو ہم پر بند و قفل بھرے ہوئے کھڑے تھے انہوں نے بند و قفل
 کے پائے تار دیے اور کاندھے پر رکھ کر دباں سے روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہر کارے
 نے سرخ رداں کی قیدیوں کا کام تمام کر دیا گیا۔ یہ سن کر مجھ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ بیان
 نہیں کر سکتا جس قدر مجھے اپنی ادا دے مارنے کا غم ہو۔ اسی کے برابر ان پتوں کے مارے
 جانے کا غم ہوا۔ میں جیہ ان ہوں کہ وہ کم ذلت کیسے سندس تھے کہ جن خاموشی سے ہاتھوں
 پتوں پر ان حور صفت عورتوں پر بٹھے تھے۔ پھر میں ہی وقت میں رات میں وہاں سے اٹھ
 کر اپنے کمر کو آیا۔ جب غار خانہ کے دروازہ میں آیا تو میں نے دیکھا کہ دروازے کے دائیں
 جانب کوہ لٹے ہوئے پڑے تھے۔ مجھ سے یہ حال دیکھنا نہ گیا اور منہ پر رداں ڈال کر چھپا دیا۔
 خوش کے برابر میرا چکر گھوڑا سے نہ لگے ہوا تھا۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا
 تو پر آندہ حواس منتظر اہل تھا۔ میرے والد نے دریافت کیا خیر باشد؟ آج بے پاشاں رہا
 ہے۔ میں نے وہ ماجرا اے قیامت تمیز بیان کیا۔ اس واقعہ ناگزیر کو سن کر وہ بھی بہت متاثر اور
 متاسف ہوئے اور فرمایا تیرے نامہ اعمال میں تو جہاں خیر اس کی تحریر ہوئی۔ مگر ان
 دیکھا ہوں کہ قضا قہقہہ مشیت ایزدی یوں ہی تھی مجھے آج تک جو اس واقعہ کا خیال آتا ہے تو
 میرے آنسو نکل آتے ہیں۔ کئی روز تک مجھے صدمہ رہا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کی یہ کیفیت ہے
 کہ شہر میں پورے راجہ ہو رہا تھا جو چاہتے تھے کرتے تھے اندھیر گھری چوہا راج۔ اندھے
 کی داد فریاد۔ رعیت کا ناک میں دم تھا۔ خدا سے دست برد عاتق تھا کہ خداوند اس بلائے ناگہانی کو
 جلد رفع کرے۔ مگر یہ حالت خاتمہ نہیں شہر سے نکلیں تو قصہ پاک ہو اور ہم کو ان جھگڑوں کے ہاتھ

سے دستکاری ہو۔ اور ان غدروں کی یہ کیفیت تھی کہ تمام خرمین انگریزی اور سرمایہ بھٹ
 وریں پارلیمنٹ کے سامنے ہاں ہو رہے تھے۔ روپیہ رکھنے و جانے لگی تھی۔ راجپوتوں اور
 راجپوتوں میں باندھ رکھی تھیں اور شرفی کا ہندوستانیوں کو تھا کہ تیس روپیہ و ہتی
 تھی اور رعیتوں کو مرنے لگی تھی۔ تمام کارخانے بند تھے، دستکار اور ہاں حرفہ ہاتھ پر ہاتھ
 دھرے ہوئے بیٹھے تھے۔

چوتھا باب

انگریزی فوج آگئی

ہیں، صحابہ چھپ گئے، راجہ ہندوستان نے اس طرف غائی گائی، کوروں کی فوج آگئی ہے۔ اب چار طرف سے گل کا شہ، ختود ختو ہو رہا ہے، درجہ درجہ کی فوج کی آمد ہندی ہو رہی ہے۔ توپ خانہ تیار ہیں۔ میگزینوں پر چیل ہندی ہوئی ہیں۔ پشیمیں گلی بھی ہوئی ہوئی ہیں۔ رگھویش ایک جانب ہیں کہ کل میں فوج کی ہندی ہوئی اور فوج مسیح اور انیس ہو رہی ہیں۔ سیمٹریک کے پیپ ہندی ہوئی ہوئی ہیں۔ کس سے ہیں پرستہ ہو رہے شہر کے نازک پر رات ہو گئی۔ اس سے اس سے بچے ہیں۔

پہلی رات۔ غرض پارک سے بارود ہوا وقت تھا۔ توپ کی آواز میں آئی۔ جہاں ہو کہ اوپر کی توپ چلی ہے کہ ایک منٹ کے بعد اوپر کی توپ رہی۔ اس سے اوپر کی توپ نہیں جنگ کی توپ ہے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ اب رگھویش توپ کے نیچے سے لے کر توپ کی آواز چلی آئی تھی۔ چریک ہندی ہادی آگئی تھی۔ اب توپ بھی چلی رہی ہے، درجہ فوج کی ہادیں جھڑ رہی ہیں۔ وہ گھنٹہ گال یہ صد آتی رہی۔ بعد توپ اور بد وقت ہندی اور فوج فیروز اور متفرق آئے گی۔ اب مقامات سے قلعہ سے، دیکھیں اس کے دوسرے دھاروں کے تھیں کہ ہیں جاہر معصوم ہوتے رہے گھنٹے کے عرصہ میں اس وقت کے نتیجے سے اس میں شہر ہندی، تھیں خطہ میں فیصلہ ہوا۔ تھیں فوج کے دھاروں کی کو معصوم تھیں کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کا نتیجہ ہے۔ غرض پارک سے آگ میں قلعہ سے سوار ہو کر جاتا ہوں جب لاہوری دروازہ کے پتے میں پہنچے، فوج کی آواز ہندی ملی۔ آگے آگے توپ خانہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ فوج میگزینوں کی پارک ہندی سے فوج میں تھا۔ غرض کہ فوج تھیں ہدی میں سمجھا رہی تھیں۔

سوار تھے میں نے ان سے پوچھا کہ اس کے رخم کہاں آیا ہے۔ نبوں کے رخم نہیں آیا۔ اس کے ٹھنڈا گوشت لگا ہے۔ اس کے صدر سے بے پوش ہو گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سوار اور پیدل ہتھیار والے ہیں، باجبات چلتے ہیں۔ قلعہ کے دروازے میں سے میں نے نکل کر ایک سوار سے پوچھا کہ تم اتنی جلدی کیا نہ واپس چلے آؤ۔ اس نے بیان کیا کہ ہماری لڑائی ہوئی۔ ویرے معاملہ پر سے بھاگ گئے۔ ہم واپس چلے آئے۔ پھر میں نے پوچھا۔ لڑائی کی کیا شکل ہوئی۔ اس نے بیان کیا کہ ہندو بی ندی کے پاس پار ہم تھے اور وہ اس پار تھے۔ جاہلین سے توچیں چلتی رہیں ہمارے تو پختانہ نے بڑا کام دیا۔ آدمی آدمی کے پیچھے گوشت لگا دیا۔ دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ گورے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب کی تاب نہ لے سکے ہم اور سے دیکھتے تھے کہ وہ ندی کے پانی کے اندر کھڑے تھے۔ دران کے گھنٹوں تک پانی تھا۔ جب ہمارے سواروں نے دھاویا تو وہ کھد کر بھاگ گئے ہوئے لیکن پنی توچیں وغیرہ سب سامان اپنے ساتھ لے گئے۔

دوسری لڑائی۔ یہ بہت بڑی خونخوار جنگ ہے۔ غازی آباد کے حد تک میں نے ہر تک چو لڑائی بھڑائی کا ذکر فکر تک نہیں ہے۔ پورے امن و امان سے بے غل و غش چین اڑتے ہیں۔ خوب کھجور پیتے ہیں اور مذا پڑا کھاتے ہیں۔ رسوئی کرنی چھوٹی ہے۔ دونوں وقت پوری چوری مٹھانی چھتے ہیں اور پاؤں پار کر خیند بھر کر ساتے ہیں اور چاروں طرف سے مدد چلی آتی ہے سکھ، کارسا، گیارہ چندروں چٹن کے جوان بھاگے رہ چکے۔ اب قریب دس مارو ہزار کی جمعیت پیدل سوار جتنی کی فراہم ہو گئی ہے اسے ماوہ میر نھ کے جیل خانہ سے بد معاش جو رہا ہو کر ہمراہ فوج، عید کے ہیں، وہ ساتھ ہیں وردی کے جیل خانہ کے چور اٹھائی گیرے سب فوج کے ہمراہ ہیں۔

جہاں کے جتنے تھے اوتس ورنڈا نا فجام

ہوے شریک سپاہ شریہ بد انجام

انھانی گیرے اچھے کموں سے، ہر بھاگے

جو گنہ سے تھے وہ گھری پہ سے بھر بھاگے

سو گھوڑیں رمضان کی ڈیڑھ ماہ کے بعد ایک دن پانچ بجے دن کے میں گھوڑے پر

سوار قلعہ سے گھڑا ہوں تو قلعہ کے چھتے میں مجھے دو سوار تیل وردی کے سے اور ن کی نیلی

بھندیاں تھیں۔ مجھے بظاہر مافی وجاہت اور چال رچ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید کسی رسالے کے افسر ہوں۔ مسلمان تھے صاحبِ سلامت ہوں۔ چونکہ اس وردی کا کوئی اور سوار میری نظر سے نہیں گذرا تھا، مجھے شک ہو کہ شاید نے سوار ہیں۔ میں نے پوچھا تم کون سے رسالے کے سوار ہو۔ انہوں نے بیان کیا پوچھتے رسالے۔ میں نے پوچھا رسالے تو یہاں کوئی نہیں۔

سوار:- چوتھا رسالہ گمریزوں کی نظر بندی میں ہمارا ہے۔

میں نے پوچھا گمریزوں کی فوج کہاں ہے؟

سوار:- علی پور

میں:- علی پور سے تم کیونکر چلے آئے؟

جواب:- ہم گاہی کر چلے آئے اور اپنے بھائی بند فوجیوں کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ وقتِ صبح کے ہم تم میں ہمیں گے یہاں ہو کہ تم ہم کو آتے ہوئے دیکھ کر رگڑوں نے شبہ میں آراب ہار کر اڑ دو۔ ذرا سات کاخیاں رکھنا پھر سواروں نے مجھ سے پوچھا کہ فوج کے فسر کس طرف ہیں؟ میں نے بتایا کہ تم چھتے میں سے نکل کر بائیں ہاتھ کی جانب تر پڑیہ سے اور نہر سے ادھر سیدھے چلے جاؤ۔ اخیر کو قلعہ کا دروازہ آگے گا اور پرانا پل ہمنہ کا اس کے اوپر سے گزر کر سلیم گڑھ کا دروازہ آگے گا اس دروازے اندر چلے جانا وہ سب فسر تم کو موجود یا میں گے غرض کہ وہ تو ادھر کو گئے اور میں اپنے گھر کو روٹ ہوا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی ہمارے شام کے چھ بجے تھے کہ تیاری کا نکل ہوا اور فوج کی آمد بندی ہو گئی اور میگزین سے بڑی بڑی چھتس پن مندیوں کھینچ کر دس دس بارہ بارہ جوڑی میں لگا کر آگے چلے ہار میگزین کی کراچیوں جدا گانہ۔ میں سب کو ایک دوست کے کوٹھے پر بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ چاندنی رات تھی وہی پانچ گھڑی رات گئے یہ سب فوج باہر ہو گئی۔ بڑی توپیں تو انہوں نے پہاڑی پر چڑھا کر مورچے باندھ دیے۔ آٹھ دس توپیں وہاں چھوڑیں اور کونی دو ہزار بیست تو وہاں اس مورچے پر رہی باقی کل علی پور پہنچی تھی اور ایک سے ذرا گئے بڑھ کر انہوں نے مورچہ بندی کر دی۔ یہاں سنا گیا ہے کہ درمیان ہر دو شہر ایک میل یا رام کا قاصد ہو گا۔ بہر حال رات تو نہیں مورچہ بندیوں میں گذری۔ پورہیوں نے بڑی توپیں اپنے بائیں بازو پر رکھی تھیں، وہ تین توپیں تھیں، اور باقی کھوڑ چڑھی توپیں قبضہ شہر میں تھیں، کہ چار گھڑی رات ماتی رہے توپ

تاری شام ہو گئی۔ سننے میں آیا ہے کہ نئی بڑی توپوں نے ہڑکاسا پیا اور فوجِ عمرانیہ
 دستِ غنیمت ہو۔ باب نمار کے وقت سے پہلے ساجدوں سے رساوں نے نئی توپوں پر
 دیا دھارا، اور ان سے پائے نئی جھنڈیاں اور نیلی دریاں تھیں۔ وہ یہ دھوا، کہ شاید یہ وہی
 پو تو تھا رہا۔ ہے جس سے ہم سے آکر شرم و مد سے تھے کہ وقت جنگ میں ہمارے میں آکر
 تڑپ ہو جائے۔ نموں نے ان پر فیر کیوں دروہاں اعرابِ خدمت کا مقابلہ تھا۔ یہ دھوکا
 کھائے دروہ جب فیر معصوم ہو گیا۔ یہ سوجھ بوجھ سے ہمارے تو نموں سے تھیں توپوں
 میں گرا ب ڈال اور وہ قریب آگئے تھے۔ جب فیر کے اس وقت راوی کا بیان ہے کہ سوار اور
 گھوڑوں کا یہ حال ہو کہ جس طرح نصف روئی، ختم ہے دروئی کے ریٹ زور میں
 کرتے ہیں سوار اور گھوڑے لڑ کر کڑے۔ دروہوں کے جھرمٹ اٹھیا۔ گروہی حیرت
 و ہمت اس بہادر فسر کا یہ فوج کی کہ اس نے اس وقت اس زور سے دئی ہوں کہ تمام عمر کوئی
 اٹھا اور خشوں پر سے گھوڑے کو آکر توپوں پر جا پڑے اور ہمارے جنگ مغلوں کے ہمارے خشیں
 ہونے لگی۔ غرض یہ کہ کاؤں سے توپیں تھیں میں، دروہی توپیں بھر کر ہمت ہامیہ پائی
 رہنے شروع سے پیدوں جو چٹھیں طرفیں کی تھیں، ان میں مقابلہ ہو یا دروہوں طرف
 سے بڑیں چلے گئیں اس وقت بڑوں نے ہمارے کا پان آور نہ آتی تھی۔ ہر ہمارے جان
 تھا۔

ز ستم ستورں در اں پھن دشت زمیں شش شد و آسمان شش بہشت

دود مارا اور گروہ سواران سے آسمان زمین تیرا ہوتا رہا تھا اس وقت یہ نہ
 معلوم ہو کہ اس معرکہ رقتہ مر۔ قیامت اخیر میں اس قدر اصرار سے مرے در اس قدر
 اصرار سے ضائع ہوئے۔ غرض کہ قریب تک یہ کام جدوں و قتال ہو رہا۔ یہ مد
 ہمد قوں نے بازوں صد متصل دیکھنے سے قریب تک آتی رہی اور حد اس سے مختلف
 فیر سے طور پر آوازیں آئے ہیں آئندہ کا عمل ہو گیا تھا۔ میں قلعہ پتی نوکری پر جاتا تھا جب
 جوہری ہمارے پھانک سے نہ کہ پر آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ زخمی بھڑت شہر میں آ رہے
 ہیں۔ ایک ایک زخمی نے ہمارے تین تین چار چار پوئے پئے ہوئے۔ اور اسے سنے چلے آتے
 ہیں۔ نہ کہ پر خون کرتا چڑ جاتا ہے۔ تمام نہ کہ ہر نہ کہ رہی ہے اور خون و فتنان ہوئی
 چلی آتی ہے جیسے ہولی میں زمین پر ریت کرتا ہے دو سار میری برابر سے نکلے۔ میں نے دیکھا

کہ ان کے سینوں پر دیویش کی ہوائیں ہیں اور چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر ہمہما
کھسے ہوئے تھے اور کچھ اور پھیپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے تختے پرچے پڑے تھے
انہیں ہاتھوں میں ان کے چپے اور انہیں ہاتھوں میں ٹھوڑوں کی بائیں تھیں اور کسی طرح کا
کرب و درد حواس ان کے شرے سے ظاہر نہیں تھی۔ چھٹی خاصی طرح ان کے ہوش و
حواس قلم تھے اور آپس میں باتیں کرتے چھتے تھے مجھے آج تک اس امر کا تعجب ہے کہ
تجنی دیر تک وہ زندہ اور سامنے کیونکر رہے اور پانچ گھنٹے تک زندہ کیونکر چلے آئے۔ ان کے
عقب میں تین سارے آئے کہ ان کے ہاتھوں میں نیلی جھنڈیاں تھیں اور انہوں نے بھی ان
سے تیار تھے۔ ان کے دونوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ جھنڈیاں کہاں سے آئیں انہوں
نے بیان کیا کہ سارے ان جھنڈیاں ہیں اور یہ ٹھورے ہی نہیں آئے ہیں چنانچہ صدقت
ان پر یہ دیکھ کر ان کے منوں پر ٹھوڑی ٹھوڑی نمبر پڑا ہے ہوئے ہیں چنانچہ شب کے ٹھیک
پچھتم خود دیکھے نمبر موجود تھے اور بیان ان کا یہ تھا کہ جو سوار سرکار امر یزی، اس کے تین
ساتھ آئے یہ ٹھورے ہیں اور اس کے شہر کی فتح ہو گئی۔ مگر اس صل وہ جھوٹے تھے مقدمہ جلس
تھا کہ اس دن اس دن ہو گا۔ اس کے بعد ایک سوار ٹھوڑے کو بھٹا اور اسے چڑھاتا تھا اور
سوار سے ان پستان پر اس کے کاربن زخم تھے اور ان میں سے اس طرح تھا کہ وہ تھا
جیسے کہ وہ ان کے پان کر رہا ہے اور اس کا تمام ہاتھ اور تھوٹھنی، یہ، خات میں رہا
تھی۔ اس نے پیچھے ایک رکھی وہاں کہ اس کا ہاتھ مٹی پر سے اڑ گیا تھا اور اسے مارا
دونوں رہتا تھا وہ سپنپوں سے چڑھتا تھا اور وہاں پر اس سے لڑتے ہوئے آتے
تھے کہ یہیں ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا کر مارے پینچیں تو وہ ہاتھ تھا کہ نہیں میرے پاس نہ تو
خود کسی طرح مجھے قلعہ پہنچے تک صد زخمی سوار پہاڑ ملے جب میں پینچ تو صیبر حسن
آمد خان اور محبوب علی خان، حواجہ مراد چند آرمی مہزین شاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑائی کا ذکر
ہو رہا تھا مگر مفصل نیست کی کو معلوم نہ تھی کہ نتیجہ کیا ہوا۔ اسی اثناء میں گیارہ بج گئے
اور محبوب علی خان اور اس کے مددگار ہمارے آئے پنی نشستوں میں جا کر
اس میں تین ہمارے آئے مراد خان اور جب میں قارخانہ کے آئے پنی نشستوں
پر بیٹھا ہوں۔ یہاں سے یہ ٹھیک و چڑے ہوئے آتے ہیں اور یہ امر قوی جان
ماریہ میں ان کے آئیں ہمارے میں سے چڑھتا تھا جب یہ دونوں میں مراد خان میں ہمارے

ہوے اور دونوں نے اس افسر سے کہا کہ یہ قیدی گمریزی چوتھے رسالہ کا سوار ہے۔ دھواؤں کے وقت ہمارے سواروں میں گمر گیا تھا۔ ہم سے چڑھ گئے ہیں اس افسر نے شخص گرفتار شدہ سے مجھ پوچھا نہ کچھ اس کی کمر میں وہ جتنی صفائی تمہارے کچھ کچھ کر اس پر پے در پے کر کے شروع سے پوندو میرے برابر ہی میں تھا میں گھبرا کر سپاہیوں کے ٹٹھنے کا جو چہو ترہ تھا اس پر چڑھا یا اس افسر نے تمہیں وار تمہارے اس کے منہ پر سے مگر خدا جانے یہ بات نہ کہ اس وقتوں کے یہ خط تک نہ آیا یہ پوری یاد آئے ہے ہکاؤ۔ غصہ سے چھوڑا اور دو پیموٹ ہوا اور دونوں توپوں کی طرف کوڑا ہوا۔ عقب سے ایک پورے نے اس کے دونوں ہار کی اولاد سے منہ زمین پر کر۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر قلعہ کے اوڑھ سے نکل کر رہا بار رہا تاہو خانی اور دو کے برابر سے کوئی نے اس کے ہوتا ہوا اثر فیک کے کمرے سے اپنے پانی تو میں سے دیکھا کہ وہ سارے کمرے سے قریب سواروں میں خوب چہروں پر ہوا پانی ہوئی اور یہاں سب سواروں میں لٹی ہوئی حوڑے پینے میں نہا ہوئے سارے پانی میں ہونی۔ ان کے سایہ میں کمرے کے پائے کے حوالے ہوئے ہیں۔ جیسے فوج ہر دست خوردہ کاحال ہوتا ہے وہاں تک کہ ان کے آگے وہی کچھ رسالہ ار تیسرے رسالہ کا کہ جس سے میری رور میں اس یہاں کی رہاں کے بارہ میں گفتگو ہوئی تھی حوالے ہے چوند مجھ سے اس کی بیشتر شہان ہو چکی تھی حد صاحب سلامت کے میں نے ان کا حال دریافت کیا اس نے ابتدا سے انتہا تک سب کیفیت بیان کی اور کہا کہ ہم کو کل کے روز دو سوار چوتھے رسالہ کے گرا جو کہ دے کر گئے ہم دھوکے میں رہے اور گاروں سے گری ہماری توپوں پر قبضہ کر لیا۔ بعد پٹنیں دونوں طرف کی بڑتی رہیں اور ڈیڑھ گھنٹہ ہندوق توپ کی لڑائی رہی اور ہماری فوج پسپا ہونے لگی۔ ہماری فوج پچھلے قدموں پسپا ہوتی جاتی تھی اور ہندوقیں چھاتی آتی تھی اور ہم حوڑ چڑھتے توپوں کے گولے مارے جاتے تھے اور پیچھے ہٹتے آتے تھے کہ اسی ٹا میں گھبراہٹ سے سارے کارواں ہماری مدد کو پہنچا اور ساتھ ہی میں سے میدان چھوڑ دو۔ ہمیں نیا اٹھا کر لے آئے۔ جو سوار تم کو بات آتے ہیں ہم نے میدان دے دیا اور وہ رسالہ گھوڑے اٹھا کر ساحروں کے رسالوں پر جا کر اور باہم دست بدست کی لڑائی ہونے لگی۔ جاہن سے چھپنے چل رہا تھا ایک نے ایک کے سینہ پر چھپنے رکھ دیا۔ ایک نے ایک کے منہ پر رکھ دیا۔ ہر رنے ہوتے تھے غرض کہ ایک بڑی بھر کمال یہ جنگ مغلوبہ رہی حد چھ سوار کی ہوئے چھ

ہارے گئے تھوڑے سے سوار چ کر آئے ہیں اور گھوڑ چری کے توپخانہ نے یہ کام دیا کہ پیچھے ہٹ کر محمد ارغال کے برابر جو ترپو یہ ہے اس میں توپیں لگادیں اور پٹنیں دو باغیہ میں چھپ کر کھڑی ہو رہیں اور ترپو یہ کے تینوں دروں کے اندر توپیں لگی ہوئی تھیں ورنہ انوں طرف سے، غیوں نے رستہ روک رکھا ہے ب فوج انگریزی آئے تو کدھر سے آئے انگریزی توپخانے نے آکر مقابلہ کیا اور باہم نشانہ اندازی ہوئے لگی۔ نبھام ایک دو۔ ر مار انگریزیوں طرف سے یہاں تک توپ کے منہ پر گھاؤ توپ کے اوپر کاسٹ ٹوٹ گیا اور توپ بیکار ہوئی اس توپ کو شہ کورہ نے یہ دوسری توپ کے پیسہ پر ڈال دیا اور وہ پیسہ بھی بیکار ہو گیا اور اس پر وہ پیسہ چڑھا کر شہ کورہ نے کرائی گئی تیسری توپ کے منہ میں جا کر ڈال دیا۔ پٹنیں یہ تینوں توپیں بیکار ہو کر شہ کورہ ان ہوئیں۔ اب جب توپ بند ہو گئی تو فوج انگریزی نے توپ قبضہ کیا اور انوں اندازن اور سوارن محافظ توپ خانہ پیچھے ہٹ آئے اور فوج انگریزی اس مرے سے بے خبر کہ پٹنیں گھات میں چھپی ہوئی کھڑی تھیں بے خوف و خطر وہ وہ سسٹے میں بند ہوئی۔ دنی چلی آئیں جب باغیوں نے دیکھا فوج انگریزی داخل ہو گیا وہاں وہاں اور چچ میں آئی یہاں گھات کی دیوار نے پیچھے سے ختم ہے ہاں انوں طرف سے ہائیں ٹھونک آئیں۔ اس وقت فوج کا یہ حال ہوا جیسے کبوتروں میں پھردہ مار دیا۔ بہت آئی ضائع ہوئے اور غیوں کا تعاقب چھوڑ کر اسے چھوڑنے کی طرف روانہ ہوئے۔ اور فوج باقی یہ سمجھ کر کہ جان بچانی۔ کھوپ پائے شر میں داخل ہوئی اور شر میں گھس کر رہا۔ زبند کرے اور کسی ٹا میں پہاڑی کے مورچوں وال فوج نے جو دیکھا کہ فوج تہ میں داخل ہو گئی۔ وہ بھی پہاڑی پر ڈنڈا زیر چھوڑ کر شر میں آئی توپیں بھی چھوڑ دی گئیں اور تمویہ وغیرہ جو ڈیرہ خیمہ پہاڑی پر تھ سب کاسب معہ میگزین وہیں رہ گیا جب فوج انگریزی چھوڑنے میں داخل ہوئی اور اس نے دیکھا کہ پہاڑی خالی پڑی ہے ایک چڑیا تک نہیں۔ انہوں نے بے ہائے مورچوں پر قبضہ جما لیا اور ان کے خیموں، غیہ کو گنگ ٹھائی اور توپوں کا رٹ دلی کی جانب پھیر دیا مورچوں کا استحکام برآیا۔ وہ پورے شہ میں داخل ہو کر بڑی بڑی توپیں میگزین سے کھینچ کر شہ کے برجوں پر چڑھا دیں۔

باغی قلعہ بند ہو گئے۔ اب میدان وری کی ٹرائی تو جاتی رہی مورچہ بندی اور قلعہ بندی کی ٹرائی ہو گئی۔ ان رات مورچے چلنے لگا اور پہاڑی پر فریادیں کونٹھکی سے ہ

تھے آخر وہ بھی تو عظیم یافتہ افسران سرکار گمریزی سے تھے استاد شہر دہلی کی تھی مگر فوق
 تان تھا کہ سرکار کا ستارہ قبل غالب تھا ورنہ کا سبب محسن شہی مغلوب اگر وہی فوج باغیہ کسی
 غنیمت کے مقابل ہوتی تو دھوکے میں نہ رہتی۔ دروغ بر سر دہلی میں وہ لوگ کایاں تو یہ تھے کہ
 شہر کی کاری ڈیرہ حیدر سے کر علی پور جاتا تھا اور پھر روانہ ہو چلی تھی بھجوت کے کام
 خد کو ہے کسی سان بات ہے کوئی دیکھنے تھوڑی ہی گیا تھا۔ قصہ مختصر یہ ہنگامہ جدال و قتال
 ۱۰ پہر سے ۹ بجے رات تک قائم رہا اور ہاتھ بٹھک کر آتی رہی۔ پھر وہ صدائی موقوف ہو گئی
 ۱۱ سے رو رہا ہے ان کے دو فوج و پس آئی ہے قواں کایاں یہ تھا جو پورے شہر میں پک
 ۱۲ رہا تھا اس کا فصول ہے۔ مگر ہم یہاں نہیں رہیں۔ ہمارے پاس میگزین ختم ہو چکا تھا۔ ہمارے
 میگزین مل جاتا تو ہم تمام رات بڑے جات و رہا رہی تھیں۔ پاؤں حرا چھ تھے ہم نے
 سوار جمعی کر میگزین طلب کیا تھا اور سوار اپنے ہمراہ لے کر چلے تھے کہ دروہوں نے
 میگزین روک لیا اور کہا کہ اس وقت رات ہے مہاراجہ گمریزی فوج رستہ میں سے تاحات سے
 چھین لے جائے رات بھر ہم سے ہوشیاری کی گمریزی فوج نے ہم پر تین بار حملہ کیا ہم نے
 مشاب کا جھاروے دے کر ان کو نہایت تین کار توں ہمارے پاس کر بے باقی رہا۔
 تھے۔

جرنیل سخت خاں کی آمد :- اس معرکہ کرنے کے بعد سخت خاں جرنیل چوہ
 بہادر کامپوور چند توپ خانے اور دو تین رگھتیں سواروں کی اور کئی کھروپہ خزانہ بریلی سے
 لے کر دہلی میں وارد ہو اور دوسرا جرنیل مراد کامپوے کر پہنچا ان کے پانچ سو رتی سرحدی
 نیچے پٹے والے دہلی میں آگئے اور مدروپہ لوگ سر غنہ بن کر دودھ سو چار چار سو کی جمعیت
 سے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ کیفیت یہ تھی کہ جس وقت باغیہ دھواں پر جاتی تھی یہ سب
 بد معاشوں کے ہمراہ ہوتے تھے اور جوشی یا مقتول ہوتا تھا اس کا سامان روپیہ شہر کی تنصیر
 فہوز اوغیر وہ یہ منگو سیتے تھے مگر شہر کی خلقت میں سے کوئی مسلمان یا ہندو راعلی تاویں بھی
 ہمراہ فوج باغیہ دھواں پر نہیں گیا سوئے ان اجانب بد معاشوں کے جو روز اول پورے شہر کو
 سرور کے کرشمہ کو ٹواتے پھرتے تھے اور ہنگامہ کار روپیہ خزانہ فحش خانہ کا جنموں نے دونا
 تھا و رکھوڑے مہال کے کر سواروں میں نوکر ہو گئے تھے بیشتر ان میں کانڈی محمد ورتیمہ کی
 دروازہ کے طرف و جنوب کے کھڑے، قصائی، کانڈی چوڑے، چھار، ہانڈی باز، پسوت

میں تو پہلے ہی فقیر ہوا تھا تھا مجھ کو کسی سے خسومت یا کبھی جتنی فقیر سے کسی و یا
رشتہ و حسد اور صلح ہوئی۔ دیت

کس نیاید خانہ درویش کہ خراج زمین و باغ بہ

میں تو اک گوشہ یزدی میں فقیر کا تکیہ بنائے ہوئے چار عورتوں کو ہمراہ سے
نہ لے نکھاروئی تھا تھا۔ میرے بچنے کا کوئی سہاگن نہ تھا بھو منجانب بد غیب سے
میرے کچھ میں گئی اور دن میں گھر بھڑکی۔ قند پر پا ہوا ہے تو معلوم ہو غیب خدرا درویش
ناخبر و میرے گھر میں تہائی منظور ہے۔ گنج تک سر تھیں پختانی کا نام چرتا تھا اب آئندہ
نامہ و شان پہ قلم معدوم ہونا ہوا ہے۔ یہ نمک و ام جو اپنے آقا سے محض ہے۔
یہاں آکر بناو پندیر ہو گئے ہیں۔ کوئی ان میں نہ ہو۔ جانتے ہیں سب یہ سب نامہ و شان سے
ہوئے تو میرا ساتھ کیا دیں گے۔ یہ بد معاش میرے چارے آگے تھے غارتھے۔ سب سے
جائے کے بعد خدیر وک میرا میری ویرانہ رات رات کے طے پانہ ساریں
گئے۔ اور تم لوگوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے اور اگر کوئی باقی رہ جائے تو ان ہاتھوں
میرے ہاتھوں کے تھروٹی کا کٹھ منہ میں ہوئے اور وہ منہ میں سے گھر اور جانے کے ہوتے ہیں۔
بند و وک یہ سمجھیں گے جیسے گاؤں کا کوئی آدمی ہوتا ہے۔ یہ جاندار، نینا، نیا، یہ کھل
میں، کھل ہوئے اس۔ پانچ چار روز کے بعد ایک روز چارے آگے آئے کہ حبان کے کھل میں
سے رات ہوئے ہو، پر سوار ہو کر سیم گڑھ تک کے درواہوں آتے تھے شاعر و میں جب
وہ منہ بہا و مر حوم کے باغچے کے برابر آئے تو میں ہوا کا پاپہ پڑے ہوا تھا کھٹے رش، ہو
۔ میں نے سنا ہے کہ گناہ گم بہت گھبراتا ہے اور ان کو بہت کرب و غصہ ہے، قتل سے اور
مست کرب زاری کرتی ہیں تو ان کے پاس جا اور جو مدیت کی جائے وہ کلمات حرف حرف ان
کے آواز میں آئے اور تجھے اس کے بھیجے ہوں کہ آگے چلے اس میں کھل میں پانہ
پائی ہے تجھ سے کچھ پردہ نہیں۔ تو پردہ کے برابر جا سب عرض کر چکو۔ میں نے دست بستہ
عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ تو منہ حضور فرماتے ہیں کہ اس قدر مصائب اور رنج و آہ اور
تکلیف ہیں یہ خاصان خدا سے کہے ہوئی ہیں انصاف نبیاء علیہم السلام اور یہ کہ
میشہ مصائب میں برقرار رہے ہیں مگر ان مصائب کا حال تو جناب ہمارے ہاتھوں سے
بارگاہت و رات کی ہے۔ مجاہد ہو گیا۔ ان کے مصائب پر انہیں کہ یہی یہی مسیتیں

انھانے پر صبر و شکر رہے۔ سوں زلایوں سے زیادہ تمھاری عزت و حرمت نہیں تمھان سے
مصائب یاد کر کے پتہ دل کو تسکین اور جو جو مصائب تکالیف وغیرہ گزریں اس میں صبر و
شکر رہو میں نے جب یہ کلمات سن بدشاہ کی زبانی سنے تو مجھے بے اختیار رقت طاری ہوئی
اور سواری محل میں پہنچی کر میں نوب آغا دنگھ صاحبہ صاحبہ حضوری حضور کے در دوست پر گیا۔
خواجہ سر کی معرفت عرض کرئی کہ خانہ زاد حسب ارشاد فیصل جید حضور پر نور حاضر ہوا
ہے اور چہ حضور سے ارشاد ہو ہے وہ گزارش کیا چاہتا ہے۔ شہزادی صاحبہ معظمہ نے محل
میں اور راکے اندر بلوایا اور پردہ کے اندر سے فرمایا کہ حلیہ بیان کرو کیا ارشاد ہوا ہے۔ میں
نے آپ کو یہ جو چہ ارشاد ہوا تھا حرف حرف بیان کیا۔ شہزادی صاحبہ نے بعد استماع
فرمایا۔ میری جانب سے تو چار باتیں تھیں عزت عرض کرنا کہ آج تک تو مجھے قتل و غصب
اور فساد و بربادی اور غیبت و بدکاری اور بربادی تو کبھی نہ ہوئی انتہاء میں حضور کی
مدایت سے یہ سب متواتر نہ ہو گا۔ میں نے وہیں آکر خواجہ سر کی معرفت سب کیفیت گزارش
کر رکھی۔ ان کے جواب میں ہے کہ جس وقت سواری واپس آئی تھی جب سواری کے اہل عام سے
آگے میں محبوب علی خاں نے کمرے سے نیچے پکی تھی تو خیمہ احسن اللہ خاں بھی ہوا اور
سب سے آگے آئے تھے۔ پائی چار پورے آئے اور خیمہ احسن اللہ خاں سے انہوں نے چمک نہا
خدا بچائے انہوں نے جواب دیا کہ ان میں سے ایک نے ہندو کا پایہ چڑھا کر چاہا کہ ہندو
جموں کے ایک خاص بدشاہی نے ہاتھ کی تھپکی دے کر ہندو کی ماں اوپر کو کر دی اور
بادشاہ نے ہو در پر سے ہاتھ بڑھا کر خیمہ کی کاسہ پڑے ہو دار آگے کر گیا اور ان تک
حرموں کو ہندو مناد کیا اس وقت دیوان عام میں سے کل افسر پوریوں کے دوز آئے
اور ہاتھ جوڑنے لگے، معذرت کرنے لگے۔ قصہ رفت و گذشت ہوا۔ اس طرح ہم لوگوں
نے اور ان بقیہ والے سے روز نکھر کر رہتی تھی۔ ایک دن کا اور ذکر ہے کہ صبح کا وقت تھا کہ
دن کے سات بجے ہیں۔ بادشاہ برآمد ہوئے اور دیوان خاص کے پچھلے در میں کرسی
بٹھامر بیٹھے ہیں۔ چہ تھوڑے سے آئی اس وقت موجود ہیں کرسی کے پیچھے دو خواص ہندو
موتے مور پھیل جھیل رہے ہیں۔ میرے بھائی آغا سلطان کرسی کے قریب کھڑے ہیں
ان کے برابر میں ہوں اور کوئی پائی چار آدمی ہیں۔ دیکھتا ہوں کہ ایک پوریا فریب انداز سے
قد و چوڑائی چھٹن برس کی عمر منہ پر ڈاڑھی گاڑھے کا کریمہ دھوئی بندھی ہوئی سر پر یک

گھوچھ پینا ہو چند صیگھی جاں کرج افسروں کی س سے نکلے میں پائی ہوئی منسوب حمام سے
 پتہ ترونی طرف سے ارہار میں آیا اور بادشاہ کو سلام کر کے پاس چلا آیا۔ میرے سامنے روکا
 بھی کہ ہیں ہیں کہاں چلے آتے ہو مگر وہ کب سنتا تھا پاس آکر بادشاہ کو چڑھ کر بیٹھنے کا۔ سنو
 ہو جو ہم نے تمہیں ہاسا کیا۔ یہ بات سن کر مجھے تاب نہ رہی اور میرے غصہ کا پٹ 2 "ریک
 ہاتھ زور سے اس کے سینہ پر رکھ کر دھکا دیا اور کہا کہ اب دب ب تمہیں بادشاہوں کے دربار
 میں اس طرح گستاخی کرتے ہیں وہ اس دھکا دینے سے دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا اور کرتے
 مگرتے سنبھل اور اس نے تھوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالے۔ میں نے بھی تھوار کھینچی جس وقت اس
 نے قبضہ پر ہاتھ ڈالا ہے تو میری بربریک سید کاڑ کا نجف گڑھ کار بنے وہ میری ہی ہمارے
 ہو گا وہ انگریزی رسالہ میں کوئی عمدہ وار تھا۔ میری بربر سے بڑھ کر اس نے اس کا گلہ اس زور
 سے دیا چاکہ قریب تھا اس کی ٹانگیں نکل پڑیں۔ اسے دو گولوں نے مجھے روک لیا میری تھوار
 آگئی کھینچی پائی تھی کہ لوگوں نے ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں ہیں اچانے دو"۔ بادشاہ نے اشارہ کیا
 پیچھے کر کے آجا۔ لوگوں نے اسے اٹھائے دے کر دیوان خاص کے سامنے لے گیا اور بادشاہ نے
 خفا ہو کر مغلظات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں رو اور خواجہ صاحب
 کو چلے چلو۔ قلعہ کو چھوڑ دو اور خود سوار ہو کر جاؤ۔ اور اذیت آتی تھی کہ اتنے میں
 سب فسر جمع ہو کر دوڑ آئے اور بادشاہ کی سواری روکنے۔ منت کا منت نہ کر کے۔ بریاں
 میں ڈال کر ہر چند بادشاہ نے چاہا کہ قلعہ سے چلے جائیں مگر وہ کب جانے دیتے تھے روک لیا ہو
 دروٹا کر تسبیح خانے کو لے گئے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بدانت جرنیل خانت حال میں ہے پیچھے
 حال کھلا کہ وہ بریلی والا جرنیل ہی تھا ظاہر اتوس کا پاس شخص احمد علی کا تھا۔ میں تو کبھی تھا
 جیسے اور پارے سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی نہ کا۔ قلعہ محکمہ جب سے وہ فوج سے رشتہ میں
 دارا ہوا تھا روز کی ٹرائی منہ ہو گئی تھی جیسے فوج پیسے بھیجے ہوتے ہیں میدان داری و تیار ہو کر
 ٹرنے کو چلی جاتی تھی وہ موقوف ہو گئی تھی۔ اس نے کر یہ بات ترک کرادی تھی اس نے
 کوئی در تیر سوچی تھی غرض کہ جس روز تک لائی اندر رہی مگر شہر پر گولہ باری بدستور تھی
 شبانہ روز گولہ برستا تھا اس موقع پر ایک اور بات یاد رہی ضروری ہے اور وہ جو پانچ سو ایتنی
 تھے وہ سب سے زیادہ جہد باز تھے اور وہ زیادہ فوج کو درخاستے تھے اور ترغیب دلا کر جنگ میں
 لے جایا کرتے تھے اور آگے فوج کے آپ ہوتے تھے اور یہ موقع پر لے جا کر حملہ کر دیتے

سب تعلق ان سے بارہبے سے نہیں آبادی فوج نے شہر ولی فوج سے کہا کہ ہا میو مارا شیر
رہنما سے تا مات یہاں وہ کہ غنیم کر چھپ مار جائے اور تمنا فیل ہو جاوے۔ نہ نہ تھوڑے
جوب یہاں قسپانی ہو ہم سپانی نہیں۔ غرض یہ قاہاں سے رخصت ہوئے۔ مرنوں نے
مورپہ نبھوں یا ب ن ن کیفیت سے کہ انہوں نے نقش خندہ اور ہفت کر کو دیا تھا اس سے
پاس ٹھیوں سے ذخیرہ تھے وودن بھر بھگتس پیتے تھی اور قد قد پڑے مذور سے تھے وہ جو
وہاں پہنچے لوں لوں تو ہوشیار رہے جب بھر رات آئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو وہ پہلے ہی ہڑی
کے ٹھوڑوں پر سوتھے، ٹھنڈی ہوا کے جھوٹے ن پر ورتا زینہ ہو گئے اور طرہ طرہوں کے
مورمہ جیسے اٹھنے گئے ہا پین ٹک سے پر سوار ہو اور وادی مدد کو تیار ہو گئے درہندہ قوں
سے ورت نکاردھو تیاں نکھنچ کر ستر مرگ پر درار ہو گئے۔ دوہ

بھٹک کی بیجے جیسے نچوڑی کچھ گھر کے جائیں مر گئے اور آپ نشہ کے پچ

اب یہ فوجیوں نے فوج میں پڑے ہوئے خزانے سے رہے ہیں اور اچھے بھگت
جائزہ فوجی فوج کے جرنیل کو خبر دی کہ اس وقت باغی وگ سب سے خرابے سات
ہیں۔ مورپہ سنا پا رہے یہ وقت شہنشاہ مارنے کا ہے۔ وہاں سے فوجی اور چٹھیس
ورہیوں نے اور یہ چٹھیس ٹوٹی اور یہ چٹھیس وروے کر گئے پاؤں پہاڑی پر سے اترے اور
آتے آتے اسے پاؤں آریئے تو یہ قیس بھی میں پھر تا پوں پر قبضہ کر کے ان خفتہ تھوڑوں
میدر یا اور منشا من یہاں کہ نکھو بھنی دیندار وورے وگ آئے ایک جو آکھیں ملکا ہو۔
نور گئے نے کھجور کی مار رہا اور اویاں کھجور کی ورتور چٹھیس شروع ہوئی۔ ایک غل ماہو کا بند
تھا۔ جتنے مارے مارے گئے۔ باقی بدھو س بھگت ر شہر کی جانب روئے ہوئے۔ وہاں
یقینیت تھی کہ وہ ہونیم آبادی چٹھیس پہرہ مدد کرن اجل رسیدگان سے کی تھیں نظر
حقیراہ شہر میں داخل ہوئی تھیں کہ شب وادوارہ شہر کھوٹا مناسب نہیں۔ وہ شہر کی
ورازہ کے نام متصل کی چائی پر سب مینے ہوئے کریں سیدھے کرتے تھے اور یہ بھی
نامے ن سے پاس پہنچے نسوں نے ان کو حنت ودمت کے بعد کہا کہ تم ہمارے پیچھے جاو اور
ہدایتیں بھر کر خاموش بیٹ گئے اسی اثا میں انگریزی فوج ان کا پیچھا دے ہوئے کچھ کی کن
کے ساتھ ہی ورا زہ کی رہ سے شہر میں داخل ہو جانا چاہئے یہ بے خبر سنگینیں ہاندھے چلے
آتے تھے۔ سب یہ بد وقت کی را پر آئی کچھ تو ایک بار انہوں نے بازہ مار دی اور شہر کی درہ

تک پہنچی۔ بارہ روز وازو بند تھا اور ہڈی کھلی ہوئی تھی۔ اس وقت ایک تماشا اور نظر آیا۔
 جب میں ہڈی سے پانس پہنچی، دونوں تراساٹنے کو توانی سے آگے سے ایک ہندو قوت کی بازو مجھ پر
 پڑی اور گولیاں سرسبز گولیاں کے پتھروں پر پختہ ہیں جس طرح زمین پر "سے رست ہیں
 میں نے سامنے دیکھا تو انگریزی فوج کا ایک بزن و توانی سے آگے موجود تھا۔ میرے
 ہمر ہیوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے گونگی ہے میں نے کہا کہ آؤ چلے آؤ۔
 چل کر دیکھیں گے اور جلدی سے ہڈی میں داخل ہو کر اس شخص کو کھینچ کر ہڈی کے اندر
 سے یا۔ سب ہمراہی جب اندر آگئے تو ہڈی کی ہڈی کر دی اور قدم اٹھا کر گھر کا راستہ لیا اور بھاگ
 کر گھر پر پہنچی۔ وہاں جا کر اس سے دریافت کیا کہ تیرے گولی کہاں لگی ہے۔ اس نے جواب دیا
 کہ شکم میں اور اپنی سر کھولی تو کھٹ سے گولی تخت پر گر گئی اس کو نڈھ کر دیکھا تو بھی در پیچھے سے
 خالی چھ بیاں کی صورت کی تھی۔ اس شخص کے گلے میں ایک چار نکل سب چوڑا چڑھا تھا
 چڑے نو جدی نیچے کا موم جامہ پھونکا اور آغویڈ کے کاغذ پر جا کر رک گئی۔ اس کے پینٹ پر
 ہشت بھر چوڑا پکلا گول سرخ نشان پڑ گیا تھا اب میں اپنے دیوان خانہ کے اندر اس قدر میں
 مشغول تھا ہوں کہ تو نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انگریزوں کی فوج شہر میں داخل ہو گئی اور
 پورے شہر میں سے بھاگ گئے سب سپاہ گریزی گروں میں سر کر قتل واقع کرے گی۔ قضا
 آپہنچی دیکھئے کیا ہوتا ہے مگر میں نے ابھی گھر میں اپنی دندہ سے یہ خبر بیان نہیں کی کہ
 والے مضطرب ہوں گے۔ بیٹھا ہوا اللہ اللہ کر رہا ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹی کا عرصہ گزرا ہے
 کہ یکایک توپ کی صد میرے کان میں آئی و اتنی قریب معلوم ہوئی تو اس محلہ میں چل
 رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور آواز آئی۔ جب تو مجھے حیرت ہوئی کہ مجھے میں توپ
 کہاں سے آگئی پھر میں وہ تین تینوں کو ہر دے رگھر سے باہر نکال مجھے میں جو شاہراہ تھی
 وہاں پہنچی تو دیکھا کہ آرمیوں کی آمد و رفت برابر ہے آنے جانے والوں سے پوچھا کہ بھئی کیا
 ہوا۔ انگریزی فوج کہاں گئی نسوں سے بیان کیا کہ بوگوں نے ان کو مار کر تھکادیا اور شہر میں بلوہ
 ہو گیا پھر میں وہاں سے پارٹی کے بار میں جا پہنچی تو دیکھا واقعی ہزاروں آدمی۔ انھیں پڑھانکا
 قبور۔ گنڈا سا وغیرہ لئے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں۔ غرضکہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر
 کلیوں کے بازو میں پہنچی۔ تو وہاں عجیب تماشا نظر آیا۔ شوں کا ایک ایسا نبار تھا جیسے لکڑیوں کی
 ٹانگی ہوئی ہے اور یہ وہ موقع ہے جہاں ایک بار مجھے ایک مست درویش مجذوب نے نشان

ابھی کی تھی کہ اس جگہ شست و خون ہوگا اور چار مہینے پہلے زمانہ غدر سے ان پر رگڑنے یہ فیشن
 گون کی تھی۔ اب سنیے میں وہاں سے آگے بڑھا تو چند قدم پر اور شیش پڑی ہوئی نظر آئیں۔
 بازار کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ ماجر کیونکر ہوا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک بزن
 ٹریری فوج کا مسجد کی میز میوں تک آپہنچا تھا اور چھوٹے فوج کے رعایا کے گھروں میں گھس
 کر روٹ مار کرنے لگے اور فوجیوں نے یہ چاہا کہ جامع مسجد میں داخل ہو جائیں مسجد میں جو
 مسلمان مسافر جمع تھے انہوں نے دیکھا کہ اب یہ خدا کے گھر میں ترشست و خون کریں
 گئے۔ آواز تو یہ ہے کہ مسجد سے نیچے تران سے سمجھ میں یہ کہ اروہ مسجد کے دروازہ سے
 مارنگل ریڑھیوں پر سے ترے لگے۔ فوجیوں نے ن پر بند و قیں رہیں۔ ٹریریوں نے
 رہے اور سامنے چلے اور ہاتھ بٹ مغبوبہ دست بدست ہونے لگی۔ ایک نل شور مچا اور
 ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے کڑیاں چنگ کی پٹیاں تھوڑیں سے سے دروازہ پر اب اس
 میں سے چھوڑے گئے جن کی شیشیں موجوا ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے شہر و چلے گئے۔ میں یہ
 تماشا دیکھتا ہوں کہ درجے میں ہو کر خولی دروازہ سے نکل کر کو توالی کے آگے پہنچا میں
 جامع مسجد سے باہر و توالی تک شیشیں پر پڑی دیکھیں اور جس جا سے کہ پتہ بھر
 بد و قوں کی باز پڑی تھی لی۔ شیشیں وہاں بھی نظر آئیں اور ایک نین کی تیلیں رب ن و قوں
 کے حوش کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے درجے سے پھانک پر
 پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ چپقل کے چڑ کے نیچے ایک توپ کھڑی ہوئی ہے اور کوئی گولہ
 ندر اور غیر وہاں نہیں اس وقت مجھ کو یقین ہوا کہ یہ توپ وہی ہے جس کی صدا تیرے کان
 میں پہنچی تھی حسب تحقیق واضح ہوا کہ چھ آدمی اس توپ کو۔ ہوری دروازہ سے کھینچ کر
 لے اور یہاں قائم کر کے انہوں نے انگریزی فوج پر ترس مارا۔ اس سے فوج انگریزی
 جو کو توالی کے آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا۔ کچھ آدمی زخمی ہوئے اور کچھ ہلاک جب اس
 راب ہارے اور اس سے زیادہ نفوس تلف ہونے سے قوت و قوں کے پاؤں کھڑے ہوئے اور
 اس شہر کی دروازہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو چند
 درجے میں ہونا پر اپنے مکان کو چڑ آیا۔ سنا جاتا ہے کہ پل والے لوگوں نے شہر کی دروازہ
 تیرنی میں جا کر پناہ لی۔ شہر تک مرمان بلوانی تمام شہر میں ہر جگہ علی خاں کی توکی تک
 پہنچ گئے تھے۔ آگے فوج انگریزی نے توپیں کھڑی تھیں یہ جن کے پاس توپ یہاں تک

میں شہر سے خلقت کا بے سرو سامان وہ جانا پہلا نشینوں کا بار مریں
 وہ چاک چاک گریباں گائے تادا ہاں وہ درو گیم سپو شہر و باریں
 دروازہ دست تھاں تھو شعروں کا
 قلب و یاس سے سکا جھٹکے ماروں کا
 بکتے شہر سے میں پہلے نہیں سکتے ہر چہرے کے چیتے ہیں بچل نہیں سکتے
 زور شکل و بہ میں میں نہیں سکتے قدم قدم پہ ہے غواش منہمیں نہیں سکتے
 مند موت سے کیا بند بند بخت سے ہیں
 زمین شہر سے اب سے پاؤں پر سے ہیں

غرض کہ اس وقت خلقت کا اضطراب و زلزلہ پانی پر مانی،
 مقتدرت پر وہ نشین بسوں کے مگر پھر بھی یہ قدم ہمارے نہیں رہا تھاں تا جب اس
 دیوار منہ بھنا و پتوں و دلوں کا شور و غبر سے چال پھٹنے سے عیت سے اس کے
 جاتے تھے جس شخص و شہر کے وہ معرکہ زور ہے پھر وہی خوب جانتا ہے
 یہ وہاں ہے کہ اس فتنے سے سب ہر جا ہاتھ پرانی سے ٹپٹن تا وہاں
 وہاں میں آسوا گن خاک ہوئے نہیں تھی ساتھ یہاں سے چاک ہوئے
 نہ روز حشر سے مگر قحطی عذاب و صدمت
 خدا ہوا ہے یہ اس کتاب و صورت

شہر خالی ہوئے مگر جس شہر وہاں شہر قلعے کے شہر مریوں کے
 مقبرہ پہنچے ہیں چار گز نی۔ سے گئے نواب حامد علی خاں صاحب کا آئی میرے وہاں سے پاس یا
 "اس نے آکر کہا کہ آپ گھر میں کیا بے فکر بیٹھے ہیں، تاہو قلعہ سے سارے لوگ و ریت
 سب نکل رہے تھے۔ خدا کے لئے پھر زو کھر ہار کوہ و ہاں چوں کوئے کر شہر کے نکو، اچھے
 نہیں رہے تھے، اب وہاں میں قباب اہل و عیال کو بھرا ہے کہ اس کے شہر میں
 میرے وہاں مریوں کے مگر قحطی عذاب و صدمت سے وہاں نواب حامد علی خاں صاحب کا
 وہاں تھیں وہاں کے قحطی تھی۔ مگر وہاں میں مہینہ بیٹھتا رہا کہ مجھ میں یہ مکان یہاں
 سے رہے تھے۔ غرض اس گھر ابٹ اور اضطراب میں جو ہاں کہ اس قحطی سے وہاں
 تھیں وہاں پہنچے وہاں کے قحطی سے وہاں کے مہینہ وہاں کے قحطی میں

کمر میں سے ایک چھمک تک نہ ہوا۔ اتنا میری اہل خانہ نے یہ کام کر رکھا تھا کہ اپنے جینے کے جوڑے جو قریب ڈیڑھ ہزار روپے کی قیمت کے ہوں گے اور زیور کی چھوٹی سی پٹاری طرہ اس کے سوا ہوتے وقت اپنے پاس رکھ لی۔ اس کی صورت یہ کی تھی کہ ایک تو شکر کی کراس میں ہر ایک کے ایک ٹکڑیہ کی یا تھا جس میں دو ہاں تھا وہ ہر تھ میں تو شکر بچھادی درنگیہ رکھ دیا۔ غرضیکہ میں اور میرے والد اور میری والدہ اور میرے سب چھوٹے بہن بھائی اور نواب حامد علی خاں کی سب زبانی سواریاں سوار ہو کر نیا محل میرے سرال میں پہنچے اور وہاں جا کر میری والدہ نے اپنے منہ سے اتنی بڑی تنگم صاحبہ جاگیا اور مداخلات صدر پورہ کیس پورے سے جا کر نواب حامد علی خاں صاحب نے میری والدہ نے کہا تنگم صاحبہ تنگھی کیا ہو جلد ہی سوار ہو کر اپنے گھر سے نکلو۔ یہ بات سب میں پہنچنے کا نہیں ہے۔ ہم تم کو سوار کرانے کو آئے ہیں غرضیکہ وہ بھی رضی ہو گئی اور میں نے اس میں سے نواب میر مرزا خاں صاحب نے بتائیں کہ یہ خدا کے واسطے آپ ہرے ساتھ نکل چلے ہر حال کی وقت سواریوں کا بندہ راستے سے قریب ایک ہزار سے میری خوشدامن اور سب ہاں پہنچا سوار ہو کر نیا محل سے چھانک پر پہنچے میرے خسر کی گواہ میں میر چھوٹا سا کاظم مرزا تھا میں اور وہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر وہاں تھیں نہ تھیں نہ محل کے روزہ میں پہنچے۔ ایک ملے ناگہانی کا سامنا ہو گیا۔ میں نے اس میں روزہ سے پہلو کی چوں پر کلونائی یک دیوانی مجذوبہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بد بخت نے جو میرے خسر کی شکل دیکھی تو یکایک گھبرا کر بہ آواز بلند پکارا اٹھی کہ جی میاں میر مرزا تم کہاں جاتے ہو۔ تمہارے واسطے تو خدا کا حکم نہیں ہے تم کیا بھول گئے۔ وہاں اس کے منہ سے تو یہ بات نکلی تھی اور یہاں امیر میرزا صاحب کے قدم زمین نے پڑتے اور کھوے گئے۔ بلا شکر مجھ سے ہوا۔ اسی وقت گاڑی بان کو خبر ہوا کہ سواریاں گھر کو واپس سے چل رہی ہیں۔ چند میں سے قدموں پر سر رکھا اور سب ہمراہیوں نے فحش کیں مگر ایک نے نہ سنی سب نے سمجھایا کہ خدا کے لئے اس بچہ کی آدمی کے کنبے پر رحم کرو اور ساتھ چلے چلو وہ یہی فرمانے لگے کہ حکم خدا نہیں ہے۔ اس وقت اور ایک غضب یہ ہوا کہ میاں ناصر الدین صاحب ان کے چھوٹے خاں زاد بھائی پہنچے انہوں نے جا کر کہا کہ بھائی صاحب ان کے چلے۔ چلو میرے گھر میں جو تین درہمیں عورتیں چھپی ہوئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ وہ کیوں جاتے ہیں۔ ان کو کیا خوف و خطر ہے۔ ہم انگریزوں سے نہ شکر تمہارے گھر کو پہنچیں گے۔ یہ اور ان کو تقویت ہو گئی اور

مجھ سے نہ کہہ دینا تم جاؤ میرا قدم آگے نہیں نکلتا۔ غرضکہ مجبور میں تو اپنے یہاں کی ساریوں کو بے کردار نہ ہو درود معہ اہل وعیال صحر کو واپس چلے گئے میں نے اپنی ماں بہنوں اور نواب حادر علی خان صاحب کے قبائل کو دہلی دروازہ اپنی حقیقی مانی کے مکان پر پہنچایا اس وقت رات کے دو بج چکے تھے وہاں درکنبد وے بھی جمع تھے۔ خیر مومن علی خان صاحب کی حویلی میں دو سوزن و مرد فراہم تھے۔

غرضکہ صبح ہوئی اور شہر سے نکلتے کی تیاری ہونی تو میری بی بی میرے سر پر کئی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کے ہمراہ واپس چلی گئی تھیں۔ میں نے اپ چھوٹے بھائی امیر احمد، بیٹا اور سہو بھتیجا کے ساتھ آپ کو میرے ساتھ کرنا ہے قادیان کے ساتھ رات بیکہ جو میرے پاس ہیں۔ یہ بی بی کا خاص اور کر اپنے سرور نصیب تو فی ماں مدد مجھ سے بے علم تھیں ان مندرجات سمجھتے۔ یہ بات میرے بھائی نے جا کر میرے خسر کے بیان کی انہوں نے سنتے ہی میرے سر پر حمل کیا۔ یہ سب کی ناموس ہے اسے اختیار ہے جہاں چاہے جائے۔ اور پتہ واسطہ نہیں۔ یہ چند مستورات منع کرتی رہیں۔ مگر میرے بھائی میری بی بی و ان میں سوار ہو کر اپنے گیارہ اب وہاں سے سب کے سب سوار اور پیدل مستورات اور پتہ نقل میں درود معہ ہوئے تو اس وقت دلی دروازہ کا میدان صحرائے قیامت تھا۔ ہزاروں پادشاہ نشین سوار تھے اور ننھے ننھے بچے اور بوڑھے اور جوان مرد ہوش و حواس ہارختہ شہر سے نکلتے چلے آتے تھے۔ یہ وہ ہوش پردے کا نہ تھا۔ بہت سی ٹیک ٹیکیں قطع اپنا رجو پہن کر ہر پر تھا دروازے سے ہوئے رہنے پا چلی جاتی تھیں۔

گلوں سے جسوں پہ کمر دنی کی چھائی تھی وہ مد سے چروں پہ گویا چھنی ہوئی تھی غضب وہ پردہ نشینوں کی بے روائی تھی غرضکہ آئے سے پہلے قیامت کی تھی

میان تیجے نصیبوں کی کیا برنی کا

وہ دشت اور وہ پھرنا برہنہ پائی کا

غرضکہ ہر ار منہیبت و مشقت قیاس و خیال سے زور دو ساتین ساتھیوں کا قافلہ فاف خانے میں پہنچی۔ نواب حادر علی خان صاحب نے تمام برف خانہ کو ہاٹان مکان سے لے کر یہ پرکے رکھا تھا۔ شب کو بے آب و نہ سب سے ساری۔ صبح کو قدر ہو کے آب و نہ کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنی بی بی سے پوچھا کہ چھوڑ دو روغیہ وہاں اپنے ساتھ لے گئی ہو۔ انہوں نے

جو سب ایک سو کے خدا کے نام سے چھ پانس نہیں جو چھ پارچے وزیر گھر سے بھر اواسے ر
پتی دانی کے گھر میں سے ر آئی تھی اسے ویجو کر میری دانی صاحبہ نے فرمایا تھری احمق
یہ قوف رُکے یہ کیا غضب کرتی ہے یہ مال اسباب جان کا دشمن ہے۔ شہر کے باہر نکلی دو
ٹپے سے وٹ میں گئے۔ تیرا خوند ہار جائے گا۔ پھینک س کو۔ "جان کا صدقہاں"۔ یہ سہ
رستوں کے میرے سامنے کوئے ایک مکان محفوظ میں جہاں پانچ چار گھروں پر اور سامان
اور دیو وغیرہ اپنے گھر چار کی میری کار کا رہا ہوا تھا۔ اور فی الحقیقت وہ جائے ایسی تھی
جہاں بغیر رازدار کے کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

جب یہ بات میں نے سنی تو مجھے نہایت یاس اور فکر ہوا اب یہاں ہے۔ ما پنے
سکتے یہ بات دنیاں میں آتی اور میں نے سہ وادوں سے سارے تہ جلدی روا میں بند است
تہاں۔ یہ وہ میں برف خانہ سے نکل رہا نہ ہوا اور جھپن دو جیسے نی اور وہ
تہ میں اگلے سب مٹاں پر پانچ اور چھہ کھڑے ہو تھے۔ میں نے پتہ نو پنے
شہر کے پاس اس کے بہت چوڑے تھے اس سے پھر اوتارے لوہے پاؤں کے سر لوج سے
"ہر پنے کے پاؤں کے دامن نوچے گئے۔ مگر پتے کے خوباتی رہ گئے۔ وہ گھر ہٹ میں اگلے نہ
تے۔ تہاں تھی اس کے چاروں چوٹیں جن کی چاندی میں گھڑی ہوئی تھی نہ اگلے ہیں۔
من میں جو جوان ہو چکے وہ چاندی کے قریب نوچے چادرے میں باندھی پھر وٹ میں
میں اگلے ہو تو قریب کھڑی جس میں پانچ چار دوشاں اور دوشاں رومال اور دو ٹرے کھے بات
سے نہروں رہتے تھے کھڑے پڑی وہ گھڑی بغل میں ماری اور وہ چاندی کمر سے باندھ کر کمر
سے نکلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ میرے ایک عزیز نامیہ اور ان کی زوجہ اور ایک عورت ڈیوڑھی میں
بھڑکی تھیں۔ میں نے سناپ کہاں "وہ میں تو تمہاری پناہ لینے آیا ہوں تم کہاں چلے۔ میں
نے صاحب بیٹن یہاں سناپ بھی چلے۔ انہوں نے عذر کیا کہ میں نامیہ ہوں کہاں جاؤں گا۔
مجھے تو نہیں رہنے دو۔ غرضکہ میں نے ان کو سب سامان کھانے پینے کا بتا دیا کہ آپ کو دو تین
وہ سے کافی ہے اور وہ گھڑی سے رگم سے نکلا۔ جب محلہ کے ترے پر پہنچا تو اس وقت
یہ تو ٹھہری کا جہم معلوم ہو۔ دوسرے خیاں آیا یہ ٹھہری تجھ کو برف خانے تک کے روت
تھیں اے گا۔ راستہ میں یہ بھی مٹ جائے گی اور اس کے ساتھ چاندی بھی۔ کیونکہ ان دونوں
جو رہنے اس اور غار میں آجوں کا یہ رہ رہا تھا کہ شہر کے باہر قدم رکھا اور ٹپے میں رہا۔

اور سٹڈ سول کے گرد دیا اور جو بچہ پاس ہو وہ چھین بیٹھے کہ بدن کے پائے تک اوہا رہا۔ چھوڑتے تھے۔ جی میں آئی کہ سے واپس گھر میں پھینکتا چل کہ سامنے سے ایک دوست جو بری کلوں کہ سی جا کہ باشندے تھے دھائی دے میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ تمہارے گھر کے جاؤ۔ اگر بوٹہ ہر سے بچ جائیں گے تو میں سے ہوں گا ورنہ جوتی کے صدقے سے۔ انہوں نے بہت عذر کیا کہ میں نہیں بیتا مگر میں اس سے ساتھ قدم بڑھائے ہوئے اجماعی اور زور پر پہنچا۔ اس وقت تک خلقت شہ کی نکل رہی تھی اور تمام پہاڑی اور بچے شگہ بے وغیرہ میں دن اور رات ہنگاموں سے پناہ دیتے تھے غرض کہ میں کافی تمام راتوں میں پہنچا اور وہ چاندی اپنے مکان میں سے جا کر آئی اور نہیں تو چاندی سے پہاڑی سے یہ ٹیپ کی وہاں پر پہنچا اور اس سے کہا کہ مجھے سامان تو اس سے اس نے سہارا دیا۔ غرض ہر وہ آئے کو دے کر چار آنے کے پیسے نقد دیا اور باقی کچھ دوی کر پٹے دوا کی داری کے برتن دیا اور پانی میرا بھائی کوئیں پر سے ہر دیا کہ وہ پھڑکی پکی اور سب نے حاکم۔ روز تک روزانہ شہ سے کھیلے تھے اکٹھے اور روز شہ سے سب دروازے بند ہوئے جو بوٹ شہ سے نکلے تھے وہ باہر رہ گئے اور اندر وہ اندر۔ اور اکاد کا بد وقت کی آواز آئی۔ اب مجھ کو فکر دینا ہو کہ میرے خسر اور ان کے تمام مال بچے اور میری سکن اور سہانی اور عزیز و قارب سب شہ کے اندر رہ گئے ہیں نہیں معلوم ان پر کیا مصیبت گزری ہوگی۔ نیچے وہ دن رات تو گزری۔

باغی فوج بھی چلی گئی۔ اب دوسرے روز کی حقیقت سنئے کہ دو جو فوج ہامیہ بیرون شہ فدادہ تھی انہوں نے نو بجے دن کے پہلے تو اپنا میگزین اڑایا اور بین سورج گمن میں ہڈاؤں اور گھاروہاں سے کوچ کیا اور شاعرانہ میں فسران فوج مل کر بادشاہ کے پاس گئے کہ حضور ہمارے ساتھ تشریف لے چکے۔ یہاں لڑائی ہو گئی ہے۔ دوسری جائے چل کر قبضہ کر کے لڑیں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں چلتا۔ تو میرا گھر برباد کرنا تھا اور میری رعیت کو تباہ کرنا تھا۔ چلے۔ جو چھ میری تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو اور جو بد نہ ہو۔ ہے اور نہ کا جاو جس تمہارے سینک کا۔ مچھہ انہوں نے ہر گھبراہٹ دینے سے ساتھ نہ دیا اور وہ کوچ کر گئے۔

بادشاہ کو حراست میں لے لیا گیا۔

ایک دن بعد دل دروازہ کھل کر سائدرس صاحب نے بیان کیا کہ حضور کے اقبال سے فوج باغیہ نمک حرم کو شہر میں سے خارج کر دیا گیا اور وہ نمک حرام اپنی مزار کے پاس پہنچے۔ شہر خان مزار ہے۔ حضور تشریف لے چلیں کہ رعیت بادشاہ کو فریاد کیا کہ میں شہر میں چل کر کیا کروں گا۔ شہر سے مجھے یہ مطلب۔ اپنے دار کے مزار پر پڑا ہوں۔ میں میں بھڑ بنے۔ جو سوک تم کو میرے ساتھ کرنا سے وہ نہیں چور اردو۔ وہاں سے جا کر میں میری بیوی کے ساتھ رہتا ہوں۔ میں تمہارے رواد سے لگاؤ ہوں۔ انہوں نے رجب علی خان سے آپ یہاں لائیں۔ انہوں نے تشریف لے چلیں اور شہر صاحب کو باریک بینی سے دیکھی تشریف لے چلیں۔ غرض اس وقت کا پیش کیا جاسکتا تھا۔ ناچار تنہا رہا تھا۔

۱۰۔ ارطغرل صمدی سید رجب علی خان ہمارے جگروں (صنع و احیاء) کے مالک تھے۔ اور ان کے یہ غرض تھے۔ پنشن پار جگر اول میں خانہ نشین ہو گئے وہاں ان کی جائیداد تھی۔ اس کتاب خانہ تھانہ میں ان کی قلمی کتابیں تھیں خود بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان بات میں ان کے مہارت رہتے تھے۔ ان کے چچا صمدی سید رجب علی خان کے ایک صاحب تھے۔ ان میں ان کی ایک بیوی تھی جس کے شوہر سید جہاں نسیم چندی میں رہتے تھے اور ان کے بیٹے میں رہتے تھے۔ سید رجب علی خان کے یہاں اٹھایا کرتے تھے۔ میرے نام حرم نے سید رجب علی سے علی پڑھی تھی۔ غدر کے کٹ وقت ان کی رہائی روایت کیا کرتے تھے۔ ان وقت کی حرم میرے نام حرم سید رجب علی کی رہائی روایت کرتے تھے۔ یہ نظر کتاب کے تصدیق ہوتی ہے۔ مقبرہ وہاں کے واقعہ کے بعد مسلمانوں کو سید رجب علی خان کے نام سے عقیقت میں ہوتی تھی۔ تاہم سید رجب علی کے توفیق و کائنات کے لئے پڑا ہوا تھا۔ یہ سید وہاں کی تھی۔ مگر انہوں نے جیسا کہ اسی کتاب سے ثابت ہے کہ وہ مصنف کتاب کے توفیق و کائنات کے لئے پڑا ہوا تھا۔ اور وہ جگروں کے لئے اور ان سے پہلے کتاب خانہ میں کتاب کے لئے ۱۰۰۰ میں تھیں۔ حرم نے بھی پہلے کئی جگروں میں انہیں لے یہاں بندوں تھے۔ سید رجب علی کے خاندان میں بھی وادنی وقت میں رہا۔ مجھے بھی ان کے خاندان سے

۱۰۔ کے ساتھ تھے، (غیر)

[illegible]

تیموری شاہزادوں کا قتل۔ المختصر جب بادشاہ کو شہر میں لے گئے ہیں اور رعیت سے ہتھیار طلب کر رہے ہیں اس نے دوسرے روز سناؤداس صاحب جمعیت سوارن سہو سے لرنگم مدین میں پہنچے اور میرزا علی بخش شاہزادے کی نشان دہانی سے تیس شاہزادگان کو پکڑ لیا۔ ان میں بادشاہ کے بیٹے۔ پوتے۔ نوٹے اور ہاتھی گرفتار کر کے دریائے اردو، دہلی کی طرف قتل کر کے مار ڈالا۔ شاہزادے پکڑے گئے۔ ان کے ساتھ میرزا

نہیں کشن قبوں پاہاں ہوئے گل ریاضِ خدشت ہو میں دل ہوئے
 یہ یاہاں ہوئے اور یہاں ہوئے کہیں نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے
 جو عطر گل و نہ سے تھے، مٹی میں
 جو فتن گل پہ نہ پیتے تھے، مٹی میں

۱۔ نومبر ۱۹۵۷ء میں بادشاہ پر مقدمہ چارے کی تیاری شروع ہوئی۔ میجر ہیٹ نے الزامات کی فہرست تیار کی اور سر جان رینس مختلف گورنر و جج نے دہلی ۱۹۵۱ء تک صوبہ پنجاب میں شامل تھی (بادشاہ کا مقدمہ کمیشن کے روبرو پیش کرنے کے حکام صادر کئے۔ جن کی تصدیق حکومت سند نے بھی کر دی۔ کمیشن کے چار ارکان تھے۔ میجر پاسر۔ میجر ریمینڈ۔ میجر سہریز اور کمیشن رٹھن۔ مقدمہ کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے لیے تو متعدد کتاب کی ضرورت ہے یہاں صرف اس قدر بیان کرتا ہوں کہ بادشاہ پر چار نامہ لکے گئے تھے جو یہ ہیں۔

(۱) سندھ میں گمریری حکومت کا پیش کردہ ہونے کے باوجود اس نے اس کی واپس لے کر ۱۹۵۷ء کے درمیان مختلف اوقات میں محمد علی جناح صوبہ قراچہ و فوج خانہ دیر نظر کتاب میں لے کر نکل کر ملک چلا گیا اور وہاں کے افسروں اور سپاہیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں مدد پانے پر آمادہ اور حکومت کے خلاف جرات کرنے کے لیے ان کی امداد اور حوصلہ دیا۔

(۲) سپینٹینہ مر مغل اور اہلی و سرحد کے باشندوں کو بھی جرات پر آمادہ کیا۔

(۳) حکومت انگلشیہ کی رعایا ہونے کے باوجود ان کے علاقوں میں سندھو تان کا بادشاہ ہوں

اور اہلی شہر پر چار طور پر قبضہ کر لیا اور اپنے سپینٹینہ مر مغل ایک اور صوبہ قراچہ خانے کے انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی۔

(۴) قلعہ اہلی کی حدود میں ۴۹ یورپی عورتوں و بچوں کو قتل کر دیا۔ مقامی راجوں اور

مہاراجوں کو بھی ہدایت دی کہ یورپی اور مسیحی دونوں کو قتل کیا جائے۔ یہ کار خیز ہے۔

نتیجہ کے ان الزامات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے رہائی اور دستاویزی ثبوت پیش ہے۔

جن کی تفصیل کافی طوالت نظر انداز کرتا ہوں بادشاہ نے پٹی صفائی میں چار گوند خدیم عباس حیدر اسمن مہا کمیشن فورسٹ ناٹب مستند قراچہ خانہ اور کمیشن ڈوگلز کے ایک اردن مسکی فاضل کو پیش کر دیا۔ ان چاروں اصحاب کی شہادتوں کے سبب وجہ سے کوئی ظاہر ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہاں وہ حسد و عداوت نہ پیدا ہو
کہاں وہ دُشمنی نہ پیدا ہو

کہاں وہ بددلی نہ پیدا ہو
کہاں وہ بدگمانی نہ پیدا ہو

کہاں سے باغی میدان آگئے ہے

کہ نام ان کا جہاں سے منائے ہے

نہ دیندر تھا کوئی نہ دینداری تھی
ستم پر نہ جو رہ جفا شعری تھی

نہ پاسداری ملت نہ مستعداری تھی
پر اس کے پیروں میں فکر حریمکاری تھی

غرضکہ دین کو سمجھے تھے وہ سمکاری

نمک حرامی و محسن کشی دینداری

برائے نام سمکار دیندر بنے
جو دیندر بنے تو ستم شعری بنے

ستم شعری بنے جب تو ذی وقار بنے
جو ذی وقار بنے تو حرم کار بنے

کیا وہ ظلم کہ سر پر جہاں اٹھا مارا

خدا پرست نہ تھا ایک بھی خدا مارا

(بقیہ حاشیہ) کہ ن پر خوف و ہراس طاری تھا۔ نسوں نے جرات میں سے ہمت و ہمت

کے جوہر میں کھارے ہمارے ایسا سا لیکن خواہ نہیں، یہاں استغاثہ کی حالت سے جاٹ میں وقوع

نکار فٹنٹ گورنر، راجپوت، چوٹی، سب، حسن مسمری، بادشاہ کا ماقہ مستعد میں

، فیہ و بطور کواد پیش ہوئے جسوں نے بادشاہ کی مخالفت اور استغاثہ کی تائید میں بیات و یات

۱۸۵۷ء میں بادشاہ نے تحریری بیان دیا جس میں بادشاہ نے اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہوئے

میں ہی واقعات بیان کئے جو اس کتاب میں مصنف نے درج کئے ہیں لیکن بدلت نے بادشاہ کو بھروسہ

قرار دیتے ہوئے سزائے موت کا مستحق ٹھہرایا۔ سر جہاں ریش فٹنٹ گورنر نے عدالت کے فیصلہ

پر ایک طویل ریویو لکھ کر فیصلہ اس غارتش کے ساتھ حاکم مت بند کو بھیجا کہ بادشاہ کو جو وطن

جائے درحد رعیت محل و محل اور مرزا جو اس حاکم حاکم ریویو دیا جائے کہ دو چاقوں کو بادشاہ

ساتھ چلے جائیں یہاں میں نظر بند رہیں۔ حکومت بند نے یہ غارتش منظور کر لی اور بادشاہ کو ظفر

نور ملت بھیج دیا جہاں اسے بتایا گیا کہ اس کا آخری ٹھکانہ رنگون ہے۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو بادشاہ کو ظفر

رعیت محل و مرزا جو اس حاکم و مل سے رہنے ہوئے تھے۔ نومبر میں (باقی حاشیہ) کے صفحہ پر

شور مائدہ و فریاد آسمان تک جاتا ہے تو یہ کیا غضب ہے اب مردوں میں خلیوں کرتا ہوں تو اور سب بڑے باب ہیں مگر میاں امیر میرا اور ناصر مدین نہیں۔ غرضکہ وہ نکل و شارباب فرما ہو تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بڑی بیخبر صاحب نے بیان کیا کہ جس دن تم ہم سے جدا ہونے کے ایک دن بعد سنایا کہ جرنیل صاحب کا ڈیرہ جامع مسجد میں ہو گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پانچ چار گورے گھر میں گھس آئے اور آگ لگا دی اور پورے دو۔۔۔ عورتیں تو کوٹھڑیوں میں چھپ گئیں اور مردوں نے ہاتھ دے کر نکل دیے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے کھل گئے تو بھی کچھ دیا غرضکہ اب تاریک ہو گیا ایک کتاب ہے ایک جاتا ہے۔ میاں ناصر مدین نے کہا کہ میں جاتا ہوں جرنیل صاحب کے پاس اور ہندو بہت کرتا ہوں۔ وہ دودھ دست گار کو لے کر جامع مسجد میں پہنچے وہاں جانے کیا گفتگو ہوئی کہ ایک خد متکار یہ دوران عورت جیسا یہ کو بچہ کو نموں نے ہنگامہ نہرا اپنے گھر میں چھپ کر رکھا تھا کہ آیا اور وہ عورت سے نہ گئیں کہ ہم بھی آتے ہیں۔ اور میاں ناصر الدین کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور سرٹیلیٹ لے گئے ہیں غرضکہ وہ عورتیں بھی جامع مسجد میں پہنچیں اور خد متکار یہ جامع مسجد لے کر وہاں رہے مگر چونکہ وہ عورتیں ورنہ میاں ناصر مدین آئے۔ اپنے خد متکاروں نے شہر وہاں آکر جان بیاں کیا۔ رات بھر سب و تشویش رہی اور اس شام میں تمام خد کی عورت مرد ہمارے مکان میں جمع ہوئے۔ باغ میں مرد و ندر و نون و میوں میں عورتیں۔۔۔ سو گئی رہیں وہاں بچے تھے فتنی آغا جان اور ان کی قین اور عورتیں سب یہیں تھیں۔ سب کے وقت فتنی آغا جان ورنہ کا بیٹا یہ سب باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میاں امیر مرزا نہرا پڑھ لے اپنے شخص مشغول میں سب معمول مشغول تھے ہر حال۔ اللہ محمد رسول اللہ نے ضرر میں کار ہے تھے کہ ناموں اور کے باغ میں آئے اور سامنے سے ہاتھ پورہ پورہ میوں میں میر میر نے ہاتھ کار کے پاس روپ ہاتھ ہیں۔ کہ ان میں سے ایک کے بدوق ماری کہ فتنی آغا جان کے بیٹے کے سید پر علی کہ اس نے پاپ و پکار۔ میوں میں مرزا کے ساتھ کا نام سے اس وقت باب مہیا نہیں کرتے۔ نموں نے اللہ اللہ ہاتھ کہ وہاں سے نے وہ ماری کہ وہ دن کے سینے پر علی انمول نے محمد رسول اللہ کہا اور چیت لیٹ لے اور تین کا ہاتھ ان کے سینے پر رہا اور ان جفاکاروں نے پھر بدوقیں بھریں اور وہ خد متکاروں و ہر کہ پناہ ستیا۔ فیہا کھل میں یہ قیامت برپا ہو گئی۔ اس غل شور و آواز جامع مسجد میں لپٹی۔ وہاں سے وہ غل و آواز

”پوچھتے تھے کہ یہ کیا عمل شور ہے۔ عورتوں نے بیان یہ دیا جو تو تمہاری فوج ہے یہ قہر رکھا ہے۔ ہمارے وارثوں کو بے خطا و قصور مار ڈالا۔“ مجبور کھوپ یہ لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ ہم کو روپ وہ تم کو شہ سے باہر کر دیں گے سب نے کہا بہت اچھا، ہماریں گے مر تا صبر کر رہا ہوں۔ شوں و زمین میں دفن کر دیں۔ چنانچہ جلدی جلدی سب نے اس ر گڑھے کھودے اور شہیدوں کو سی پٹے ہوئے لباس میں سپرد خاک کیا۔ اور گمریزوں کے ساتھ ہوئے وہ ہم کو گئے ہوئے ترکمان دروازے آئے اور جس جس کے پاس جو تھا ان کے حوالہ کیا وراثتوں نے دروازہ کھولا کر ہم کو باہر کر دیا۔ غرض کہ یہ حقیقت سن کر میں برف خانہ میں آیا مگر خاموشی بے اگر ان کا ذکر کرتا ہوں تو یہاں کراہ مچتا ہے اب میرے گھر میں ہر ہیں کہ تم کو سنی چپ چپ کیوں ہو۔ آخر میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ میری لی لی سمجھ گئی کہ چودہ رات ہوئی ہے مجھے قسم دے کر پوچھا میں نے سنا کہ جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی ہو۔ وہ سمجھ گئی کہ میرا آپ شہید ہو۔ پھر تمام عورتوں میں رونا دھونا مچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے تمام کیفیت بیان کر دی۔

جہاں کی تشنہ خوں تفتاب دار ہوئی سنان نیز وہ اک سینہ سے دو چار ہوئی

رکن ہر ایک شرے گلے کا ہار ہوئی ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی

ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا

جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا چہرہ اور جوان قتل ہوا ہر ایک قبیلہ و سرخاندان قتل ہوا

ہر ایک اہل زماں خوش بیان قتل ہوا غرض خد صمد یہ ہے ایک جہاں قتل ہو

گم وں سے کھینچ کے کشتوں پہ تلے ڈالے ہیں

نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو نوک شہر میں رہ گئے تھے ان میں کئی اشخاص با کمال نام و فہرست در درجہ

مارے گئے ہیں جو اہل کی ناک اور یگانہ آفاق تھے جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہو گا

میاں محمد امیر بیچہ کش خوشنویس جس کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔ موبوی امام بخش صہبائی اور

ان کے اہل بیت اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور چیلوں کے کوچے کے اور بہت سے شریف

خدا کی دُک سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی رفقہ زری کے جھگتے دروازوں سے دریا پرے جا کر ہندو قوم کی باڑیوں میں رہ رہی گئیں اور شہر دریا میں پھنس گئیں۔ عورت کا یہ حال ہوا کہ گھر والوں میں سے نکل نکل کر بچوں سمیت غلوں میں جا گئیں۔ چیلوں سے بچے سے تمام کنویں۔ شوں سے پٹ گئے تھے۔ آگے میر قلم نہیں چل سکتا۔ نہ جھگتے کی تہ کی تاب ہے جو چھ سنا گیا ہے۔ واندہ علم ہا صواب دروغ بر گردن روئی باقی اور ضد شہر کا یہ حال ہوا کہ عورت اور مردوں کو شہر سے نکال گیا تو اس طرح کہ مردوں کو تو کشمیر کی دروازہ سے باہر کیا اور عورت کو کالٹی دروازہ کی راہ سے شہر بدر کیا کہ باہمی مفارقت ہو گئی۔ ایک ایک کوڑا ہونڈا پھرا۔ غرض کہ جب زن و مرد شہر سے باہر ہو گئے تو بچہ کی کلازار گرم ہوا اور وہی مدد معاش جو نمک حراموں کے ہمرہ ہو کر غریبوں کو ہلاتے پھرتے تھے اور شہر کو ٹوٹتے تھے اب یہ کاری مجھ کی اور شر و لوں کو پھنسیاں دینے لگے۔ دور و پیہ آدمی پیچھے مجھ کی کاغذ ملتا تھا۔

ن دونوں کے پچ میں چاندی کے چتر بھرے۔ میری بی بی نے اس وقت یہ کام کیا کہ ایک فرد سونے کی پینچی کی میرے آگے رکھ دی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئی؟ انہوں نے یہاں لیا کہ جس وقت میں نے ہنا زیور تار کر ڈبے میں رکھا تھا تو بے وسائی میں یہ پینچی میرے ہاتھ میں روگنی تھی۔ میں نے اس وقت اس کا ڈورا توڑ کر دو دانے لگ کر کے کمر بند کے اندر بکھرے اور دستہ باندھی، کمر سے دوپٹا بندھا۔ ہاتھ میں کڑی لی اور چھنے کو تیار ہوا۔ اور میری جہانی ام اور زور آغا سلطان بھی تیار ہو گئے اس وقت۔ یہ رخصت کا دن قیامت سے منہ تھا۔ میری بی بی مہ چند شرم سے ہارے منہ سے چھوٹے ہونے اور نیچے تنہا میں نے ہارے روگنی تھی۔ آخر بابائے کا قہقہہ سے یہ غلہ کہا کہ باپ پچ تو ہارے گئے فقط تمہارے دم کا سر رہا تھا۔ مجھے کس پر غصہ رہتا تھا۔ میں نے جو بایا کہ خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ کمر بند رہا تو پھر آملوں کا۔ ان میں ہار لیا تو قمرین دو قوم تلاش آئے۔ یہ کمر میں مکان سے ہارے اور کمر بند اور خوب صاحب کی طرف روانہ ہو۔ وہی نصف میل سے قریب روگنی ہونے لگا۔ اچھے سوار آئے۔ آتے ہی انہوں نے فیہ بیا اور ساتھیوں کو سب سے سب کا مدد نکلے بیٹھ میرے پاس چھو پائیہ میرے ہم انیوں کے پاس چھ دیں کمر بیٹھ سوار نے میری پڑی اتار لی اور ہنار ستہ لیا۔ میں نے دوپٹہ کمر سے کھول کر سر پر باندھ لیا۔ آگے بڑھا اور سوار کے انہوں نے بھی یہی بات کی۔ جب قومیں نے کمر بند پانچمہ میں سے کھینچ کر بیٹھ گیند بنائی۔ اور پانچمہ سے بیٹے کو بطور بند کر دیا گادی اور وہ گیند اپنے ہاتھ میں رکھ لی۔ جب سواروں کو دور سے آتے دیکھا تو اس گیند کو ہار پھینک دیا۔ وہ کمر بند لٹی سے کر گئے بڑھ جاتے میں دس میں سنا تھا کہ بے تر توڑ کو ہو مگر میں بھی تمہارا استاد ہوں۔ بھدا تم مجھے کیا لوٹ سکتے ہو اور جب اوپر چلے جاتے، پھر اپنی گیند کھانچ کر اپنے ہاتھ میں سے لیتا۔ غرضکہ ہر رخنہ بی خواب صاحب میں پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک ہجوم کیشہ مردوزن کا فوجی ہے۔ شب کو میں نے چھ چاندی ایک صراف کے ہاتھ پھٹی اور کھانے کا بند و بست کر کے دیوان خاص میں ہر تینوں آدمی زمین میں پڑ رہے۔ صبح کو ایک پندرہ بیس ہزار آدمی کا قافلہ جس میں نواب امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں اور احمد قلی خاں بادشاہ کے خسر اور بہت سے بڑے آدمی شامل تھے، وہ جو جروں کو اوپر روپیہ دے کر اور انہیں ہمراہ لے کر خواب سے روانہ ہوئے۔ ہم بھی اسی قافلہ سے ہمراہ ہوئے۔ راستہ میں وہی سامان صحرانی

اصافی ایسے جوانوں کھچکا ہوں سب عداوت اس کا فضل ہے۔ نہ رہا عورت پر، دشمن رہتے
 سر ہاتھ منزلوں پر، تھکی و پرک دھوپ، نیچے پاؤں کے ہتھکی ہوئی ریت، انگلی قیقاق سیاہ
 کا نام نہیں، آب و انہ کا کام نہیں، تلواروں میں آہ، زبانوں میں بکلی سے ڈانٹے پڑتے
 ہوئے روتے دھوتے چلے جاتے تھے۔

وہ دھوپ و روہ ریگ ہپاں وہ گرم ہوا وہ ٹون فوج ہر اک سے اندر
 وہ گینہ و رزمی غارتگران بے پرواہ اور اس پہ فہم نہ رہا کا وہ کہ وہ یہ
 جو ہم سے سنتے ہیں وہ اتنا بڑا نہیں
 تو لوگ کہتے ہیں کرتے ہو خواب کی باتیں

دنگل سے چلے جاتے تھے تھکے ہوئے وہ گورے گورے بدن خاں میں وہ
 بول پہ آہ جہر میں المیہ ہوئے جفا کی تیغ کے سب زخمی وہ
 وہ داغ مرگ عزیزان وہ اشت پیمان
 وہ ریگ خاں مقلید وہ آبلہ پانی

غرض خدا خدا کر کے وہ منزل قلع ہوئی اور قریب شام سوال بسوت کی مرا میں
 پیچھے تھکے ہارے رستہ سے، پاؤں میں بڑے بڑے آہ پڑے ہوئے، انہوں نے ٹوٹ جی
 ہر حال سوکے صبر، شکر کے کیا کیا جاتے شب کو چھ باز سے چن چہین، گھر کا سیاہ پانی پانی
 سر اٹکے کی زمین پر پڑے۔ اب آغاز اور انجام میں نہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ رستہ کہاں و
 جاتا ہے، کون کون سے شہر راستہ میں پڑیں گے کس ریاست میں پہنچیں گے۔ پس سر
 قافلہ کے ہیں، جدھر قافلہ جاتا ہے سی کو منزل مقصود سمجھا جاتا ہے۔ گھر سے ابھی نکلے
 نہیں، اس مصیبت کا سفر کیا نہیں، رستہ سے ناہد، منزلوں سے ناواقف، تھکے ہوئے، دریا سنوں
 کاں سوکے معد رنی ٹھریزی چھ نہیں جانتے۔ ایک دوبار پہلے سفر کا حلق ہو ہے تو گھر
 یہ نچو، یہ دن صرف ہو ہے تو کہاں کس کس سواریوں پر آدمی خدمت میں بڑی اس میں
 نہ ہو ہے، نہ اس مصیبت کا کہ زمین تک قدم نہ لے کر رہا رہیں۔ جس جھڑپ کا
 نا، دشمن جان ہے، گھر میں پورے پورے مکان کا کام تو سہا ہے مگر ابھی اتفاق سے ہو نہیں
 نہ یہ معلوم کہ کتنی اور ہیں۔ قافلہ منقطع شب کو پڑے رہے۔ صبح ہو تو پھر قافلہ سے سر
 وہ کہ وہ پہر و جا رہا تھا، غصہ ہوئے۔ چچ چاندی پچ کر جانے لگا تو ان سے بڑے

وہ دہائیوں سے ایک طرف ورست جاتا ہے۔ وہاں باہم گچھڑی پٹنی شمع ہوئی اور صبح و
 مشورے ہونے لگے۔ کسی نے کہا ہم یہاں چائیں گے کسی نے کہا ہم یہاں چائیں گے ہم
 حیرت میں کہہ رہے تھے کہ یہاں چائیں۔ آخر ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں سے جھجر
 قریب ہے یہ نام سنتے ہی جاٹ میں جان آئی۔ آہ وہاں تو ہمارے ہاموں قصیر مرزا قاسم علی خاں
 صاحب مختار ریاست ہیں ان سے پاس چھپے دوران کی صبح کے کارہند رہے جدھر وہ رہنمائی
 فرما میں اوھر جانا چاہیے۔

جھجر میں اردو۔۔۔ غرض کہ وہاں سے رہو جھجر جا رہے تھے پانچ کراؤھر کو روانہ ہوئے
 وہاں ان کے چھپنے والے مکان پانچ رہے۔ ان سے ہاں پہنچے۔ ماموں صاحب نے جب شکل دیکھی
 انہیں پریشان کر کے رکھے۔ ان میں اس منصب میں بقدار ہونے غرض کہ گئے تھے
 یہاں حیدر آباد کی رہا۔ اٹھوایا۔ کھانا کھلوا یا۔ دیوان خانہ میں کھانا یہاں رہا۔ ان
 صاحب نے وہاں ایک ہی تھے تیسرے پہلے قریب گنا سٹوں تھا۔ ٹھہرے تھے۔
 انہوں نے وہاں سے کہہ کر انہوں نے وہاں سے کہہ کر انہوں نے وہاں سے کہہ کر انہوں نے وہاں سے کہہ کر
 انہوں نے انہیں اس مسیبت سے پرورش کیا تھا۔ ان کے یہاں میں جتا ہیں وہ بھی بدیدہ ہو میں۔
 ان کے وہاں پانچ صاحبان دیوان یہاں سے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر
 ان کے وہاں سے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر انہوں نے کہہ کر
 رہے۔ یہ بھی لکھ ونا ورنہ اور خاتم جنکار کے ایک اور ستم ڈھکیا۔ دشمنی رات کے وقت ان
 کو خواب صاحب نے بلوایا۔ وہ وہاں گئے۔ ایک گھنٹہ بعد واپس آئے اور بدیدہ ہوئے۔ میں نے
 پھر پوچھا۔ ہاموں اخیر ہے؟ فرمایا۔ بھائی کیا پوچھتے ہو، جس جہاں میں تم جہتل ہو کر یہاں آئے ہو،
 وہاں کے نام نہانی یہاں بھی تار ہو گئی ورنہ امریزی فوج یہاں بھی پہنچی۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس
 وقت خواب صاحب نے مجھے اس واسطے بلایا تھا۔ اب تم ایک کام کرو۔ یہاں سے سیدھے
 پانی پتہ و سوئی پتہ روانہ ہو جاؤ تمہارے والد اور خاں میں ورسا رہنا پانی پتہ چٹا یا
 مجھے خبر آئی۔ یہاں سے میری پہلی تم کو سوئی پتہ پہنچا دے گی۔ وہاں سے تم گاڑی کر کے چلے
 جانا ورنہ وہاں بھی تیر کی تھخیاں ہے۔ تم و آگے جانے بھی نہ دیں گے۔ غرض کہ اس وقت
 پہلی تیار ہوئی اور ہم سوار ہو کر پانی پتہ میں آئے۔ یہاں میرے مانا کے حقیقی بھائیوں کے
 مکان تھے انہوں نے مجھے روکا اور کہا۔ اب تم اندر تک یہاں نہ رہو، کہیں نہ جاؤ۔ جب من

وہ جانے کا چہے جانا۔ میں نے سنا کہ میرے دو دوستوں نے انہیں۔ یعنی سب کے ساتھ میں میری خانہ کے باہر ہیں۔ غرض کہ میں رونا دہنا وقت شب برسط میں پہنچا اور یہ وقت۔ رات کے کیا وقت سے تھے اور میرے دو دوستوں نے یہ کہیں خانہ میں نہ رہے۔ ہماری سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔ "خداوند بوجہ حق ہمارے قہر سے ہمیں بچا دے۔" یہ وقت اس سے چند روز سلامت بکر رہا۔ میں نے تیری بات میں سوچا ہے۔ یہی وقت تیرے دروازہ پر پہنچا اور میں نے آواز سنی کہ دروازہ بند ہے۔ میری بی بی خانہ میری تو پہچان اویں اور میرے والد کو یقین نہ آیا۔ جب میری بی بی خانہ نے تمہاری بی بی خانہ سے کہی کہ میری آواز سنی ہے وہ دروازہ پر پکار رہا ہے غرض کہ دروازہ کھلا اور میں نے جا کر والد کے قدم لئے انہوں نے مجھے شکر لیا کیا۔

پانی پت پہنچے۔ وہاں سے پانچ چار روز کے بعد ہم سب پانی پت میں آئے۔ وہاں سلونٹ اختیار کی اور ایک چھوٹی سی تجارت کا ڈھنگ ڈال کر قوت سریوں کیسوں اور یہ دوکان کرایہ پر لی۔ ایک آدمی نوکر رکھ کر خرید و فروخت کے لئے در حساب کتاب اپنے ہاتھ میں رکھا۔ دونوں وقت جا کر دوکان کا مال متاع سنبھال آتا تھا۔ خدا کی صفت رزاقی ہے۔ ان دنوں میں اس تجارت نے ایسی ترقی پائی کہ ہمیں ہر گز تمام گھر والے اس میں موزی رہنے لگے تھے اور نوکر کی تنخواہ کرایہ دوکان اور سب تجارت دن دو گنا در رات چو گنا ہوتا جاتا تھا۔ تھوڑے عرصہ میں تین چار سو کا سامان دوکان میں فروخت ہو گیا تھا۔ اور دو روپیہ روز کا میرے گھر کا خرچ تھا۔ پانچ ماہ تک ذرا امن و آسائش کی صورت رہی مگر فتنہ بگڑ رہا تھا اور زمانہ ناخوار کسب دیکھ سکتا تھا۔ پھر اس غریب آزار و تشنگ و حسد پیدا ہوا اور شر بگڑ فتنہ میں پیش زن ہوا اور از سر نو ایذا رسانی پر مستعد ہو۔

زمین مرد مصاف ست و من ز سادہ دلی کتم بکاشن تدبیر وہ ہم دفع مضار

رہنم فتنہ فتنہ کی بار و من بھٹا گریز مہر آئینہ ہمد

یہ ایک آسمان سے سنگ جواہر ہر سنے لکے مر زمین نے فتنہ تازہ ہو گئے تھے۔ اور حشرات مرغیوں طرح زمین سے ایک ہتھوپیدا ہوئے۔ تین اہلی سے وہی وہی ہواش مجبوں کا۔ غنہ گامی بد معاش ملائے ناگہانی طرح پانی پت میں نازل ہوا اور دار و گیر کا بازار۔ وہاں سے رفتہ بہ رفتہ شروع ہو گئے۔ اور ہر برسط میں نواب حامد علی خاں صاحب

وہاں کے سب بندہ ہمارے رفقہ دار تھے۔ ہمارے پانی پت میں قیامت برپا ہوئی، پانی پت کا میسٹر ہوا۔ مگر قانون مردانہ پانی پت پر وہ مسافر نورانی فرما کر باپ بیٹے کے ساتھ یہ سوس نہ رہ سکے۔ ان دنوں کے ساتھ جائیں گے اور آپ مردانہ کے زمانوں میں چھپا چھپا رہا اور جان سے، آندھ سے ساتھ اپنے وجود تھے اور اس دن سے وہی کے حاکم بننے تھے۔ آپ گھر میں ٹھہرنا تھا اور وہاں سے پچھلے سے روٹی سے، آپ سے سب حاکم سے سوس نہ ہوتے رہتے۔ یہ احسان تک کی شخص نے کی کے ساتھ نہ سے ہونے جو سوس کے پانی پت دنوں نے دنوں کے ساتھ کئے۔

پانی پت کا محاصرہ۔ قصہ مختصر جب پانی پت کے گرد گھیر پڑا اور تاکہ اندنی ہوئی ورنہ کے رفقہ دار ہونے گئے۔ میں یہ دن ۱۰ گزنی دن پچھلے سے اپنی چوہا بھی کے مکان پر گیا۔ وہ ماموں پر ایم حسین صاحب کے فرائض تھیں۔ وہاں پانی پت سے یہی رفقہ دار کا ذکر کرتا تھا کہ میری طبیعت گھبرانی اور میں چلنے گا۔ میری بہن نے مجھے روکا بھی۔ گھر میں ٹھہرنا اور بھی کے ہاں گیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے آدمی اس گلی میں چلے آتے ہیں اور ان کے تھنہ در ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ جو تو اس گلی پر جاتا ہے تو یہ گھر میں جا کر رفقہ دار رہیں گے۔ میں سیدھا یہ متا ہوان کے سامنے سے چلا گیا۔ بھنی ال دنوں کے سوس ہمدرد بھی منصبت میں آئے۔ ان آدمیوں کے برابر سے نکل گیا اور انہوں نے مجھ سے پچھا۔ وہ آدمی کی مکان میں تھے جس میں سے میں برآمد ہوا تھا۔ مگر آگے بڑی ڈیوڑھی تھی جس میں ۱۰ فٹ طرف راہیں تھیں۔ ایک ماموں پر ایم صاحب کے مکان کو اور دوسری راہیں خانہ واس ڈیوڑھی میں پہنچ کر میرے ہاتھ پاؤں چوں گے اور مجھ سے بھاگنا گیا۔ چہ اندھیر ہو گیا تھا۔ پیوں کا حیر کوئے میں کا ہوا تھا۔ میں نے نیچے چھپ گیا اور اس تھنہ کے گھر میں داخل ہو کر میرے چوہا اور بھائی اور میرے بہوئی کو رفقہ دار گیا اور میرے آگے سے رفقہ دار کے گئے۔ جب وہ چلا گیا تو میں وہاں سے نکل کر گریزاں ہوا تو یہاں سے وہاں تھا۔ راستہ میں غنی جھڑا۔ غرض کہ قاتل و خنجر میں اپنی خوشد من کے مکان پر پہنچا اور یہ حقیقت بیان در تاکہ اب میرے یہاں سے نکل جانا صلاحت ہے ورنہ رفقہ دار ہو جاؤں گا۔ چہاں نے انہوں نے ایک شخص بھلی نامی جو پانی پت کا، شندہ اور شاید میری خوشد اس سے کہ میں سے کی کا خانہ زاد تھا اسے بلایا اور سنا بھائی تو مجھ پر ایک احسان کر کے وہ

بچوں کو یہاں سے نکال کر چھ اور کسی حفاظت کی جگہ چاہئے۔ اس نے کہا میں تمہارے ساتھ رہوں۔

پانی پت سے رخصت چھ گھنٹہ کی رات سے دو بجے اور یہ سفید حلقہ میرے
 ہونے کے چھوٹے بھائی کو کے مکان سے چھ اور ایک جاے شہر کا نام دیا۔ تمہارے
 کوئی شہر سے ہم ہو گیا اور پھر جدی جدی قدموں سے ہم آگے آگے آگے آگے آگے آگے
 رہوں گا تھا۔ وہاں پہنچے اس گاؤں کا نام کڑی تھا۔ پچھلے پہر ہم وہاں پہنچے اور گاؤں والوں کو اس
 نے جگا کر ساری حقیقت بیان کی۔ وہ ہوگ نہایت مرد آدمی اور مسافر نور تھے۔ انہوں نے
 میری بہت خاطر و مدارات کی اور تسکین و تسکینی دی کہ اب تمام عمر یہاں بیٹھے رہو تو تم یہ
 نہ سننے دیں گے۔ یہ مقدور ہے کسی کا کہ تم کو گرفتار کر لیں گے۔ جب دن ہو تو انہوں نے ہم
 سے کہا کہ اب ایک کام کرنا چاہئے کہ دریا کے کنارے پر اٹھو رہے۔ وہاں ہم ایک جھونپڑی
 بن دیتے ہیں۔ دن کو تو تم دونوں آدمی وہاں رہا کرو اور رات کو گاؤں میں جا کر رہو اور ہماری
 طرح کا بوسہ پسینہ ہو۔ ہم میں سے دو آدمی تمہارے پاس رہیں گے۔ ہمارے ساتھ ایک آدمی رہے
 رہتے ہیں۔ تم یہاں رہو گے۔ ہم نے منظور کیا اور ہم رہنے لگے۔ پھر میں
 سے بڑی ساری بھائی تمہارے میرے بھائی اور میرے دو دو چاروں بھائیوں کے
 مکان کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں نکال دو تو بڑا کام کرو۔ اس نے کہا کہ بہت جلد
 اس دن رونہ ہو اور تیسرے دن میرے بھائی اور تمام سلطان میرے بھائی کو کے میرے
 پاس پہنچے گا۔ میں نے اسے کچھ روپے دے دیے۔ ایک دن ہم سب وہاں رہے اور وہاں سے
 رہا ان گاؤں والوں کا مت شکریہ کیا اور وہاں سے ہمارا تر کر مٹھائے گا۔ یہ وہاں کی سبھی
 میں پہنچے۔ مٹھائے گا۔ ان سادات نے ہماری بڑی خاصہ مدد رات کی اور نہایت درجہ مساندہ رہی
 کے علاوہ یہ کہ جب تک یہ رنگامہ ہے آپ جین سے نہیں بیٹھے رہو۔ یہاں آپ کا بوسہ دیا نہ
 ہو گا۔ ہم نے کہا۔ یہ سب آپ کی عنایت ہے۔ اب اس کے عوض اور ہم پر عنایت فرما دیں۔
 وہ یہ ہے کہ میرے چار جانشینوں نے درجہ سے ہمیں نکالے پار تر لائیں کہ وہاں
 ممدار کی کمزوری نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جتنی دینی بات ہے۔ ہم آپ کو خط لکھتے دیتے
 ہیں۔ آپ وہ خط کے کر میرے صاحب علی کے پاس چھ جائے وہ آپ کو نکالے پار تر لائیں
 گے۔ چنانچہ یہی ہوا اور تمام خط کے کر کر کے ان کے ہاں میں پہنچے اور ہر دن قصبہ

نمبردار صاحب نے اس وقت جب کہ اس نے اس سے صاف نکال دیا
 یمن ان سے کہتے ہیں میری منیت حسین نے نہایت آہستہ کی اور وہ آکر ہم سے ملے۔ رات کو
 اپنے مکان میں۔ جا کر پوشیدہ رہا اور تین روز ہماری دعوت کی اور اپنے دیہات کے
 گوجروں کو بلا کر ان سے کہا کہ ساتھ آؤ۔ بھائی ہند آئے ہیں ان کو کسی طرح گنگا سے
 پار اتار دو۔ انہوں نے نہایت کوتاہی میں مگر آئندہ شب کو ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گنگا
 کے کنارے دونوں طرف گھاسوں پر فوجوں کے مورچے لگے ہوئے ہیں۔ اس پار انگریزی
 فوج کی چوکیاں ہیں۔ اس پار نجیب آبادیوں کے مورچے ہیں۔ قصہ کو تاہ ایک شب وہ تیس
 آدمی مسلح ہو کر مندوق تھوڑے چھپا دیے۔ آج موجود ہوئے اور گھوڑیاں ہمراہ لائے تھے۔ کوئی
 پہر بھر رات گئے ہم سب کو گھوڑوں پر سوار کر کے ہمراہ لے چلے۔ وہاں سے دریائے گنگا
 سات کوس تھا۔ رستہ میں نہیں کی برادری کے گاؤں ملتے گئے مگر وہ ان کو ہوشیار کرتے گئے
 کہ اگر تم چھ شور و غل سنو تو فوراً ہماری مدد کو چلے آنا۔ میں نے راہ میں ایک گوجر سے کہا کہ تم
 میں باہم اتفاق ہے۔ اس نے کہا کہ اُس وقت ہماری ایک مندوق چل جائے تو تین گھ
 گوجر موجود ہو جائیں۔ سب گاؤں ہمارے ہیں۔ غرض کہ پچھلے پہر ہم گنگا کے کنارہ پر پہنچے اور
 گھوڑیاں وہیں چھوڑ دیں۔ ان پتھارے گوجروں نے ہمارے ہاتھ تمام لئے اور ہمارا سامان
 سروں پر رکھ لیا دریا میں سے ہمیں پار اتار دیا۔ اور فیروز آباد گاؤں سیدوں کا تھا۔ وہاں پہنچ کر
 نمبردار صاحب کو میری عنایت حسین کا رقعہ دیا اور ہماری رسید لکھوا کر واپس بھیجی۔ ہم رات
 کے بارے میں تھکے ہوئے تھے پر ان گھاس پر پڑ کر اور وہی گھاس اور زہ کر
 سو رہے۔ صبح کو دوپہر کے قریب بیدار ہوئے تو ان سید صاحب نے کھانا کھلویا اور حقیقت
 دریافت کی ہم نے سب حال بیان کیا کہ اس میں نجیب آباد والے نواب کا آدمی آیا کہ رات
 کو آدمی گنگا اتر کر تمہارے ہاں آئے ہیں۔ کوئی انگریزی بھجرت نہیں ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم
 آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اچھا تم میں سے ایک آدمی ہمارے ساتھ چلو غرض کہ میں ہی اس کے
 ہمراہ ہوں۔ تھوڑی دیر پر فوج پڑی ہوئی تھی ذریعے جیتے ہوئے تھے وہ آدمی مجھے ایک
 ذریعے پر لے گیا۔ وہاں چند لوگ عزت دار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سے
 جا کر ہٹا کر دیا۔ انہوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے مختصر بیان کیا کہ تباہی زدہ دلی کا رہنے
 والا ہوں۔ انگریزوں کے خوف سے ہم وگ جان پائے پھرتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی

یہ کہ تم لوگ نوکری کرو۔ یہاں ٹھہر جاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ ہم نوکری سے ق نہیں۔ ہم لوگ لکھنؤ کو جائیں گے۔ غرض کہ وہاں سے آکر اس شب وہاں رہے۔ صبح کو کوچ کیا منزل ہمنزل طے کر کے مرد آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے۔ وہاں ایک دوست خانہ دین صاحب مرشد گوئے مکان پر قیام کیا۔ اس مہمان خانے میں دو خاصہ دربارتوں کے دیوانے رہے۔ وہاں سے بڑھنے کا ارادہ تھا کہ معصوم ہوا معصوم بھی وہی کیفیت ہونی چاہی نہ ہونی چاہی۔ ب حیران پریشان ہوئے کہ یارب اب کدھر جائیں یا کریں۔ پندرہ روز بریلی میں آنا دین کے مکان پر رہے۔

ایک اور آفت ایک دن کا تعلق ہے کہ میں اور یہ شخصیں دن کا شہر، جنگ بازار، خاں نامی بادشاہی سواروں میں ملازمہ میرے ہمراہ بریلی کے بازار میں ایک مسلمان جوتے والے کے دوکان پر جوتا پہننے کو گئے۔ میں نے جوتا اٹھا کر اس کی قیمت پوچھی۔ اس نے ایک سو روپیہ۔ میں نے وہ جوتا رکھ دیا۔ اس نے پھر مجھ سے کہا۔ رکھ کیوں کیا تم بھی تو چھ قیمت دو۔ میں نے کہا کہ بھائی مجھ میں اس قیمت کا مقدور نہیں۔ میں سستی قیمت کا جوتا چاہتا ہوں۔ میں غریب تباہی زد ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہو گے؟ میں نے کہا کہ ان کے۔ دو دو۔ کہ تم لوگ بڑے نامزد ہو کہ تم نے دلی توڑا دلی اور بگڑا ہارنو، ابھیک ہاتھ پھرتے ہو۔ یہ بات سن کر میں تو خاموش رہا۔ مگر جنگ بازار سپاہی تو ملی قوم، مغضوب اور سکنوں کا رہنے والا۔ جس کے بڑے بڑے مشہور ہیں۔ بھلا خاص صاحب و کہاں تاب کہ یہ سخت کلمے برداشت کریں۔ جواب دیا ”بیٹا سمجھو انہیں پچائے جھٹکے جاتے ہیں۔ جو روکے پچائے میں چھپتے پھرو گے۔“ یہ کہنا تھا کہ اس جفت فاش نے ہٹا ہوا ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پڑا دیا۔ ہاتھ سے جنگ بازار کا ورپہ آواز بلند پکڑ کر کہا کہ پارہ دوڑو یہ انہوں نے بڑی محبت کی۔ یہ کلمہ ہمارے حق میں غصہ ہوا۔ یہاں طرف سے پورے دوڑ پڑے۔ اس وقت بازار میں سور پیاہوں نے یہ کشت تھکی۔ کھوکھو سے حو پھرتے تھے۔ بازار میں راستہ نہ ملتا تھا آتے ہی پوچھنا نہ چھنا نہ وہ دونوں مشہور اس میں رہا کہ جرنیل صاحب کے پاس سے چلو۔ اور ہم دونوں وہاں دھڑکے چلے۔ ایک نبوہ خاں قمر وہ ہوتا جاتا ہے جیسے کی کوٹروں مارنے کے لئے جاتے ہیں۔ وہاں سے نصف میل۔ قلعہ تھا۔ قلعہ کے سامنے ڈیرے کا حصہ تھا۔ وہاں ایک ڈیرے کے آگے ایک پیر پیر پیر

چھین برسوں عمر کا کچے میں مرنے والے، فوں کا منٹا پنے ہوئے ٹنٹھا تھوڑے سے سارے
 سے جا کر حنا کر دیا اور یان کیا کہ یہ وہاں گمریزی مجھ میں۔ بہمن کوثر قدر کے
 ہیں۔ جرنیل صاحب کا مدد و نصاف مدد دے ہو کہ بغیر تفتیش حال حکم کے دیا کہ توپ سے
 باندھ کر لے آؤ۔ اسی وقت وہ جو وہ توپیں دیر سے آگے لگی ہوئی تھیں۔ ان میں تھیں وہ
 ان دنوں رہاؤں و توپوں کے منہ سے اندھوایا اور وہ بے خان بہادر خان کی ریٹ سے
 تھیں۔ وہ مجھ گمریزی کی قدر ہو کے ہیں ان کے ہاتھ ہو چکے۔ توپوں کی یہ میں وہاں
 سے لگی ہوئے تھے حکم پانچواں۔ یہ وہاں تھیں کہ میں رہے تھے اور ان کی طرف سے
 رہے تھے۔ یہ ان کے سامنے میں قدر ہوئے۔ سارے قادی مسیبت سے جان پا
 کے تھے وہاں آجنا پڑا۔ وہ تھے یہ نہ معلوم تھا۔ وہ ان تھیں وہاں تھیں
 معلوم ہوئے۔ وہ ان موت سے پہنچ رہی تھیں۔ بہت سے سارے فائر سے وہاں
 جنگدار خان نے منہ کو تکتا ہے۔ اور میں جنگدار خان کو، کھیر رہا ہوں۔ اسی اثنا میں وہ
 سارے جان بہادر خان سے پاؤں تھپا یا وہ وہاں تھیں حکم یہ۔ ہم کو پنی رندوں سے بالوں
 وہ ان کے مدد سے وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور تیسرے حکم کے ان کے یہ ہے، حکم کے توپ سے
 بسا اعلان ہے۔ ان وقت اس دن شات رہی وہاں پانے کے پادے غیب سے یہ انداز
 ہوتا ہے اور ہم وہ پینڈا جھل سے کس طرح نجات دیتا ہے۔ وہی مشکل ہے کہ وہ ان کے
 بچا کے وہ زیادہ قوی ہے۔

چوہا جزر مانند اور خمر از دریں عاجزی چوں نحو خمر از

گاس، دیکھتے کیا ہیں قلعہ کے دروازہ میں سے چھو پانی دوز کے ہوئے چھتے
 ہیں اور پیچھے ان کے ایک شخص نے کھوڑے پر سوار غید پوش سفید مندیل باندھے
 دوز کے داری طرف چڑھتا ہے اور اس سے بھوکے پانیوں سے تھکے ہی سا کہ بہت جاؤ اور
 ایک حیرت برتاؤ۔ وہ وہاں سے جیتا جا کر جنگدار وہاں سے دیکھتے ہی جنگدار سے
 اسے جنگدار کہاں

جنگدار مجھے یہ دیکھتے ہوئے وہاں سے وہاں کوٹ ہے۔ جب مجھے یہی توئی نور
 کھوڑے سے وہاں جہدی تھوڑے دور سے گاٹ کی اس سے مجھے جھڈا رہا تھا۔ اور جنگدار
 بھی اس کا کلمہ وہاں سے چھڑا اور وہاں ہاتھ پڑے اس جرنیل کے سامنے سے

اور نہ روں گا یاں مغلطات اس نامعقلوں میں اور نہ ملک حرامہ اتم نے ہمارے ہاں شاہ کا
 گھر تباہ کر لیا، ولی کا ستیاناس کر دیا۔ رعیت کو خاک میں ملا کر گھر سے بے گھر کر دیا اور اب بھی
 اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ ارباب۔ یہ بادشاہی درمچیں۔ چارے گریب غریبوں سے
 خوف سے اپنی جان پیسے پھرتے ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو نے جان تو پوچھا، بتایا پتہ تیرے
 پوچھے گچھے گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ اگر اس وقت میں نے آتا تو ان دونوں بے گناہوں کو
 جان سے مار چکا ہوتا۔ ان کی زندگی تھی کہ میں گناہ یہ نہ کروں مجھ سے جان پوچھتے تھے۔ جنہ
 سے ساری حقیقت بیان ہوئی۔ چرخوں نے ہمارے مہر کے مکان پہ آکر اترتے تھے۔ ہمارے
 سپہ سالاروں و جاوید۔ بے یہ مات معلوم کر لی چاہتے تھے۔ ہمارے گھر میں تو تھیں ان کے پاس سے
 ان کے وقت میں جان اپنی وہ ہمارے خواجہ تاش بادشاہی درمچوں کا رولہ میرے حق علی تھا۔
 یہ اب ہم سے اس ملا کے نجات پائی اپنے مکان پہ پہنچے تو میرے ہمدرد مریدوں نے
 منہ تھے کہ خدا جانے وہ نکلے نہ تھے، اس میں ممانہ کے سے پوچھتے تھے۔ ان
 چلے گئے تھے جو تکی ویرانی۔ جہنگ باز نے سب جان بیاں کیا۔ ہم تو موت سے گئے۔ ان
 بر آئے ہیں۔ سب من کر حیران و پریشان ہو گئے۔ مگر خدا کا شکر و یا یہ خدا کا مات
 آگے۔ اس واقعہ کے بعد یہ خیال ہو کہ یہ جائے معرغہ خط ہے یہاں سے نکلنا چاہئے مہار
 یہاں شکر گمریری کی آن پہنچے اور گھر جا گئے۔ ان کے تو بھگتے گریہاں آگے اب یہاں سے
 نکل کر کہاں جائیں گے۔ ہم خیال۔ رہے ہیں۔ وئی جائے مقرر نہیں آتی۔ اب
 مسبب۔ سبب کی قدرت کو دیکھ چاہئے کہ اس حالت میں اور ہندوں اور کھنسی میں اس
 طرح اس پر شوبہ حالت سے نکال کر سا حل عافیت پر پہنچتا ہے کہ یہ دربار میں ایک
 شخص ہم وطن کو دیکھا کہ مسافروں کی طرح کمر بند بھی ہوئی باتھ میں کتری منہ پر بند۔
 ہمارے ایک عورت اس کے غضب میں چار سے منہ چھپا۔ یہ چھٹی پٹی غل میں مارے
 چلی آتی ہیں۔ جب پاس آئے تو انہوں نے جگہ اور میں نے ان کو پہنچا صاحب سلامت
 ہوئی۔ آپ میرے خدمت میں تمہیں "دوبہ" میں "منو" کے چھوٹا ہوں۔ میں نے پوچھا
 تمہیں دئے۔ ہمارے جہاں تمہارے۔ میں نے سنا جہاں تمہیں وہاں تمہیں چھو۔ وہاں سے
 ہمارے مشعل ہو کر نہ جہاں سے جائے وہاں چلے چلیں گے وہ میرے ساتھ ہو گئے اور مکان
 فدا کاہ پہ پہنچے۔ سب سے ملے۔ انہوں نے اپنی تمام حقیقت بیان کی۔ یہ اس میں فدا

اہیں مقیم رہے۔ دوسرے روز سلطان، مشورے منائے ہوئے سوں نے صلاح دی کہ رزم پور سے بہتر کوئی جہان نہ ہو۔ نہیں آتی۔ میری شامت میں مجھے ہمنوا کھینچ کرے گی تھی۔ وہاں بھی وہی صورت پیش آئی جو دلی میں ہوئی تھی غرض کہ سب کی رائے اس پر قمر پانی کے رزم پور چھو۔ مگر چھپیں یہ نوکمر رستہ مسدود ہے رزم پور اور بریلی کی سرحد پر مہاراجے ہند سے ہوئے ہیں۔ فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔

اور وہ وقت وہ ہے کہ بریلی میں سب طرف سے مفردورین کا اجماع ہے اور سب رزم پور کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ اور ان محسوسے آدمی جمع ہیں۔ رزم پور سے تیس سو آٹھ سو ریلیں ہیں۔ رزم پور میں رزم پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھانہ اپنا پتہ رستہ اندھا دھن سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ آٹھ سو پتہ رستہ اندھا دھن سے اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اپنے تئیں دانت اور چار چار ٹپے سر میں سے دوسری تھواریں ڈب میں غلتی ہوئی ہیں۔ مہاراجے پور میں، شہر میں عورتوں کے ساتھ چرتے ہیں۔ بچوں میں رزم پور کا اجماع بریلی میں موجود ہے اور سپاہ انگریزوں کی آمد کی خبر چار طرف سے رزم پور ہے۔ تھوڑے عرصے میں رزم پور کے ریلیں سے نکل کر رستہ کو چھوڑ کر جنوب کی جانب روانہ ہوئے اور یہ ایک غیر رزم پور میں داخل ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم بریلی سے روانہ ہو کر قصبہ آلوہ میں پہنچے اور وہاں ایک مسجد منہ میں جا کر مقیم ہوئے۔ آلوہ کے ایک مرد آدمی حسن آرزو نام سے ملے اور گفتگو میں حال کرنے لگے۔ ہر وقت دریافت حال وہی کلمات نسوں نے بیان سے جو بہت فحاشی سے تھے۔ جنگ باز پھر کہنا چاہتے تھے کہ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ دھر دیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک کتہا آیا جس کی جنگل کی طرف سے دوسرا رزم پور گھوڑے اور اسے چلتے آتے ہیں اور ان مسجد کی بنیادیں پر آکر گھوڑوں پر سے ترے اور عورتوں کو رستہ سے ہٹا دیا۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ جب پاس سے تو میں نے اس کو پایا کہ احمد خان جرنیل جھم سے ہیں۔ باجریل صاحب آپ کہاں۔ نسوں نے بیان کیا کہ ہند کے ٹھکانے میری مہاراجہ کی تھی اور میں ہزار فوج سوار و پیادہ مع توپخانہ جات انیہ و میر کے رہے تھے۔ جب انگریزوں کی فوج دریائے گنگا سے اس طرف عبور کرے گی تو میری فوج بغیر ٹپے بھڑکے بھاگتی ہوئی۔ ہر چند روکا گیا مگر کون سا تھا اور سب ہم و تن چھوڑ کر منہ ورنہ ہو گئے۔ اٹھ سو رزم پور چلے روئے تھے۔ چار ہزار بھی اپنی جان بچا کر بھاگے

حڑے ہوئے۔ جب یہ تقریر احمد خاں کی قسم ہوئی تو جنب باز خاں نے ان پر مرد کو سلام کیا جو ہم کو بودا اور نامزد ہوتا ہے تھے۔ وہ حضرات اسی وقت کھڑے ہوئے۔ خواں اپنے مکان کو روانہ ہوئے۔ ہم دووں نے اس روز آنولہ میں قیام کیا۔ دوسرے روز صبح وہاں سے روانہ ہوئے۔ مقام شاہ پور۔ سمندری رستہ پر کارواں یہ مقام آنولہ سے کھڑوؤں تھا۔ غرضیکہ کارواں راودن میں بے نی در پھر تھک کر چور ہوئے۔ چنے کی طاقت۔ دون۔ پاؤں سانے گئے۔ تلووں میں گھڑ پڑ گئے۔ جانوں کا ایک گاؤں تھا اس گاؤں کے نام کا۔ بے شمار بے یہ درست کے نیچے تم کے مقام یہاں کی شاہیں یہ مسلمان تھے گاؤں میں سے پانی ہر نے کیا۔ تم وہاں یہاں کے کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں پڑے ہو۔ جا، پھر رہو۔ گاؤں کے غریبوں کی مجلس کے قوراء میں گئے۔ یہ لوگ مسلمان چاندنوں جات کے باشندے ہیں۔ یہ غریب خات بہار خاں کی سمندری میں جو بڑے بڑے گھر تھے ان میں سے ان پر بڑے خضر، تم کے ہیں بے یہ بڑے پنہا۔ رہے ہیں۔ ہم نے سنا کہ تم بھی مرنے کو بھرتے ہیں تم مرنے سے سخت جان ہیں کہ ہمیں کی طرح مرنے نہیں آتی۔ تم خدا سے چاہتے ہیں کہ ہمیں وئی جان سے مار ڈالے۔ اس روز رورن مسیبت سے نجات حاصل ہو۔ دو بچہ پانی کا خضر سر پر رکھ کر گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا اور آکر کہا کہ تم کو مقدم جی بلاتے ہیں۔ ہم نے جواب دیا ہم فقیر ہیں اور گاؤں میں کیا کام ہے۔ ہمیں یہیں پڑ رہے ہیں۔ رات کو سیر اسے رنج کو چتے جا رہے گئے۔ اس شخص نے نہ مانا۔ وہ ہم کو اپنے ہمراہ چوپاں میں لے گیا وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا قوی ریکل جون دڑھی چڑھائے ہوئے ایک بہت بڑے ہاتھ پر بیٹا ہے اس کے ایک بہت بھاری لٹھ دھرا ہے۔ اس جو انہوں نے ہم کو دیکھا کہ وہاں کی بیٹھ جاتا۔ برابر اس کی دوسری چاؤنیے پاؤں کاٹھا ہو تھا۔ اس پر ہم کو جینے کی اجازت دی۔ ہم بیٹھ گئے اور وہ عورت جو ہمارے ہمراہ تھی الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھی اس نے (مراہٹ کے) ہم سے استفادہ کیا ہم نے بیان کیا کہ ہم پر دیسی ہیں۔ دن کے رہنے والے ہیں۔ تہہ و برباد ہو کر گھر سے نکلے ہیں۔ غریبوں کے خوف سے جان پانے چرتے ہیں۔ اس پر وہاں کے ہارواں۔ اس ہارواں نے ہمارے حال پر بہت تامل کیا اور ہمارے منہ ہاتھ دھواے۔ تھوڑی دیر بعد میں وہاں آیا ابھی سے چپ کی ہوئی اور اس کے ایک بچے کا تے میں وہاں در شکر منہ ہارواں کے گئے رہے اور ہم سے سنا کہ چھٹی

طرح خوب یہ ہو رہا ہو۔ اس نیک صفت عورت جیسے چھوڑ دینی چاہی۔ حد تھاں معلوم
کے ہماری چوپاں میں جا کر رہے۔ صبح کو جب ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس مرد ہمارے
ہم سے کہا کہ تمہارے پاؤں تو سو جے ہو۔ چیں۔ راستہ کیو نکھر گئے ہو گا۔ اور اپنے گاڑی میں
کو بٹا کر کہا کہ ان کو گاڑی میں سوار کر کے شاہ آیا۔ بچہ۔ وہاں پہنچے اور اپنے پاس
سے زاور و ہمارے حوالہ کیے۔ ہم نے ہر چند دینے سے انکار کیا مگر اس صانع ہمت نے ہر شے مانا
اور ہم کو سوار کرا کر شاہ آیا۔ بچہ۔ ہم نے نہ دینا رقی رانی ہا ہا ہا شہر یہ دیا
مرد شاہ جب نے خد خد

[illegible]

نہوں نے سنا کہ دروازے تھپس تھپس میں سے جیوں۔ غرضی ایک جاگت بانسوں کی چار
 اور بی تھری ڈولی ہونی تھی۔ اس طرف سے تھ میں داخل ہوئے۔ اب یہ قرار ہوا کہ تھ
 میں تو آگئے۔ اب کہاں قیام کریں میرا خادم عباس نے کہا کہ ایک شخص میں قیام کریں
 ان کے رہنے والے یہاں رہتے ہیں ان کے مکان پر چھوپا چھپ گھڑی رات گئے ان کے
 مکان پر پہنچے اور ان کو دیا۔ وہ باہر آئے نہوں نے سب کو شناخت کیا۔ مجھ سے ان سے چہ
 قوت بھی تھی وہ گلے سے ملے اور ان کی اور بھی میں ہم سب بیٹھے۔ انہوں نے پانی ڈولی۔
 نمازیہ کیفیت بیان ہو رہی تھی کہ ایک فتنہ انگیز خاست ہو ایک عورت، یہاں میں
 یہ حال سن رہی تھی کہ اک بار گلی اس نے غل مچا کہ محمد، کو، وہ اس بید سے تھیں باقی
 دُک کر چھپے ہیں۔ ہر چند میرا اسیم علی نے بات دہرے، فتنیں میں، فتنیں چھپیں۔
 یہ باقی نہیں ہیں میرے بھائی بند ہیں، ان سے آگے ہیں۔ وہ بدست اب نئی تھی۔
 نہوں نے اس سے سنا کہ اچھا میں ان کو راجد پانچو، پانچو، تو انہوں نے دیا۔ وہ
 سے ایک بڑی کے مکان پر پہنچے اور ان سے جا کر بیان کیا کہ یہ وہ میرے عزیز قریب
 ہیں۔ آپ اتنی عنایت کریں کہ آج کی رات ان کو اپنے مکان پر مہمان رکھیں۔ ان میں
 اپنے ہمراہے جاؤں گا۔ وہ اس بات پر راضی ہوئے اور ہم شب وہیں رہے۔ ان کو کچھ دیر
 مکان سے باہر ہوئے۔ میرا خادم عباس سے کہا کہ یہاں یہاں ہے انہوں نے کہا کہ اب
 چل کر اجیت پورن سر امیں بیرون شہر قیام کریں۔ میں تم کو ایک امیر حاتم ہمت کے مکان
 پر سے چلتا ہوں اگر اس نے حاجی بھری اور تم کو اپنے مکان پر ٹھہرا لیا تو پھر خوب صاحب بھی
 نہیں کال سکتے۔ غرضی اور سب کو قور سے جیت پور کو روانہ کیا اور میں اور خادم عباس
 امیر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ بڑا دروازہ ہے اور اس میں ایک
 دیو خانہ ہے۔ وہ ایک چوٹی تخت بھی ہوا ہے اس پر جا کر بیٹھیں ڈولی سے ایک مرد
 ناراضی عمل مینے ہوئے سچ پانچ رہے ہیں میرا خادم عباس کو ایستہ ہی کتاب دیا اور
 اسے میاں غلام عباس تم کہاں چلے گئے تھے۔ تمہارا بیٹھنے کو آگھیں۔ اس میں غرضی
 باہم مصافحہ کر کے ہر تینوں شخص تخت پر بیٹھے۔ میرا غلام عباس سے ان حضرات کے حال
 دریافت کیا۔ انہوں نے اسے بتا دیا کہ یہاں یہاں ہے انہوں نے کیفیت بیان کی تھی
 میرا صاحب مخدوم بہت رونا کے فہم اس کی قریب بیٹھنے میرا خادم

نے کہا ان کا حال نہ دریافت کیجئے۔ آپ کو سننے کی تاب نہ ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دلی کے بنے واسے ہیں اور عمائد شہر سے ہیں مگر اب تو مصیبت زدہ مظلوم سید ہیں۔ جب سید کا غفدہ ن کی زبان سے نکلا تو وہ بزرگوار کریم الصفات شخصہ کر مجھ سے بعلمگیر ہوئے اور میرا خادمہاں سے کہا کہ واسطے خدا کے تم مفصل حال بیان کرو۔ ان کی کیفیت سن کر میرے دل پر مہایت صدمہ ہوا۔ میرا خادمہ عباس نے بیان کیا کہ ذراں شخص ہیں۔ اس منصب کے کتب ہیں۔ گھر دارت کیا، خانہ ویران ہو کر پنی جان چاکے چرتے ہیں۔ زمین بھی اپنے پرانے رہنے نہیں دیتی۔ ان کے سادات نوزی فرماے اپنے مکان پر تھر قہوڑی کی جاویں روئی، ان ٹھکانوں میں یہ آپ کے حسن مدہوتے۔ یہ شر و فشتہ زیست ہے میرے ماں بھیسب کے پانچیا چارسی فاطمہ میرے فقیر حال۔ پرمہمان ہوں۔ میں میں سعادت ورتن نصیب ہے کہ یہ میرے مکان پر تشریف رکھیں اور اس سے ساتھ یہ امر بھی آپ سے ہے۔ باب تک فصیح اللہ خاں کا جسم سلامت ہے کی کا مقدر نہیں کہ اکی جانب آنکھ کھارے۔ اس وقت ضمہ دیا کہ میری مینہولی سے جاوا رہا تھی صاحبوں کو سار کر کے آو۔ غرمکروان خانہ میں فتنہ کرادیا۔ خدا متکراں سے مدد بخدا مت میں حاضر ہو اور گھر میں بھانا تیار کرانے کا حکم بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے والد در بھائی اور بھوئی بھی آئے۔ نوب صاحب سے ملے اور بہت خوش ہوئے اور کھانے کے واسطے گھر میں مدد دیا کہ ادنوں وقت تیار کر کے بھجو دیا کرو۔ غرض کہ اب فضل ہی شامل ہو اور اس دشت گردی صحرانوردی سے نجات پا کر یک امن کے گنبد میں ہم ہو بیٹھے۔ دو تین روز کے بعد اس رئیس مسافر نوز نے یہ اور احسان کیا کہ نوب ووسف علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے پاس آئے۔ نوب صاحب نے پوچھا داد صاحب آج آپ کس طرح تشریف لائے۔ کہا کہ میں تمہارے بھائی آپ سے واسطے آیا ہوں۔ نوب صاحب بہادر نے پوچھا کیا تمہارے۔ فصیح اللہ خاں صاحب نے کہا کہ زو عجبے۔ نوب صاحب نے دریافت کیا کہ زو عجبی کونسا ہے۔ کہا کہ پانچ شخص مسی فاطمہ کو میں نے اپنے مکان پر پناہ دی ہے۔ تم سے اس بارہ میں امداد کا خواستگار ہوں تاکہ تم اس کار خیر میں شریک ہو۔ او یہ ہے کہ یا تو تم صاف مجھ سے نہ دو کہ تم ان کو اپنے مکان پر نہ رکھو تو میں ان کو رخصت کر دوں یا حمایت کرو تو پوری کرو۔ بعد چار دن کے اگر تم ان کو گر قدر کر کے انگریزوں کے سپرد نہ دو تو یہ مجھ سے گوارا نہ ہو سکے گا۔ جب میرا سر کٹ جایگا جب کوئی ان

کوتاھ لگے گا۔ نواب صاحب بہادر نے فرمایا کہ جلال صاحب میں یہاں تک نہیں ہوں کہ سادات میرے گھر پر آکر ہناہ پذیر ہوں اور میں ان کو آگے دے کر قتل کرادوں۔ ہرگز مجھ سے نہ ہوگا۔ بٹھر طید بریلی میں نوکری نہ کی ہو۔ فصیح اللہ نے قسم کھانی کہ نہیں دلت انہیں نوکری سے یہ تعلق وہ تو دلی کے آدمی ہیں۔ شاہی مہر و ہری میں یہ نوکری نہیں گئے۔ شاید تمہارے لوگوں کے نام و نشان سے واقف ہو۔ کیونکہ ان میں بہت نواب تک رست ہو۔ جب فصیح اللہ خاں صاحب کے نام بتائے، عہدے بتائے، نواب صاحب نے فرمایا۔ میں سب سے واقف ہوں۔ کوئی بغاوت پیشہ نہیں ہے۔ شوق سے اپنے گھر میں رہتا ہوں۔ ہاں ہمینان کر دو کہ اب کسی طرح کا تم کو جان کا اندیشہ نہیں۔ میں سمجھوں گا۔ بریلی کا عہدہ ہونے کے بعد میں خود تمہاری صفائی انگریزوں سے کرادوں گا اور معافی نامہ دلاؤں گا۔ چین سے یہاں بیٹھ رہو۔ یہ باتیں کر کے فصیح اللہ خاں صاحب وہاں سے خوشی خوشی مکان پر آئے اور ہم سب سے کہا کہ مبارک ہو۔ میں نواب صاحب بہادر سے تمہاری صفائی کر لیا۔ نواب صاحب بہادر نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں انگریزوں سے معافی نامہ دلاؤں گا۔ جہاں بی جا رہو۔ کوئی مزاحمت نہ ہوگا۔ غرض کہ اس امر کے بعد ہم کو اطمینان کلی حاصل ہو گیا اور اب خوف و خطر رہنے سننے لگے داغ صاحب کو خیر ہوئی۔ وہ کسی روز آگے سے نمونے سے یہ سن سوک گیا کہ مجھے اور میرے چھوٹے بھائی امیر احمد کو سدا بہادر رضا خاں صاحب و داد نواب یوسف علی خاں صاحب مرحوم کی سرکار میں نوکر رکھوا دیا۔ سدا بہادر صاحب کے مکان پر مشعرہ ہوتا تھا اور فٹنی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم آگر نواب کی غز و پانی غز پڑبا کرتے تھے۔ صاحبزادے محمد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ رہو۔ یہ چند انکار کیا کہ ہنوز ہمارے اساتذہ درست نہیں ہیں۔ مصیبت رہا، میں یہ غز نہیں گئے۔ مگر صاحبزادے صاحب موصوف نے ریادہ تراصر فرمایا۔ تاچہ نامہ کے غز میں مشعرہ میں پڑھیں۔ اس کی روز سے تمام مہم پور میں ہمارے کام میں تہمت ہوئی۔ صفت نے ہماری گرویدگی اختیار کی۔ نواب صاحب بہادر نے حسب وعدہ بریلی میں جا کر صاحبان انگریز سے صفائی کا سارمیفلیٹ حاصل کر کے ہمارے پاس بھیجا دیا۔ عہدہ چار سال کے قریب ہم رام پور میں رہے انہیں یہاں میں ہمارے گھر کے آدمی بھی پانی پت سے رام پور پہنچ گئے۔

چھٹا باب

وطن کو مراجعت

نواب فصیح اللہ خان صاحب جن کے وصف واد پر بیان ہو چکے ہیں یہ نواب فیض اللہ خان بہادر مرحوم کی اولاد میں سے تھے اور نواب یوسف علی خان بہادر نواب مرحوم پر کے رشتہ کے والد ہوتے تھے۔ رہانہ قیام بہار میں جب میرے گھر کے آگے میرے پاس پہنچے ہیں تو ایک سال بعد میرے گھر میں ٹکاپید ہو۔ اس کا کام سجاد مرزا صاحب کیا۔ دو بچے سات مہینے کا تھا جب شہر و گزشتہ چار سال پہلے میرے پاس پہنچے اور مصممات شہر یہ تھی کہ مرکار نے اس کا قصور معاف فرمایا۔ جس جس کی جائداد دہلی میں ہو وہ آکر سرکار میں عرضی گزارے۔ بعد تحقیقات اس کا رٹینگیٹ وراثت کا دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی خوشی میں میں مرحوم پر سے ان کو تیار کر رہا تھا کہ میں مصممات صاحب شہر تھے اور وہ صاحب بہادر اپنی مشاہدہ ملی تھے مگر یہ دونوں حالتیں یہ تھیں کہ مصممات صاحب رہا پار وراہ تھے کہ ان کی تعریف میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں بہادروں نے ان کو تیار کیا یہ اور خلقت و شہر میں بسایا اور ورعیت نزاری فرمائی کہ رعیت کے دل سے سب رنج و غم رہانہ نذر کا بھرا دیا۔ میں نے شہر تشاب میں کو پر صاحب بہادر کی تعریف میں یہ نہ لکھا کہ فی حقیقت وہ بیان واقعی ہے اس میں جھجکاؤ نہیں ہے یہ تو اور مان تھا۔ کارخانہ روقہ، غضب اللہ صاحب قیام و صد با مجتہد چھوٹے ہوئے تھے۔ اور جاہل سے ان کے آگے آگے رہا۔ اس میں چھتے تھے اور ان میں تمکین چھتے تھے۔ ان کی تھیں۔ مرزا بہادر اس چھتے کی پر چھٹے جاتے تھے اور انکے صاحب شہر حیت پر تھے جس وجہ سے چھٹے تھے۔ چھٹے سے شہر سے مراد ہے۔ پر شہر تصور ب تصور ان نہ تھیں۔ چنانچہ بہت سے آگے ب تصور ان کے شہر کے جن میں کہ میرا اس بار نام آ رہا تھا میں تھے شہر نواب محمد حسین خان اور نواب مستفید مراد۔

میر محمد حسین، غیر دسکناے محمد علی ماراں اور بے گرفتار ہو کر دیں گے۔ جب مقام گڑگاؤں میں پہنچے تو حاکم ضلع نے حکم دیا کہ ان کا دل سے چنانچہ ضرورت نہیں ہے۔ ان کا ایک فیصد، دہانچا پتے اور ان غریبوں کو، چیں بائیں ماراں کی نہیں اور ان کا کام تمام برائیاں میں بڑا سب سے اچھا پتے اور، شاہ کو قید کر کے محراب سے نکال دیا گیا۔ شاہ عباس وغیرہ شاہزادگان خورد و سال و ہمارا پورا تہذیب و تمدن میں سے جا کر انھیں رہا دیا گیا۔ ایک رہائے یہ دیکھنے میں آیا کہ نواب احمد سہ سے برٹش صاحب بہادر گورنر جنرل نے بریت سے ہندوستان کو آئے اور کام عادل رحمن مقرر کئے گئے اور رعیت کو مثل ان کے چھاتی سے لگایا گیا اور حاجت سے مل کر دیں میں آدھا کیا گیا اور سب کی جائداد وراثت دی گئی۔

یہ وہی فورٹ صاحب حاکم گڑگاؤں تھے۔ جنہوں نے گرفتار ہو کر، شاہزادہ میں سے لے لیا تھا۔ مقام بجلی بن میں متصل پہلی بھیت پہنچ کر اسماعیل خاں جرنیل کی معرفت تمام باغیان باغیہ فوج کا تصور معاف فرمایا۔ اور گھوڑے اور ہتھیار سے کر سارے تھیلے معافی تصور کے تقسیم کئے اور ان کو گھروں و روٹوں میں ان روزوں میں مقام ریمپور میں مقیم تھا۔ جب یہ معاملہ پیش آیا ہے اور اسماعیل خاں جرنیل فوج باغیہ ریمپور میں آئے ہیں اور ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ان کی زبانی یہ سب حال پنجہ کو معلوم ہوا اس وقت تک چائیس ہزار فوج باغیہ نے جو مسلح بھیجن میں موجود تھی ہتھیار ڈال دیے۔ یہ سب انقلابات میر کی نظر سے گزرے ہیں۔

تلاشِ معاش قصہ کو جا جب میں دہلی میں آیا ہوں اور کوپر صاحب بہادر

۱۔ یہ وہی رڈ برٹش ہے جو غدر کے ایام میں وجاہت کے غفلت گورنر (چیف مینسٹر) تھا۔ رڈ ایجنٹ کے مرنے پر ۱۸۶۳ء میں اسے سدو تان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ بادشاہ کے مقدمہ میں کمیشن کے فیصلے پر اسی نے ریویو لکھا تھا اور بادشاہ کو علاطین کرنے کی سفارش کی تھی۔ غدر کے ایام میں ہی نے پنجاب سے سبھوں کی فوجیں دہلی بھیجی تھیں۔ ان خدمات کی وجہ سے گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ اس نے دہلی میں مسز کوپر کو ان ملاقات مقرر کیا۔ اور غدر کے زمانے کے بھاگے ہوئے مسدودوں دہلی میں گرتا ہوا ہونے کی جارت دیدی۔

سے مل کر اپنے مکانات و گزاشت کرائے ہیں تو اس کے بعد میرے والد بزرگوار صاحب مل
و میں کو ہمراہ کر دہلی میں آئے اور امر و میرز میرے چھوٹے بھائی و ممدوی۔ جب مل
خان صاحب کے چھاپے خانہ میں کتابت پر پچیس روپیہ ماہوار کا نوکر تھا تو مقام جہڑوں
اب (ضلع بودھینہ) کو لے گئے و درود بزرگوار میرے چھوٹے بھائی کے ہمراہ گئے۔ میری یہ
کینیت تھی کہ میں بے روزگار تھا۔ ہمدان و میں اور میری خوش دامن و غیرہ اور میں اپنی
سرس کے مکانات میں مقیم تھا۔ اب مجھے ور قدر و معیار ہو کہ ہی دن میں تو کیا گھر
وقت کی کیا صورتوں کے اور رہانہ قہر ساں کا تھا۔ کچھ یہ خانانہ کا تھا۔ اس کے
درخت بہ میری بچھ میں ایک بات آئی۔ چوہیدار کے روٹی پیدا کر دینی چاہیے اس روٹی
رٹل، ملی میں نہیں آئی تھی۔ کات میں پر اسے روانہ ہو جاتی تھی اور اس کے
مورے بات مرے تھے۔ ذاک خانہ میں موزوں کی بات خانہ شکار کی تھی میں نے خانہ
ن کا تو اس ایک موزا قلعہ میں ایک گریڈ پاس تھا۔ میں نے اور ایک نے شریک
و موزا چودہ روپیہ کو خرید لیا۔ اسے برآمدہ نوں، ک خانہ میں بیٹھے۔ تو روپیہ ۵۰۰
ہائے کے چودہ روپیہ ہائے کو اسے اسے منافع ہمدانوں نے برآمدہ شریک رہا تمام آتے
آٹھے روپیہ لے کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ پھر تو ہمدانوں کیوں وہ یہ موزوں
علی شریک ہے اپنے گھروں سے دو ہائے کر نکلتے تھے یہ راق مطلق و روزی اپنے اسے ن
بھر شہر میں گھوڑے سداش کرتے ایک دو گھوڑے ہمدانوں جاتے ہمدانوں قیمت پر خرید
کرتے اور اس قیمت میں ذاک خانہ میں جا کر فروخت کرتے تھے روز خد و نداد ہمدانوں
پندرہ روپیہ بھانڈے کے دیتا تھا۔ شرم کو خوشی خوشی ہے گھر چلے آتے تھے۔ ہمدانوں
معلوم بھی نہ ہوتی تھی کہ کئی روز کے بعد ایک گھوڑا پھر ہمدانوں سے تیرہ روپیہ کو خرید اور وہی سدا
روپیہ کو جا کر ذاک خانہ میں بیٹھا۔ اسے حرا خد کے تھاں ہمدانوں نے لے جاتا تھا ورنہ یہ
تھی کہ باعث قہر سائی کے دووں کو گھوڑے کا رتنا شور معلوم ہوتا تھا۔ مجھے ہمدانوں قیمت
پر فروخت کر دیتے تھے۔ ایک روز کا نادر ہے کہ ہمدانوں پر تک مستعدی رہے۔ ہمدانوں گھوڑا

ضلع بودھینہ میں تھیں۔ جہاں ہمدانوں کو سب مل جانے

میں ہمدانوں کا تھا یہ ہمدانوں تھیں ۹۶ سے نقاب میں آئے۔

دستیاب نہ ہوا۔ وہاں کو کچیلوں کی گلی میں گزرتے تھے کہ یکا یک ایک شخص نے ہم سے کہا کہ ہمارے پاس ایک گھوڑا بہت عمدہ ہے۔ اگر تم خریدو، تو تم فوری طور پر لے لو۔ ہم انہیں آدمیوں نے اس شخص کے ہمراہ چار گھوڑے کو دیے۔ واقعی گھوڑا خوش قوم ترقی کی گتھا تھی سو روپیہ کو ہم نے، گھوڑا خرید لیا اور پانچ روپے بیچا۔ ہمارے مالک کے حوالے سے اور باقی کا عدد کیا کہ شرمور قیمت ۱۰ روپے کے اور خد پر تو کھل کر لے گھوڑا گھوڑا ہم سے کر چکے۔ جب تب شرمور کا کافی دور دور تھا مگر مکانات نہ آباد تھے۔ چارہ تھے۔ جب ہم کالی اور روہی میں پہنچے تو ایک چوہی کی دکان میں اس سے پوچھا کہ یہ گھوڑا کہاں ہے۔ ہم نے کہا ہاں چوہی کا ہے۔ چوہی ان کے ساتھ روزانہ باہر جاوے۔ ہمارے صاحب کی بیٹی پائی ہوئی ہے۔ وہ بیٹن کے پتھن میں۔ قریب کاٹریہ ریاست ہوا۔ ان کو یہ گھوڑے کی تلاش ہے۔ وہ کہتے ہیں فور خرید بیٹے ہم شرمور کے مالک پر نہیں صاحب کے ذریعے سے پاس پہنچے کہ صاحب خود ہی ذریعے سے نہ کہ وہاں کے دربار سے پہنچے گئے کہ گھوڑا بچتے ہو۔ ہم نے جواب دیا ہاں صاحب بچتے ہیں۔ چوہی چھوڑا یہ شوق تو نہیں کرتا ہے۔ ہم نے کہا نہیں صاحب یہ ترقی ہے شوقیہ یا جانے۔ ہمارے پاس یہ سواریوں۔ ہم نے کہا۔ بیشک سوار ہو کر، چوہی بچے۔ صاحب امریائی رین ہمدھو کے اس پر سوار ہوئے۔ گھوڑا نہایت قد میں نہ خوش رفتار تھا۔ صاحب بہت خوش ہوئے۔ گھوڑے پر سے ترقی کر قیمت چوہی بچے گئے۔ ہم نے چار سو روپیہ قیمت بیان کی۔ وہ اس قیمت زیادہ ہے۔ وہ جی اس نے چاہیں۔ بعد ازاں یہ کہا کہ پاس ایک گھوڑا ہے۔ وہ گھوڑا ہم سے کتنا قدر قیمت ہے۔ ہم نے کہا وہ گھوڑا ہمیں رکھو۔ وہ گھوڑا، گکار وکھا یا گیا۔ واقعی وہ بھی جوان تھا۔ اچھا تھا مگر اتنی بات تھی کہ قوم کا تاریکی تھا۔ بہر حال وہ گھوڑا اور سو روپیہ نقد ہم نے سے دے کر پنا گھوڑا ان کے حوالے کیا۔ ہم سو روپیہ اور گھوڑا اسے کر شرمور لے گئے کہ گھوڑے کی قیمت سے روپیہ مالک کو چل کر لے دیں۔ اسی کاٹی روزانہ کے غدر داخل ہوئے تھے کہ سامنے ایک کمرہ میں سے ایک بڑھے صاحب نے ہم کو آواز دی کہ ترقی گھوڑا پہنچے ہو۔ ہم نے کہا ہاں چوہی ہیں۔ وہ کمرہ سے نیچے اتر آیا اور گھوڑے دیج کر پسند کیا اور وہی معاملہ یہاں بھی پیش کیا جو صاحب بہادر سے پیش آیا تھا۔ جی یہ صاحب بھی بولے کہ ہمارے پاس ایک گھوڑا ہے اس گھوڑے کو ان گھوڑے سے بدل کر اور باقی قیمت سے روپیہ لے لے۔ وہ گھوڑا بھی جوان تھا۔ باتھریوں سے صاف۔ اسے ایک گھوڑا ہمارے گھوڑے کے کی قدر

غرتھی۔ قصہ مختصر سو روپیہ اور وہ گھوڑے رہ گئے پنا گھوڑا ان کے حوالہ کیا وہاں سے جس رہ گئے پہلے گھوڑے کے کی قیمت سے روپیہ اسے اس میں تمام نہ کی جو چھ روپیہ منافع کے تھے وہ برابر تقسیم کر کے اور گھوڑے پر سو رہا تو کر میں اپنے مکان کو روانہ ہوا۔ راست میں سے دانہ گھاس اگاڑی پچھاڑی میخیں وغیرہ اپنے ہمرہ لیتا، وہ مکان پر پہنچا۔ اور گھوڑے کو گادیا۔ گھوڑے کو دانہ خوب شکم سیر کر کے کھلایا۔ اور گھاس آگے ڈال دی۔ شب کو اپنے گھر میں آکر سویا۔ دوسرے روز صبح وڈاک خانہ میں۔ جائز پختہ روپیہ کو اسے تین فوجت دیا۔ خدا ان دین و دیہا چاہیے کہ ایک گھوڑے میں اور ایک اونٹ میں ہم دو سو روپیہ منافع دے دیے۔ غرض کہ جب تک قہر سہاں رہی مجھ کو معصوم نہ ہو کہ کرنی پڑے ہے۔ بعد میں ہر سے وہ گھوڑوں کی خریداری بند ہو گئی اور میرے بعد میرے پھوسے بھائی مراد علی شانی کرنے کے سے پانی پت میں آئے اور اس کی شادی کرنے سے پانی پت میں چھوڑ میرے پاس دلی میں چلے آئے اور آتے ہی بیمار ہو گئے۔ اور میں بیمار نہ ہوا اور وہاں شدت سے بیمار آتا تھا۔

مہاجن نے تالش کردی کی حالت بیماری میں تھی اس خزانہ نے اپنے قافلہ کی تالش مجھ پر اور میرے بعد پنا کر لی اور وہ قافلہ روانہ غدر سے پٹہ کا تھا جو شاہیوں میں یہ گیا تھا۔ اور جو سودا، سودا، گھوڑوں وغیرہ کے قریب آ رہا گیا تھا میں اور میرے بعد وہاں بیمار تھے کوئی جواب دہی کرنے نہ تھا۔ کھٹورہ ڈگری ہو گئی۔ اس میں میرے والد نے اتفاق فرمایا۔ میں ایک تو بیمار تھا اس پر یہ صدمہ عظیم واقع ہو۔ زیادہ تر بیمار ہو گیا تھا۔ خیر تجسیم و تقنین توان کی طور میں آئی۔ مگر میری زندگی کے سے پڑ گئے۔ میں تین دن میں خدا کر کے تندرست ہوا تو جبرائیل ڈگری ہو کر مکانات کے نیو کا قہم چڑھ چکا تھا وہ مکانات جو دس ہزار روپیہ کی قیمت کے تھے۔ ۱۰۰ ہزار میں نیو ہو کر قرغل خواہ کو دی دے گئے۔ ایک چہ جت، استیاب نہ ہو۔ ب تندرست ہو تو فرعون کی ہوئی۔ خدا کی قدرت سے ان روزوں میں یہ حیدر علی شاہی میں ہو گیا۔ میں تھوڑی سی تھک و کاچنسی (پان نوں) میں ہو گیا اور یہ رہا میں حیدر حسن بد خان نے مجھ سے قصہ مستند لکھا یا سو اس روپیہ ان کی جہت میں سے قصہ مستند فارسی سے راہ میں آ رہا تھا۔ بعد میں ہر سے بپا ہوا وہی حیدر بدیل ہو اور اس کے حیدر راہ کے حوالہ کیا تو انہوں نے اپنا عمل بھرتی

سالتوال باب

ریاست الور کی ملازمت ریاست کے حالات

مہاراجہ صاحب نہایت درجہ سے خوش یون - تیریں غنیمت خوش تقریر تھے - شام
نشہ میں فرما گئے - میں یہاں ت کار میں ہوں - میں سے کہنے والے - یہاں تو یہ سے
حاصل ہے کہ - میرے ہاں تو یہ بھی جائز کی روٹی ہے - برقیوں کو - ناگہان بد جانہ ہے -
میں سے ہاتھ باندھ کر عرض کی - یہ جو ہاتھ پیرا تھیں سے بہت ہے - وقت سے برکت
یہ وقت بھی مجھے روٹی مل جائے گی تو حضور کا دامن نہ پھیراں گا - میرا یہاں منہ سے
میں درکار کا چاہتا ہوں تو آگاہ نہیں ہے - میں یہاں چاہتا ہوں کہ میرا یہاں چاہتا ہوں
میں سے تمہارے شان ہوں گے تو مجھے پاسداری - اس میں کرنی - میں سے ان رعایت
تو نہیں ہوں اور میرے پاس رہنا چاہتا تو آگاہ نہیں ہوں اور میری محو میں کر رہا ہوں
ہا - وہاں چاہتا ہوں - میں سے عرض کی کہ میں نے خدمت میں رہنا محسوس ہے - میں
میں سے کہتا ہوں - غرض کہ میں اور میرا چاہتا ہوں کہ میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں
میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں
میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں
میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں - میں سے کہتا ہوں

میں نے میرے فخر کا

میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں
میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں
میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں - میں نے کہتا ہوں

[illegible]

نادرا اشیاء اور میرے شمشیر سے جس کی صفائی کی تمام ہندوستان میں، محووم تھی
 ایک ہی طور پر ہائی ہے کہ تمام جسم میں اس صفائی کے جانے جو وہ مانتی نصب تھے۔ جس وقت
 ہاتھ میں علم برسر موریہ سے اترتے میں آجاتے تھے۔ اور جب طور کا ہاتھ مار دیا تو وہ
 مانتی اور جانے جانے جو وہ تمام طور پر محل جاتیں۔ وہ طور میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی۔ اس
 سے وہ درست است نایب طور میں سے ہاتھوں کی سچائی میں دیکھنے میں آئیں۔ ایک طور میں
 سے تین طور میں۔ آمد ہوتی تھیں۔ ایک بجا مستی نے ایک پانچ گز دور ز۔ ایسا گڑبڑ
 جانندی کی ایک نیز تیار تھی اور اس میں ایک صفت یہ کی تھی۔ کہ جب سامنے کے رخ سے
 اس میں بچی پھیرا تو ایک طلسم کا رخ خان نمودار ہوتا تھا۔ جن اس میں سے ایک جانب ایک
 مارواری ہائی تھی۔ اور اس کی پشت پر پہاڑ لایا تھا۔ اور آگے مارواری کے ساتھ ایک نہر
 ہائی تھی۔ اور انوں کی جانب رخ کئے تھے۔ جس وقت اس کی کل کومر جاتا تھا تو ہارواری
 سے "یہ اور پہاڑ پر رات نامعلوم ہوتا تھا اور اس میں کرنی پیدا ہونے اور کرنی کی آوری تھی
 اور کئی نکلتی ہونی معلوم ہوتی تھی" اور میں برستہ دھانی دیتا تھا اور اس نہر میں پانی بہا دیتا تھا
 جاتا تھا اور چھوٹی چھوٹی چھیدیں اس میں رنگ کی اس میں نظر آتی تھیں۔

کتے شکار خانے میں جو بھٹیوں کا ارد نہ نوکرتھا۔ اس کو یہ کمال حاصل تھا۔
 مازنی توں نو شیر سے لڑا کرتا تھا اور دسے شیر کو مار لیتے تھے ہر با شکار شیر میں یہ کیفیت نظر
 سے مازنی تبت۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب کتوں نے چنے ہوئے تو وہ زبردست پٹ پکڑوا یا کرتا

[illegible]

مسند کے آگے بیٹھ کر کتاب کی عینوں کا وہ احاطہ کر رہا تھا جو اس کا ایک منہ دیکھ کر دیا جاتا تھا اور قریب میں چھپیں یہ منقش ہارے کے مراد و سامان پر کرنا تھا اور وہ اس کتاب سے توں میں دیا جاتا تھا اور پانچ چھ چار سے پانچوں کے چھوٹے خوب صورت و گہرے شامب اور رختوں سے رنگ کے یہ کتاب مسند سے راجد کیے تھے۔ مہاراجہ صاحب نے اس اندوکارن میں منقش کی جانب کھینچے اور اس کی ٹل ابھی اور بہت بار یہ اس میں سے برآمد ہوئی اور اس رنگوں کے چھ رہ گئے تھے۔ اور مہینے مہینے افشاں تمام غید پوشاک پر ہوتی

خدا بخش تھویر اور فقیر ظہیر۔

شرع کی نصرت عزت و آبرو فالت تھے اور شرع کی قدر دانی نہ کرتے تھے۔

الور کی ملازمت سے ملنے والی غرض تین چار سال کے عرصہ تک اور میں
 میں ہمیشہ گرم سے سر ہوتی رہی۔ بے وقت تغذیہ انداز یہ صحبت بھی ناگوار گزری اور
 درپے تخریب ہوا۔ قوم رنجوت کہ ہمیشہ سے شکر آئندہ ہوتے آتے ہیں اور مسلمانوں کی جانب
 سے ہمدردی و تعصب ان کی سرشت میں ٹکڑے اور نار و شک و حسد سے ان کے دل میں
 متحاب ہو کہ یہ لوگ مسلمان مہاراج کے درخور صحبت ہیں اور انھوں پر مہاراج کے پاس
 رہتے ہیں اور مصاحبت گرم ہے اور مہاراجہ حسب ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ کوئی
 تدبیر کی گئی چاہیے کہ یہ جمیت مشل اور اق کیخندہ منتشر ہو جائیں۔ چنانچہ ہمارے خفیہ یہ
 صدق و مشورہ ہونے لگے اور کچھ دیر سکھ بخار مخرج و تہذیب و فساد کے بغاوت پر
 براہیگتہ کیا اور سکھ دیو سنگھ رگی نے ایک جماعت بد سکال غار ٹکڑے جمعداری چھوڑ دی اور
 سے پانچ چھ ہزار آدمی سے جمعداری اور پر جمدا کی و رماقیہ تحصیل نرائن پور اور پرائن پور
 والے لڑائی وغیرہ پر تانت کر کے تاراج کرنا شروع کیا اور تحصیلیں لوٹ لیں۔ کھوڑوں سے
 مسطیل جو دیئے۔ جب یہ خبر مہاراج کو پہنچی تو اور سے وہاں خاص پٹان کو معہ مسلحہ پٹیل اور
 نوب کا درخت کو معہ رسالہ سوارن واسطے ہر کوئی فرقہ باغیہ روانہ کیا۔ ان بہادران نہار
 تھار اور غازیان نصرت و قار نے جاتے ہی ان بد معاشوں کی وہ بخش کاری کی کہ بھاگتے تھے
 آگے ورنہ کسی تک شیشیں اٹالیں۔ درست سے ہر غنوں کے سرسوار حضور میں بھیج
 دیے۔ نمبر پر غنوں کی ہریت پر حاقہ پر تاب بڑھ راجکھنڈ وغیرہ کی جانب مقرر ہو۔
 ان بہادروں کے وہاں بھی ن کا قلعہ سے میں سے کا قدم جمنے نہ دیا۔ آخر امرابکار پر
 ہمد کے آرائس و تہیہ و تہدید کی گرائے سے پھر جمعداری اور میں قدم رکھا تو رکار
 کی جانب سے بڑی خبر سے جائے کی۔ سب وہاں سے ہر پٹیمان ہو کر جمعداری کے پور میں پناہ
 پذیر ہو تو راجپوتوں کے غرضیاں سبیلحسی شروع نہیں کہ یہ مسلمان لوگ راجہ کو ہکا
 بکھرے رستے میں اور راجہ و مسلمان ریاستوں کے دونوں کا اور سے خرچ ہونا مناسب
 ہے۔ ان راجہ کے دور میں قند و فساد برپا ہوتا ہے۔ ہر کار سے مسلمانوں کے ٹیحدہ کر دینے
 کا حکم مہاراجہ صاحب سے پاس پہنچا۔ ایک حکم ہال دیا اور حکم ہال دیا آخر تیسرے حکم پر ہم

دووں نے متفق ہو کر عرض کی۔ ہم دووں کے واسطے آپ اپنی ریاست کیوں ہر باد کرتے ہیں آپ ہم دووں کو رخصت فرمائیں۔ ہم آپ کے قدموں سے لگے ہوئے پائے ہیں۔ ایک اور دن میں پھر حاضر ہو جائیں گے۔ غرض کہ رات سمجھ رہا ہوں کہ رخصت ہو کر ان میں آئیے۔ برس رو رہا ہوں تو انہیں کہہ پاتی ہیں۔ حد ایسا ہاں سے میں نے نوب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ سے یہ روز یہ بات کی کہ پورے صورت آپ کو معلوم ہے یہ مرتاب کے گھر بیٹھے ہوئے کون تنخواہ عمر بھر دیا کرتا ہے۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ریاست سب سے پورے میں کوئی سبیل روزگار کی نکل آئے تو بہت مناسب ہے۔ میں آپ کا کمون حساب ہوں گا۔ چونکہ نوب صاحب ممدوح کریم خاں تھے اور مجھے پیشہ کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور مجھ پر عطف بزرگانہ فرماتے تھے، انہوں نے اسی وقت نوب فیض علی خاں صاحب بہادر مہار کے نام میری سفارش میں خط لکھ کر روانہ کیا اور ان کے صاحبزادہ نواب محمد علی خاں نے بخشی آمد علی خاں صاحب رور کو چاہے نوب صاحب کے نام خط لکھی۔ پانچویں روز نوب مصطفیٰ خاں صاحب بہادر نے مجھے باکر نوب فیض علی خاں صاحب کا خط جو میری طلب میں آیا تھا۔ مجھے آیا اور فرمایا اب اس خط کو پورا کرنا ہو جائیے۔ اب جاتے ہی آپ کو خبر ہو جائیں گے۔ میں اپنی ساری ساری روئے ہوا اب جے پور میں پہنچا ہوں تو اس اپنے جانی خسر پور ہمدرد خاں صاحب آگاہ کہ مکان پر فرائض ہوا۔ پتے بخشی آمد علی خاں صاحب سے مدد اور ان کے ذریعہ سے نوب فیض علی خاں صاحب بہادر سے ملاقات اور نوب فیض علی خاں نے مجھے میدان داریا اور بعد دو ماہ کے مجھے شندار کا تھانہ دار کر کے بھیجا۔

ریاست جے پور کی عازمت شندار نے پور کا ایک پرانہ ہے۔ ٹوٹا مشرق و جنوب و حد جے پور کا اور قصبہ سے تین سو پانچ سو چھل ہے۔ ریاست کی محکمات چھل میں شامل ہوئی ہے اور ایک اور ندی کا قصبہ ریاست کی چھل میں ملتی ہے۔ ایک بت خانہ ہے اسے ریسرہتے ہیں۔ اس کے نیچے تینوں کا اجتماع ہوا ہے اور وہ خانہ چھل مائن جے پور ہوا یہ حد فیصل ہے۔ شندار میں پائے وہ قلعہ مستحکم و وسیع ہے۔ کئی ہزار آدمیت سپاہ اندرون قلعہ رکھی ہے۔ پہاڑ بہت بلند ہے۔ کوستان قلعہ ریسرہ سے یہ دو پانچ چار میل کے فاصلہ واقع ہوئے ہے۔ یہ نہ شندار کا قصبہ بلکہ مت ساری ہوا ہے۔ کر رہا نہ تھا نہ

واری کے حالات تحریر ہوں تو یہ تاب میرا تھیں ہوتی ہے۔ خالص یہ کہ نہایت حیات
 آبرو۔ حکومت کی نوکری تھی۔ بارہ بار وہ اس ملک کا قریب حکومت تھی۔ وہ وہاں رہا۔
 اسی تھانہ سے تعلق ہے۔ پانچ سو سال تک اس پانچ سو سال میں وہ حکومت میں رہا۔
 حاصل ہوا کہ اس کے پیش و پشت فرشتے ہوں گے۔ بعد چوبیس سال تھانہ میں تھانہ
 ہوئی وہاں سے جے پور آیا تو اہل دیوبند سے بے چارے تھے اور اپنے بھائی سید محمد
 مراد صاحب دس چار کے مکان پر مقیم تھے۔ میں سے جے پور میں آکر مکان کر یہ کہ یہ
 اور گھر کے آدمیوں کو وہاں رکھا اور آپ تمیر کورہ نہ ہو۔ تمیر میں جب پہنچا تو معلوم ہوا کہ
 یہ تھانہ صدر ہے اور اس کی آبرو تو جے پور میں رہ رہی ہے اور قلعہ محاور قلعہ ریاست جے پور
 کے یہاں تھانہ کے واسطے مسند تکیہ پایا جاتا ہے خیر چھوڑا پنا فرغ منجھن اور تارہا۔
 اور قریب آج۔ وہاں میں بہت سی رہائی معلوم ہوا کہ یہاں رسد وغیرہ فرما کر رہا چاہیے۔
 اس کے صاحب ہوا۔ روق اور ہوا۔ رستے میں اور چند روز قیام فرماتے ہیں۔ تھانہ دار کا
 مکانی یہ حکومت رہتا ہے۔ ہر سال وہاں فرما رہا ہے۔ اس کے پاس شراعت
 کے۔ وہاں تمام کے وقت جہان تھانہ کے ساتھ اس کے کوہ محکم میں چل کر رسد
 اور وہاں۔ بچے مصروف تھے کہ یہ رسد میں انہوں نے سنا کہ آپ چل رہے
 معلوم ہوا کہ میں نے۔ فرستہ میں تھا۔ کھاکر دستار رکھ کر کمر باندھ کر ان کے ہمراہ ہوا۔ اور
 جب دار میں پہنچا تو جہان من من ایرج من شیعہ منی اور جے پور و نوکر میرے ہمراہ ہوا۔ میں
 آگے بڑھا تو ہندو قصاب جو غصہ دار رہا۔ ہارنی تھانہ چائیس کر کے اس کے ساتھ ہو گیا۔
 میں یہ قماشہ میو رہا ہوں اور ہتھ مضمون نہیں کیا۔ وہاں جب مندی وہاں وسط میں پہنچا تو
 ارہارہ محکم کا نمبر رہا۔ وہاں میں دروازہ داخل ہوا تو دیکھا کہ اس کے وہ یہ قلعہ وسیع زمین کا
 تھا اور پہاڑ جانب اس کے عمارت تھانہ میں وہاں سردار بے حال شان اور ستارے من
 میں ہیں اس کے ساتھ سردار ہے اور سے پتہ میں اس کے محل کا رازہ ہے اور اس پر ہاونی ہے یہ
 صورت ہے کہ پہاڑ جانب وہاں سے ہاتھ سے تھیں۔ تھیں وہاں پہاڑوں سے پتہ میں تھانہ
 شہر ہے۔ مغرب کی جانب جو پہاڑ ہے وہ بہت بلند ہے اور اس کی چوٹی پر جا کر قلعہ وسیع ہے اور
 زمین کوہ میں محکم واقع ہے۔ اس میں پہاڑ کے ٹیپ میں جانب شرق میں محکم کے نیچے
 کہ پختہ تاب ہے کہ یہ اس کا دست قلعہ ہوتا ہے اس تاب سے وسط میں اس

شاہیہ کیا ہے کہ اس کا ارتفاع سطح زمین سے آریب اس گڑ کے ہے اور وہ باغ کے سب سے
 سرخ کا ایک کڑا ہے۔ جب اس تار ب میں پانی نہ عمیق نہ ہونی ہے تو اس باغ میں چھوٹی کشتیوں
 اور جرود وغیرہ کے بارجہ سے عبور کیا جاتا ہے۔ یہ باغ ان محلات کے پر ہنم و آئینہ ہے۔ جب
 کیفیت کا مقام سے اور ستر محلات اور قلعہ کے مستقیم ہے۔ غرض کہ سب کچھ پر چڑھ
 کر مندر میں داخل ہو تو نہایت خوش قطع عمارت نظر آتی۔ جنوب کی جانب ایک بڑا مکان
 دربار داران ہے جس کے بعد دو حجر و وسیع ہے جس میں سردائی کی ہر گنجی ایک صورت قد
 آہ ہے اور ایک جانب کوس کامرہ آہ ہے غرض کہ وہ شہر کی تو پچھریوں مندر سے
 باران صورت کے رنجیں اور کے کے باران مندر میں سے ہے۔ یہ
 میں سے اس میں ایک منور نے یک درجہ اور پچھریوں کے تھن میں سے
 چرخ کی کے روشن سے اور عمارت پر سے تار پر حدود کے سے درجہ سے ہاتھ ہیں۔
 میں چہرہ نہیں سمجھتا اور بہت سے کھلے اور کھڑیوں اور قہریوں اور تار کے وغیرہ کے شہر
 سے اور تمام مندر میں روشن ہوئی۔ یہ گڑ کی پہرہ یہ تماشا میں کے درجہ داران سے
 فاش ہو کے تو پچھری تھی میرے پاس آٹھڑے ہوئے اور مندر میں غوارتہ روشن تھے اور
 مندر کے گن میں مشعل کی کھڑے ہوئے اور ایک گن میں یک درجہ سے ہاتھ
 میں سے کر آمو جو ہو۔ ب ایک ہر کے کے سینگوں میں رسی باندھ کر ایک شخص کے کے
 سے کھینچی ایک شخص نے پیچھے سے عرب کو کھینچی اور اس شخص کے دونوں ہاتھوں سے وہ
 وہاں سے ہار۔ بکری کی گردن اڑ کر اور جاری۔ سی صورت کی حرکت ہوئے۔ سے وہ
 میدان سے ہیں۔ غرض وہ منگامہ ہو یا تو پچھری کے شیرینی تقسیم ہوا اور نصرت کی
 ب ہم کو معلوم ہو یہاں کی یہ نوکری ہے۔ یہ رسوا تھانہ اور گڑ داران ہے غرض کہ سب
 معمول روز شمار کو جانا پاتا اور پہرہ رت کے وہاں آہوتا۔ ایک دن شام کا وقت ہے
 آفتاب پہاڑ کے نیچے چلنے لگا ہے۔ چہرہ ہاتھ شہر میں آہٹ پر پھیلی ہیں۔ وہاں ہی چھپتی جاتی ہے
 ایک عورت رعن خوش رو بھر باندن اور قیامت سے مندر میں شاہیہ داران وہاں سے
 باندھا ہو نہایت عمارت پر بارگاہ اور کے کھلے داران سے داخل ہوا وہاں پہاڑ کے
 سے چہرہ کے پاس گر ہوئی روکی۔ میرے خاص رقد کے مجھے کھجور کے تار و یا میں سے
 اور گر ہوئی کی باک تھامی اور وہاں بوجھ کر ہاتھ میں کے گر ہوئی پر سے تار و یا اور خوب

گھوڑی کا جائزہ لیا اور چند قدم گئے۔ گھوڑا نے گائے کے تئیں چار دوڑا دیا اور اس نے میرے ہاتھ سے گھوڑی کے دلور میں سے اسے بڑھ کر سلام کیا اور نذر اٹھائی۔ فرمایا میں نذر تو ٹھہر کر رہوں گا۔ قریب ہر میری کر گھوڑی۔ میں نے پہلے تو دونوں جانب سے تلواریں ڈاب میں سے کھینچیں اور پھر گھوڑی کے دلور میں اور وہاں بھی کر سب چیزیں چھوڑے پر رکھتا جاتا تھا۔ بعد ہمارے وہاں پہلے گھوڑی کے نیچے اور سفید واپند تھا وہ گھوڑی اور اس کے نیچے اور ایک نذر رہتی تھی وہ گھوڑی۔ اس میں ایک چھوٹا گھوڑا تھا کہ اس میں سے نذر نکلیاں تھیں اس کے بعد ایک ہر چھوٹا میاں تھا کہ وہاں سب مائی تھیں اس میں قہقہے۔ چاقو۔ نثر۔ گھوڑے۔ پاؤں ہاتھ کا ناخن گیر ہوگی۔ تاکہ اچانک سے یہ تھا۔ بعد ایک۔ ستارہ۔ نذر کا کہ اس کا دلور تین چار سو کے قریب تھا کہ کمال پر رہتا تھا۔ اس میں سے نذر نکلتی تھی۔ میری فرمایا تھی اس میں رہتا۔ شش۔ اس کے قریب چیزیں کھینچو لینا۔ یہ وہاں پر پاؤں خانہ میں تھے جو کے چارے اور ہر گھوڑے کے دلور میں تھے اور کے چارے کھینچ دیے۔ میں اس میں سے نذر نکلتی تھی۔ ہر گھوڑی، ہر میں شہر کا تاج بندہ تھا۔ تمام آٹن آٹیاں سے بھر دیا کہ شش۔ دلور۔ گھوڑی پر سوار کیا اور اس میں سے نذر نکلتی تھی۔ یہ وہاں سے نکلتی تھی۔ غرض کہ مشعل کی روشنی میں وہ سب سنبھلوادیں۔ وہی چیز تھی نہ گھوڑی۔ جتنی چارے چیزیں ہوتی ہیں سب ان میاںوں میں موجود تھیں۔ نذرین قہقہے نذر بھی نکلتی تھیں۔

سب نذر کے گاہ۔ ہمارے میں دو سو روپیہ۔ سواٹنی۔ کوئی سو روپیہ، چوٹیاں ڈبل پیسے کوئی آٹھ تھنے کے کوئی ایک پیسے کی چھوٹی چھوٹی کوڑیوں اور ایک مٹھ توڑوں کا گروہ موسم جاہر کیا ہو تھا۔ اس کی تعداد معلوم نہیں ہوتی۔ گھوڑی، ہر کے بعد مندر میں گئے۔ وہاں بلیدان کرایا گیا۔ چار گھوڑی کے بعد فرغ ہو کر مندر سے ہم آئے تو پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ہر مندر کی یہ جیسے پرتھوئے تھیں۔ میں سے وہاں بھاڑی۔ ہر گھوڑی میں اور شش۔ چھپے بھڑ ہوئے۔ صدمہ ہو گیا جو۔ مجھ سے رشتہ ہوا۔ تم کتنے روز سے اس تھانہ میں تہہ پل ہو کر آئے ہو۔ میں سے عرض کی حضور پانچ مہینے ہوئے۔ پھر پوچھا۔ پہلے کون تھانے پر تھے۔ میں نے عرض کی تھانہ چند بار پر فرمایا شہر سے نواب صاحب نے تمہاری منظوری کر کے بھیجی تھی۔ میری، قیامت تھی صدمہ میں سے عرض کی میرے واسطے صدمہ ہوا ہو تھا پھر پانچ روز مہراں میں رہے۔ میں سے وقت خدمت میں حاضر رہا۔ بعد جب تریغ تھے۔

وقت میں پاس رہتا۔ تمام دنیا کے ذکر ہوتے رہتے۔ خجندہ چوسر وغیرہ بھی ہو جاتا۔ تمام حال میرا اور میرے برادروں کا اور تعلقات شاہی کا مجھ سے دریافت فرما کر فرما دیتا تھا کہ ابھی تو اس کو بھی وہی تصور کرو۔ یہ نوکری دینی بنی نوکری سے۔ اس گھر میں سے آدمی تو پھر چند نہیں ہوتا ہے۔ جو ایک دن کام ایسے دن آئے کہ اس نوکر سے نہایت خوش ہو گئے تو اس وجہ سے زیادہ تر تر و فرماتے تھے اور سوئے پنے فرغ بھی آئے۔ جو کام ہم ہوتا تھا اس کی تعمیل کے لئے مجھے حکم ہوتا تھا اور اکثر چوکی خانہ میں بھی مجھ سے کام لیا جاتا تھا اور میری مضمندی میں بھیجا جاتا تھا۔ بلکہ ایک بار ایک مهم عظیم، ریش تھی۔ تہوینہ ہونی تھی۔ خواہ سہارن صاحب نے فرمایا ہے۔ "سچ" اس مهم کو نکالنے کی وجہ سے سکتا ہے غرض کہ اس سرکار کا سورت کے وقت میری طلب میں رہا نہ ہو۔ مگر میری نوکری دینی میں میندی پہننے کی نکل آتی تھی۔ میں ایک منبر کوچ کر چکا تھا۔ تھانہ میں موجود نہ تھا۔ چونکہ حکم حضور کی تھا، سوار آدھے بجے تمام چروں میں میرے پاس پہنچا اور حکم سنایا کہ اس وقت بے پور روانہ ہو اور شب شب جیپور پہنچو۔ میں نے تھانہ در چند رات کے نام رقعہ لکھا کہ میری پور میندی دلی پہنچانے کی نکل تھی مگر حکم حضور کی واپسی کا ہے۔ کار سرکار واحد ہے اب تم یہ بند ہوئی اگر یہاں لے لو اور ان کو دلی پہنچ کر رسید سرشتہ لا کر میندی ہوئی داخل کرو۔ اور بند ہوئی اپنے سواروں کے سپرد کر کے بچے پار کو روانہ ہوا۔ سوار سے کہا تم تیرہ کوں آئے ہو گرم و صبح آجناور میں نے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کی باگ تھادی اور ایک سوار اردلی میں آیا۔ چار بجے امر کا دروازہ کھلویا۔ تھانے میں گر گھوڑا دوسرا تیار کر یا اور اس عرصہ میں خون ضروری سے فرغ ہو کر منہ ہاتھ دھویا اور دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ اٹھایا۔ اور گھائی کا دروازہ کھلو کر تانافنا میں زور اور سنگھ کے دروازہ پر جا پہنچی۔ اس وقت پہلے دروازہ میں داخل ہو کر بگٹی خانہ کے آگے ہوتا ہو صیب یونی میں سے نکل کر ڈیوڑھی پر پہنچا یہی سے حضور میں اطمینان کرنی۔ وہاں تو سب رہا پھر رہے تھے۔ خبر ہوتے ہی گھس میں پہنچا۔ میں جس وقت کہ حضور کے سامنے آیا تو حضور مسوہ کر رہے تھے۔ میں نے سلام کیا فرمایا۔ کیا ہوئی، یہ کہانی۔ میں نے عرض کی تھی، اس سے کیا ہوں فرمایا شب شب نہ آئے۔ یہ مهم پہنچا جائے گا۔ جیسے تیرے روبرو نہ رہا۔ شہن میں کام نہ کیا۔ یہ میں نے شہن میں نہ کیا۔ جو خدام پہنچا تو ب صاحب تم اس سے مطلع رہیں گے تو ب

فیصل علی خاں صاحب اور خشتی رام جید اس میر ہاتھ پڑ کے چند محل میں غلہ دے گئے اور
 اس سے گواہ کیا۔ چند روز بعد وہ غلہ وقت تھا اس وقت دربار کا حضور میں یہ کام تھا مگر بعد
 کو معلوم ہوا کہ یہ تینوں صاحب رت بھر حضور میں موجود رہے۔ اور میرے منتظر تھے۔ مجھ
 سے خواب صاحب نے فرمایا۔ جس قدر تم سو روپیہ ساتھ کر دیا جائے اور جتنی جمعیت درکار ہو
 ساتھ لو۔ میں نے جواب دیا جمعیت درکار ہے نہ روپیہ۔ خواب صاحب حیرت ہوئے پھر
 کارگزاری کیا کرے گا۔ میں نے کہا جس کارگزاری پر مجھے بھیجا جاتا ہے۔ خوشی تو یہی ہے کہ
 ایک چیز نہ ہو۔ ایک آئی بات نہ ہو اور متسددی میں ہو جائے آپ کو کام سے ہم
 نہ ہر پہلے کام خانی انجم پاجائے کا پھر کیا۔ اداکار ذریعہ کی کامراوت۔ ایک اداکار
 انجمنی جے پور کا ہے۔ بغیر اس سے ساز کے وہ ہر ہندی مشکل ہے۔ میں نے عرض کی کہ
 اس کے سر پر سے کارروائی کی قیام میں ہرگز نہ کیا ہے۔ خدا چاہے ان کے فرستوں
 کو بھی خبر نہ ہو۔ اور کام انجم پاجائے۔ پھر اس اثر ان کے صرف خود و خاں کی تو تجھے
 ضرورت پڑے کی خبر نہ سے لے جانا چاہیے۔ میں نے عرض کی پانچ سو روپیہ جو ہر روز
 پانچ سو روپیہ پانچ میں۔ وہ ان کے جانے پینے کی خبر گیری کرتا رہے گا۔ مگر ہاں ایک غلام
 وائس کا جائیداد اور ہاتھان پہ منڈتے وغیرہ کے نام اس مضمون کا ہو جائے کہ جس
 جاسے اس قدر مدد کی جگہ ضرورت ہو اور میرے پاس پہنچ جائے اور وائی عدول میں نہ
 کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہو۔ دو غلام نامہ مجھے آیا گیا۔ اور مقام چار منزلں جے پور سے تھا۔ میں
 ان اداکاران کو ہم دوسرے رروں اور موقع اور وقت پر پہنچنے سے پہلے میں نے اپنی کارگزاری
 کرائی اور وہاں پہنچ کر جس میں تحقیقات سے وہ سب سے یہ دُک میرے ہمارے گئے تھے اس کا نام
 نشان نہ پایا۔ قابل معقول ہو کر اس کے در تہندی اور چارٹ کی کہ دو ہر دو تمام ہی تھے اس
 کا پتہ شریعت پانچ نہیں یا۔ سب میں نے وہیں آکر مہاراج کو سہ کیا تو مہاراج نے فرمایا۔
 کروں اور ریاست جاتا تو وہاں چار۔ تھو روپ ریاست کے بگاڑ آتا۔ یہ سے اکثر ہر
 نمایاں اس فوری میں ظہور میں آئے تھے۔ سب میری کارگزاری کا مہاراج کے دل میں کو
 نہ تھا اور مدت و آہ فراموش تھے اور عدو پرورش بحد کا فرمایا تھا۔ مجھ سے فرمایا تم اپنی
 تہدی تھانہ سنا گایا نہ کر۔ مجھے زیادہ تعلق سا گایا میں نے سننے کا ہوتا ہے۔ میں نے عرض
 کی یہ جی اختیار حضور کو بچنا چپ وائس میں غم نہ کھوا یا یہ تھا کہ نصیر الدین حسین اف

کراہہ کی تہہ لٹی سا گھانیر میں ہو جائے اور خیر منظر بنی مدد و ستارہ تہہ لٹی ہو نہ معضلی ہو نہ
 ہر خدائی۔ پھر میں ایسا درخور خدمت ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے مصائب میں ورثہ و حسد ہوتا
 تھا۔ و خوری کے وقت نکلتے تھے دوسرے بمبار آئینوں کے تیسرے ہوتا تھا۔ آگے مہراج
 اور عقب میں شش چید در میں سب ہزارے دیوہ کرتے۔ کسی و ہر ہی کا ٹھکانہ ہوتا تھا
 کٹر در سے تھے کہ وہ مجھے معذور تھے یہ مہراج کو یہ خدا کا مہربان ہے۔ میں بہت بوجہ بوجہ
 ہوں مہراج اور چاروں زندہ کرتے قند بنانے میں کھپا یہ سٹے و چپتا۔ جب میری
 رقی مدد و اپنی یہ ٹھکانہ پر فرمان قلمی تا بھر سے نہ ہوتا تھا۔ تجھے اپنی نہیں یا ہنس
 یہ ٹھکانہ یہاں سے یہ بھٹکانے کے لئے نہیں ٹھکانا ہوں مدد و ہر مدد کے
 یہ ٹھکانہ ہو جائے گا میری شادی ہو جائے وہی قلم میں بیٹے میں تھا نہ ہے۔

آٹھواں باب

مہاراجہ جے پور کے حالات

[illegible]

خوف ہوئے کسی پر تو "جائے خوف" تکلیف کا مرتبہ تھا۔ مگر باوجود اس حکم کے رعب و جدل ان کا یہاں تھا کہ کسی سیلاب ذاتی تھی۔ جب ابھی دو خدو موت ہوئے یہ جان بوجھ کر غصہ کیا۔ لوگ سمجھ جاتے تھے کہ آج خیر نہیں۔ مزاج برہم ہے۔ تمام رکیمن دولت دارے خوف کے تھرتھرتے تھے۔

مہاراجہ صاحب کے زمانہ بے اختیار ہی میں راول جی صاحب مختار تھے۔ بے پور میں ایک ذاتی تھی۔ اٹل پوٹس کھروپیہ زر خاندان آہنی تھی نہ کوئی ٹھکانہ بندہ است تھا۔ فائدہ دہانی مع ثروت تھا۔ دہری کھس کھس تھی۔ بے پور سے جو ترقی پائی ہے اور تدریس و رہنمائی جیسی سے وہ مسرت سے زمانہ میں ہوئی۔ مہاراجہ صاحب و صاحب اختیار حاکم ہوا۔ میں اور بہت دن صاحب مصاحب اور مدار امور ہوا۔ میں تب باون ٹھکے اور چھریاں اور بیاتیں اور ضلع اور تحصیلیں اور قلعے قائم تھے۔ میں اور انتظام علی اور مالی۔ فوجداری۔ عہدہ بی مدت فوتیہ و بی مدت قانون تصیف ہوا۔ ورنہ پر عمود آمد ہوا۔ اس کے ان مات یہ ہے۔ اور روپیہ قیام رہدوں اور قادیان اور نظام آپاٹی پر صرف کر دیا گیا۔ سریس اور صفائی شہ اور مدرس اور شافعی نے تمام محکمات میں جاری ہوئے۔ بے پور سے پانی کا انتظام ٹکوں کے ذریعے سے اور راشنی گیس کا انتظام الٹینوں وغیرہ کے ذریعے سے ہوا۔ ہاؤس اور قطعات الطریق اور رہتوں، بازار، ٹنگروں، ٹنگوں، پھانسی گروں وغیرہ کے انسداد کے واسطے محکمہ کرنی سداوہ ڈپٹی و محکمہ قاضی کے ایسے سخت قانون نافذ فرمائے کہ پناہ بند گن کے ہوش بخت ہوئے ورنہ بے پور کے دروازہ سے باہر رشتہ نہیں تھا۔ جتنے نامی نامی غارت گردین رہن تھے سب چڑچڑ کر قلعوں پر چڑھا دیئے گئے اور سب سرکشوں اور پناہ دہندوں کے کان میں کوڑی ڈال دی گئی۔ مہاراجہ صاحب کو اپنے اپنے اپنے آرمی کاپاس تھا اور یہ حکم تھا کہ مار کر ٹاپٹ کر نہ آنا۔ میں سمجھوں گا۔ پھر تو یہ حال ہو گیا سونا چھاتے ریاست بے پور میں پھر۔ یہ مقدمہ ہے ورنہ خیر امر ایسا ہے۔ یہ انتظام ہو گیا کہ تیرہ بحری ایک گھاٹ پانی پیئے لگے۔

مہاراجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ چند خرافات صاحب کی ذات سے ایسے ظہور میں آتے ہیں جیسے ہاشیان علف کے مشہور روزگار ہیں۔ ہاشم ایک یہ معرغی بیان میں آتا ہے۔ ریاست ٹونک کے چند قصاب کچھ مولیٰ خرید کے ریاست بے پور سے ٹونک کو لے

جاتے تھے شہر و میں ایک منزل پر مقیم ہوں۔ پھر محاسن و خیر و بدیہی سے آپ
 کو یاد۔ اس قصبہ کا ایک سائڈ تیار اسے صاف کا اور مٹی و ہار و سیاہی۔ قصبوں سے جو
 یہ مریض تو اس کا اس و کھنی سے ہار بھگایا۔ پھر تھوڑی دیر میں اس کے لئے جو تھوڑا
 سا یاد یا۔ بسبب و پیرم۔ یہ ایسا کہ تو ایک قصائی و مسد کیا اس سے تو کھینچ کر پلوں
 پر یا تھوڑا۔ اس کا اس ٹاپوں قصبہ اور چاہے۔ یہ یا تھوڑا دن نمکداری تھی تمام قصبہ میں
 اس کی یہ باب اس پر۔ اور جو۔ پڑیو۔ ہار جو۔ چہرہ صاف سے ہونے کا۔ چہرے قصبہ
 پر فخر ہوتے۔ تھوڑے ارے مشن تیار اسے معدہ مجرمان صلیع و چارٹ رانی اس سے بعد
 تحقیقات فوجداری و روانہ ہوتے۔ فوجداری چونکہ مذہبی ہے تجویز اسے ستمیوں کے
 نامی کی اور مشن محکمہ اچیل کوروانہ ہوتی۔ محکمہ اچیل سے کوئی اور رائے ظاہر کی گئی تھی کہ محکمہ
 و نس میں چلتی۔ ممبران و نسل کے یہ رائے قرار پائی کہ یہ مقدمہ مذہبی ہے اس میں احترام
 شریعت سے موسد کیا جائے۔ اس کے موجب تجویز اسے ہونی مناسب سے چنا یہ احترام
 شریعت کی بنی ہو یا یہ اور موسد کیا تو انہوں نے حکم آسمانی یا قیاسی و جہدوں کے
 موت و جہاد میں سے قطع یدین اور جہاد سوم جس کا موجب فقیرانہ کام ہے۔ غرض کہ
 منظوری کے واسطے پیشی رکھی گئی اور اس وقت پر مہاراج کے سامنے پیش ہوئے۔ مہاراج
 نے ابتدا تا انتہا مسل کا ایک ایک طرف سنا اور سب محکمہ جات کے اس کے یہ حکم دیا۔
 شریعت کی فوجی و مدد۔ بسبب شریعت کی بنی تھی۔ تو اس کے فرمایا۔ آپ نے یہ نہ کہ موجب
 مذہب کے تجویز کے یہ موجب شریعت مسلمانوں نے جو بایا موجب احترام
 شریعت مسلمانوں کے مذہب کے یہ کام ہے مہاراج نے فرمایا۔ تجویز مذہب کا نامی
 ہے۔ شریعت مذہبی سے کہ اس کے مذہب کے موافق مہاراج کی تھی۔ اس مقدمہ میں
 شریعت اس سامت سے فتوے دینا تھا۔ یہ کارروائی مہاراج کے یہ مدد ان کے مذہب میں اس کا
 حکم دیا ہے۔ ہار کے نزاع میں یہی مہاراجی ہے کہ ہارن مقدمہ و طرہ اس کے یہ حکم
 ہو گیا ہے۔ یہی معیار قاعدہ کی ہے۔ ہر مہاراجی جاسے اور اس وقت اس کا یہ
 نصاب بھلا کسی ہندو راجہ سے ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کے بہت سے
 نصاب مہاراج کے ہیں۔ مہاراج صاحب اپنے وقت کے نوٹس و ان کا اس تھے۔ علم و اس کا
 یہ حال تھا کہ ایک غریب مسافر میدان رستہ روز سے اس کے پاس میں گئے۔ اس نے

مہاراجہ صاحب شہر ریائی ہو تو چھپنا عرض کیا جائے مگر کوئی موقعہ دستیاب نہ ہوتا تھا۔ یہ سن کر یہ شخص نہایت حیرت منہ سے کہتا تھا کہ پہلے ارڈیوڑھی سے ٹھٹھا ہوا پرے کو سرکے یا یہ موقعہ پارہبائی تھی۔ مگر داخل ہوئے فور میٹر میوں پر سے چڑھ کر خاص اس میں پہنچے بس مہاراجہ شریف رہتے تھے اور اتفاق سے اس وقت پر وہ تھا اور رانی ساریاں شریف رشتی تھیں اور خاص مہارانی صاحبہ موجود تھیں۔ پس یہ دیکھتے ہی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پچھلے قدموں پر پٹے اور مہاراجہ صاحب نے ان کو دیکھا اور ٹھٹھا کر آئے۔ انہوں نے سہم کیا مہاراجہ صاحب نے آکر ان کے دونوں ہاتھ پکڑے اور پوچھا۔ تم کون ہو؟ انہوں نے بیٹن کیا۔ بندہ بدکا۔ پھر مہاراجہ نے فرمایا بندے بندے تو سب ہیں آپ کون ذات ہیں اور کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا۔ مسافر ہوں اور مولوی ہوں۔

مہاراجہ صاحب : اس مقام پر کیا کام ہے؟

مولوی صاحب : آپ کے پاس کچھ عرض کرنے آیا تھا۔

مہاراجہ صاحب : کیا عرض حال ہے؟

مولوی صاحب : عیال اور بچے، امیدوار اور رورکار ہوں۔

مہاراجہ صاحب : پہلے اپنی بات کہو۔

مولوی صاحب : اس کا قصور نہیں۔ وہ نسل پرے کو گیا میں آنکھوں پر کیریاں چھڑا۔

آپ۔ قصور میرا ہے۔ میں حضور کا قصور، رہوں تو چاہیں میری نسبت نہ تجویز فرمائیں۔ حال مستوجب عقوبت ہوں کہ یہ مکمل پر حاضر خدمت ہوں۔ مگر حضور ہاں وقت ہیں اور شہزادی اور دھیمات رعیت کے مابین ہوتے ہیں ور رعیت بڑا لہ فرزند و اولاد ہوتی ہے پھر اور اسے ملازموں کا کیا پروہ ہوتا ہے۔

مہاراجہ صاحب : آپ مولوی ہیں۔ آپ نے تحصیل علوم کہاں کی؟

مولوی صاحب : لکھنؤ میں۔

مہاراجہ صاحب : صداقت اس کی۔

مولوی صاحب : میرا امتحان لیا جائے۔

مہاراجہ صاحب : آپ مولوی نہ ہوتے تو اس وقت آپ کی نسبت خدا جانے

یہ بات تحریر کرتا۔ میں فرقہ علماء و فضا کو اپنا مقتدا اور پیروی سمجھتا ہوں۔ میرے دوست آپ نے
 بہ نیت و سبب نادانی کے ہوئی میں نے معاف کی۔ پیہوں و آوازوں کی۔ ایک چیلہ آکر نہ ہو۔
 مولوی صاحب کو مولوی رشید الدین صاحب کے پاس سے جاؤ اور مولوی صاحب سے پاس
 جا کر کہہ ان مولوی صاحب کو آپ نے پاس بھیجا جاتا ہے کہ ان سے علم و فضل کا امتحان۔
 آپ کی وقت مجھے اطلاع دیجئے۔ اگر امتحان میں درست اتریں تو نون مدرسہ کی مدد کی جائے گی۔
 مامور کر کے مجھے اطلاع دیں۔ چنانچہ یہاں ہی ظہور میں آیا اور مولوی رشید الدین صاحب نے
 ان کے علم و فضل کی تعریف کر تے ہوئے کہا کہ یہاں پر ہر مامور کیا۔ بعد میں صاحب و تحفل
 کی دوسرے ریش سے ہو سکتا ہے یہ مہاراج رام سنگھ جی کا ظرف عالی تھا۔

مہاراجہ کے خصال :

مہاراجہ رام سنگھ کی صحبت میں ہر قسم کے شخص موجود رہتے تھے۔

دو چار درویش مصری مسکن صوفی حریقی دو چار ہندو فقیہ میری ماحد
 خدمت پرست مہاراجہ کا طریقہ صوفیہ موحدانہ تھا۔ بیشتر مسائل تصوف کا کرتے رہتے تھے
 اور شانہ مزاج رکھتے تھے۔ زیبائش میرانہ سے غور تھی۔ ہاں تہانہ رکھتے تھے تکلف
 سے برکت تھی۔ گھوڑے کی کڑوی پٹیاں کھاتے رہتے تھے۔ چنک پیچہ صاف ستھرا رہتا تھا
 رکھتے تھے بکلفی کو بہت پسند کرتے۔ مزاج میں بخیر و غصہ بد راجہ غایت تھا۔ نہایت
 رعونت کی طرف سے نہ تھی۔ صحبت میں دس پانچ فقیہ، دو چار حکیم، ایک دو ڈاکٹر، ایک
 گھریز، دو چار رندیاں۔ ایک دو ارباب نشاط ہر فن کے ایک دو شکار جانے والے۔ ایک
 چنک باز و غمخوار وقت موجود رہتے تھے۔ جہاں جاتے تھے یہ ہمگنان کے ساتھ جاتا تھا۔
 گھوڑے سے رہتے رہتے رہتے رہتے رہتے تھے۔ مسلمانوں سے بہت رغبت تھی۔ ہم قوم
 سے ایک مراد ہی ناپا ہو میاں نام پر اتار لیتا تھا اور شب و روز پاس رہتا تھا۔ کہے کہ مہاراجہ نے
 شب کوئی کے کمرے کی خدمت بھی۔ اس کا جگرہ تھا۔ صبح کو مہاراجہ اس کا منہ دیکھ کر بیدار
 ہو جاتے تھے۔ وہ مرد باخدا قبل از نماز صبح بیدار ہو کر حوائج ضروری سے فارغ ہو کر نماز
 پڑھتا اور بعد درود و وظائف مہاراجہ کے پاس جا کر منہ ہاں پیش کیا چادر اٹھا تا اور آواز دیتا کہ
 مہاراجہ صبح کا وقت ہے بیدار ہو کر خدمت رسوں کا کرتا رہا تو مہاراجہ فوراً نکلیں بھوں کر پیسے اس
 کا منہ دیکھتے تھے بعد دراتنی صبح کا مگر دیکھتے تھے۔ کھوں روپیہ و گول برادر و دیش کے مسافر

تو کر رکھے گئے۔ ہم چار اضلاع میں چار اپنی یہ رائے نہ تھے۔ چاروں نے قلم وقوف
 دے۔ مجھے تاہم وہ اس تک ناش فریاد رہی۔ اکثر وہ صاحب ایف جی وقوف دے اور
 بھارتی سگ بھی وقوف اور یہاں نہ نیلی ہو یا۔ وہ ہنس پر ٹھیکات جی قید ہو۔
 فریادوں کی چھ اور ان۔ ہوں اور وہی میں نہ ہو۔ چونکہ میں جی میں ہا چھوٹوں
 وقوفی میں تھاں تھا مجبور خانہ نشین نہ پا۔ اس تک مہاراجہ مسکھوں نورانی
 تین برس مہاراجہ مسکھ بہارن۔ اس کا صلہ ہا ہرانی یہ ہا کہے قصور وقوف ہو
 کہ میں ہا پڑ۔ مہاراجہ نے میرے حقوق قید بخاند قہری پر خیر کے میرے فرزند ہا
 مہاراجہ کو قہر دار گردا تھا۔

ریاست کی آمدنی مجھے اس ملک میں وارد ہونے قریب چالیس سال کے عرصہ
تقصی ہونے کو گیا ہے۔ اس ملک کا وہ شہر تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے۔ اس کا طرزِ حکومت و شاہ
میں قریب تین سو میل کے ہو گا اور عرشِ مشرق و مغرب میں قریب پانچ سو میل کے
ہے۔ درجہ حاصل اس ملک کا ایک سو ویرا یہ ہاتھینہ تھوڑی سی زمین پر قریب ایک سو
سے ریاست تین تین تیس ہزار پیر آمدنی ریاست درجہ قدر تین تیس لاکھ چار سو روپے
میں سب بھائی ہے ریاست کے قریب سے حصہ میں حیف تین حیف غربت بھی تین تیس لاکھ
نہ میں ہزار تین ہزار روپے خرچ خرچات معبد ہاں و مند رن و غیرہ لاکھ ہزار روپے
میں۔ حیف یہ امر قریب و فقیرات مہار جہر و شکر ہمارا یہاں جاتا تھا مہار جہر
صاحب مہار جہر میں نہایت خوش سے لاکھ ہزار مہار جہر صاحب سے چند ترقی پا گیا۔ اب
قریب ایک سو ویرا سے درجہ کی ثابت ہے

نواب محمد علی خاں رونق قریب چار دہائیوں سے میرے زمانہ فوری و کار
میں رہا ہوا۔ اس عرصہ میں شعر و سخن کی بھی بہت مفاہمت ملی اس عرصہ میں تاج الدین
پاپاں چاکس غزنوی اور ایک دہ قسیدے کا تعلق ہوا وہ بھی بھر۔ جب اسی نہایت تاج الدین
میر سے دوستی کے لئے زحمت چاہی تو مجبور مشاعرہ کی غزلیں لکھ کر شریک بزم ہو گئی۔ شاہ
حیدر محمد حیدر خاں صاحب فرماں روا نے غزلیں لکھواتے تھے، شاہ میر کی طبیعت و غلبہ
تھی اور انہیں سے فرمان سے مجبور تھا۔ یہ روز حسن تعلق سے میں آپ تھا۔ بالآخر میں
تجاور ہوا جو صاحب بھی اس قریب رہتے تھے اور ایسا بھی پر میر سے دوستی کرنے

حاضر تھا۔ میں نے مہاراجہ صاحب فرمائش کی تھی اس سے اور زون پون پر میں نے
 قلیان لی رہا تھا۔ تو دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگوار ساٹھ چھتر برس کا سن و سال۔ جسیم۔ شکان
 ب۔۔۔ ٹک کا انگر کھا، نئی پاجامہ، نئی عمامہ میرے وارہ ہوں اور تانگہ پر سوار
 میرے پاس۔ میں نے قلیان لیا۔ میرے پاس تھوڑا سا۔ میں نے حق پون کا۔ میں نے
 کل پیش روں۔ تپے گئے۔ مجھ سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے۔ میں نے جواب میں
 کہا۔ حقیر کو ظہیر مدین کہتے ہیں۔ یہ سنگرز متاہل ہوئے۔ بعد دریافت کیا کہ آپ یہاں
 کیوں ہیں؟ میں نے کہا۔ نوکری پر۔ میں یہاں تھا نہ در ہوں پھر فرمایا ظہیر دہوی تو آپ
 نہیں؟ میں نے۔۔۔ نہ دہوی تو۔۔۔ کلام میں ہی ہوں مگر وہ ظہیر کوئی اور ہوں گے جن کی تلاش
 آپ کو ہے۔ یہ سنتے ہی ایک قلم لکھا اور یہ شعر پڑھا۔

یار درخانہ دہر دجھاں میگردیم تب دروزہ دما تشنہ ہوں میگردیم

اور جلدی سے بخیر ہو کر فرمایا کہ ایک عرصہ دراز سے مجھے اور میرے بڑے بھائی ثواب
 عبدالکریم خاں صاحب کو اس نام کی تلاش تھی۔ وہ اسی آرزو میں انتقال فرمائے مگر الحمد للہ کہ
 میری تمنائیں برتن کی کہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ مجھے کیا جانیں؟ فرمایا
 کہ آپ کی غزل ایک محفل میں میں نے اور میرے بھائی نے ایک مغنیہ کی زبان سے سنی تھی
 اس روز سے مجھے اس کلام سے تعش ہو۔ اور میرے بھائی بھی یہ کہتے تھے کہ صاحب غزل کا
 پتہ مل جائے تو میں شاعر ہو جاؤں۔ اس غزل نے وہ تمن مجھے یاد ہیں وہ غزل یہ تھی۔

میں سے بچے چلے پہ بھی آفت آتی جاتی ہے یہ کاف و قیامت ہیں طبیعت ہی جاتی ہے

پھر فرمایا کہ مجھے بھی بتدے عمر سے شعر، سخن کا شوق ہے اور شوق ایسا کہ دھاری
 ہے۔ اس شوق میں مہنو کیا در شبنم ہر نقش مانع سے مہر میری تلاش سے اور میر
 شعر کے نامہ دست مل رہا ہوں۔ تمن، روان بھی مہر چکا ہوں۔ میاں خدائش صاحب غور
 بھی ٹک میں آتے تھے۔ میرے پاس نور ہے پھر چلے گئے۔ آپ کی تلاش تھی۔ اب آپ
 مجھے شاعر کیجئے اور تہہ تائیے۔ میں نے کہا۔ جناب آپ کا سن میرے والد کے برابر ہے میرا
 سن تینتیس چونتیس سال کا ہو گا۔ آپ کا سن ساٹھ سے تہا زریا۔ کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔
 بزرگ بھل سست نہ ہوں۔ یہ باتیں بھی مجھ سے ہو ہی رہی تھیں کہ سامنے سے مہاراجہ
 صاحب نے دیکھا اور کہا کہ میاں یہاں کیوں نہیں آتے ہو۔ پان رکھے ہیں۔ کیوں تھک

گئے؟

نواب صاحب بھی حاضر ہوتا ہوں۔ یہ میرے استاد ہیں۔ ان سے پاس ہوتا ہے۔
حقہ پل رہا تھا۔

مہاراج صاحب پھر میاں کیا تمہارے واسطے یہاں حقہ کی گرفت ہے؟
نواب صاحب نہیں حضور ان سے چھ باتیں کرتا تھا۔ حاضر ہو۔ غرضکہ نواب
صاحب ٹھہر کر مہاراج صاحب کے پاس آئے۔ مہاراجہ صاحب نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ
آپ کے استاد کس بات کے ہیں؟

نواب صاحب آپ کو معلوم ہے کہ مجھے شعر و سخن کی دھت ہے۔
مہاراجہ صاحب اتنا ہیہ شاعر بھی ہیں مجھ سے تو آج تک نبوں نے بیان نہیں کیا
کہ شعر کتنا ہوں نہ مجھے کبھی چھ سنایا۔ نہیں بدایا ہو۔ غرضکہ نواب صاحب نے مجھے آواز دی
کہ حضرت یہاں آئیے۔ مہاراج صاحب یا فرماتے ہیں۔ میں قریب آیا تو مہاراج صاحب
نے فرمایا۔ تھنہ دار جی آج تک تم نے کبھی ذکر شعر و سخن کا نہیں کیا۔
میں نے عرض کیا۔ کبھی اس قسم کا تذکرہ سرکار میں آیا نہیں۔ میری عادت نہیں
کہ خود اپنے منہ سے میاں مٹھو ہوں۔

مہاراج صاحب اچھا تو اب کچھ سناؤ۔
میں نے عرض کی پچائیک تک جانے کی جرات نہ دجائے تو چھوڑ دوں۔
فرمایا جاؤ۔ میں نے تھنہ میں آکر بستے میں دیکھا۔ ایک قصیدہ نامہ مسنگل آیا۔
اسے جلدی جلدی گھسیٹ کر اور اس میں نامہ درج کر کے دو گھنٹہ میں سے گیا اور مہاراج
صاحب کو سنایا۔ دونوں صاحب نہایت خوش ہوئے اور بہت داد دی تو اب حمد علی خاں
صاحب نے فرمایا۔ حضور یہ اس وقت فی بد یہ کھڑے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نے تعجب نہ کیا پھر
مہاراج صاحب نے فرمایا۔ مجھے بھی سننے کا شوق ہے۔ سناتے رہا کرو۔ یہ حال تو مجھے آج ہی
معلوم ہو ہے۔ میں مشاعرہ کروں گا۔ اس میں لکھنا۔ میں نے عرض کی بہت بہتر۔ بعد کو نواب
صاحب نے عرض کی کہ میں اب سامنے کے باغیچے میں ٹھہر جاتا ہوں۔ نماز پڑھ کر پھر آؤں گا۔
یہ کہہ کر میں اور وہ بہر آئے اور سامنے والے باغیچے میں جا کر بیٹھے۔ نواب صاحب نے اسی وقت
پٹنہ روپیہ کی شیرنی منگانی اور کھانا دیا۔ میں نے نیڑائی۔ وہ شیرینی تقسیم ہوئی۔ بعد نواب

صاحب نے کہا۔ میری غلّی و صلابت یہ ہے کہ میں نے سارے آپ کے چشمہ خود
 دیکھ لیا کہ مجھے فرصت ہی سارا دن میری نہیں ہوتی۔ میرا دن سناٹا ہے۔ یہ ہے۔ اب میرا
 چھوٹا بھائی مراد مراد رانا مجھ سے ملتا رہتا ہے۔ آپ اس سے اصلاح لیجئے اور وہ آپ کو دل سے
 بتائے گا اور وہ اب جے پور سے گا۔ اب مہاراجہ صاحب یہاں سے تشریف لے جائیں گے
 اس وقت میں اپنے بھائی کو سب برسات پر حاضر ہوں گا۔ غرض بعد اربعین روز کے مہاراجہ
 صاحب جے پور میں تشریف لے گئے اور میں نے جے پور جا کر مراد مراد کو دیا اور وہ اب
 صاحب نے غلّی دھانی۔ اس نے ان کے مواجد میں غلّی و صلابت دی اور جو نقص اس
 میں تھے اس سے گواہ کیا۔ اس چھوٹا بھائی تھا کہ کھیں گل نہیں۔ مراد جہانگیر اور شجیدہ مراد
 تھے اشارہ کافی تھا طبیعت تو کمزور تھی۔ بتائے کہ یہ تھی چھوٹا بھائی جب جا رہا
 ہوں تو مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے بھائی نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھایا۔ اب مجھے
 معلوم ہو کہ میں چھوٹا بھائی نہیں جانتا تھا مراد کو اب بھی ناواقف ہیں۔ تھے کہ اب بھائی
 پہاڑ ہے۔ میں نے اپنے تینوں بیٹوں چھوٹے اور بڑے سے بڑے ہنسنا شروع
 کیا ہے۔ وہ غلّی دھانی میں بھٹتا ہوں اور اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اور وقت فرصت میں
 شعر گوئی کا مقرر کیا ہے۔ اس نے رات سے میں چٹک پرینٹوں ہاتھ لائے اسے میرے چٹک
 کے نیچے میٹھے میٹھے جاتے ہیں اور میں سوتا جاتا ہوں۔ حاصل کا یہ کہ ایک بیان کھرا رہا
 یا۔ کشتن سے یہاں میری صحبت رہتی تھی اس میں چھوٹے کا خالق مجھے ہو جاتا تھا۔ اور نے
 اس کی سے فرصت تھی ورنہ آج تک میرا کام نہ ہوتا۔ اب نوٹری سے غلّی دھانی
 تین ہزاروں اور میری بھائیوں جا رہا مراد کیا ہے۔ وہ تین سال میں بے روزگار رہا۔ چھ
 میں بھوپاں یا ہوں اور وہاں مشاعرہ نوب شد جہاں شاعر صاحب کے مواجد میں ہوتے ہیں۔
 ان مشاعروں میں شریف رہا ہوں۔ چند غزلیں جب ملتی ہیں۔ نوب صدیق حسن خاں نے
 مجھے امید دہائی تھی پھر وہ میں ٹھہرا پھر مجھے انتقال مراد دوم کی خبر پہنچی میں اس جے
 پور گیا تو نوب صاحب نے فرمایا کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ مجھے اس کا نصیحت صدمہ
 ہے۔ اب آپ میرے پاس رہیں۔ مجھ سے جد نہ ہو جائے۔ جو سلوک میں ان سے کرتا تھا وہ
 آپ سے رہے گا۔ چنانچہ میں اس روز سے ان کی رفاقت میں رہا۔ ایک دیوانہ کی میں نے
 صلابت اور یہ میرے بھائی نے۔ پسا دیوانہ جو میرے بھائی نہ بنایا تھا وہ چھپ گیا۔

دیون رونق موجود ہے دوسرے کے چھینے کی تیاری تھی کہ وہ انتقال فرمائے مگر دونوں دیون ان کے ایسے ہیں کہ ہم دونوں بھائیوں کے برابر جس کی درجہ اہل میں یہ نہ ہر دونوں کے جان توڑ کر بیٹھے ہیں اپنے کام سے ان کے کام کو بڑھا دیا۔ جب ایسا شروع ہوا تو فرق قدر و قدر خورش عقیدہ ہو تو محنت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم نے جو میری قدر و منزلت کی ہے ایسی کوئی شہرہ ستارہ کی نہ کریگا۔ کوئی چیز ایسی نہ ہوگی کہ دو مجھ سے ارتقا کرتے ہوں گے کہ وہ دو تک پیتے تھے تو مجھے پلا دیتے تھے۔ نسخہ مہون یا قوتی سات روپ میں کر یا تھا اس میں سے بھی مجھے ایک ماشہ بھیج دی۔ یہاں تک کہ مجھ سے عقیدت تھی کہ کٹھیا یہاں ہے وہی عمدہ شے ان کے آگے رکھی تھی تو پہلے تھے کہ ایک چمچ اس میں سے تو کھا، تو میں کھاؤں۔ میں انتہا حضرت آپ یا فرماتے ہیں دوستے اس کے کہ تیری زبان کا اثر میری زبان میں آجائے۔ جس وقت انہوں نے انتقال فرمایا ہے تو میں اوپر پنک سے بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے پڑے اپنے سینہ پر رکھ چھوڑا تھا۔ اسی طرح ان کا دم نکلا۔ بڑے صاحبزادے ان کے سامنے بیٹھے، کھانے کا بیچ رہے تھے۔ رندان بھر انہوں نے مجھے اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ بار بار جواب دیا کہ اہم علی خاں صاحب بہادر نے مجھے طلب کیا کہ داد اتم استاد کو مجھے دے دو، اسے جواب دیا کہ تو استاد کو مجھ سے طلب کرتے ہو اور پھر ان کی تعظیم و تکریم میں فرق کیا تو مجھے رنج ہو گا اور مجھے تم سے کشیدگی ہو جائے گی۔ میں اپنی زندگی میں تو دیتا نہیں۔ بعد میرے مرنے کے تم کو اختیار ہے تمہارا بیٹا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ بعد انتقال نواب احمد علی خاں صاحب کے نواب صاحب بہادر نے ان کے صاحبزادوں سے کہہ بھیجا کہ تم اب استاد کو میرے پاس بھجو دو۔ اور حسب حسب نواب صاحب بہادر کے میں ٹونک میں گیا۔

جس زمانہ میں کہ میں نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم کی وفات میں تھا تو نواب صاحب کو مشاعرہ کا شوق از حد تھا۔ ہمیشہ مشاعرہ و غزل دہاتے رہتے اور نواب صاحب کی بھی بتائید غزلیں منگواتے تھے البتہ دو سو غزل کے قریب مجھ سے نواب صاحب سے کہیں کم۔

دیوان وال گلستان کن کے زمانہ حیات میں قریب اسی قدر شاعری کیا تھا۔ ملازمتی کارگزاریوں میں زمانہ میں میں تھا نہ اور تھا نہ شاعری میں مشغول تھا۔ صاحب کی میرے حال پر بھی تو شاعرانہ لہجہ کا ظہور ہوتا تھا۔ تاریخاً تھا اور ہجرت

بار دست کٹر مہمات اہم پر مجھ کو بھیجتے رہتے تھے۔ جانتے تھے کہ یہ کی حمایتی سے دے وا۔
 نہیں۔ ریاست۔۔۔ میں قدیم ایم سے یہ بات چلی تھی کہ بڑے بڑے جو سردار جاگیر
 ریاست تھے۔۔۔ دیہات میں جو کوئی مجرم جا کر پناہ گزین ہوتا تھا وہ اس کو گرفتار کر لینا
 بہت معیوب جانتے تھے۔ یہ مگر وہ ایک طرف کی بہادری میں تصور کیا جاتا تھا کہ فوجی مکان
 میں سے مجرم گرفتار نہیں ہوتا اور پناہ دہندہ پناہ پذیر کو ہرگز نہیں دیتا۔ خصوصاً وہ جاگیر دار جو
 اراکین ریاست تصور ہوتے تھے۔ راول جی صاحب اور ان کے بھائی بھائی صاحب کہ جن
 سے خاندان میں قدیم سے مدارالمہمی ہوتے چلے آئے تھے تو یہی موصفتیں رکھتے اور
 حمایتی و قبیلہ کلمات۔۔۔ دے مجھے بھیج جاتا تھا۔ یہ مدار حسن اتفاق سے قصبہ ساہیو میں
 راول جی صاحب کا خاص مورد مسکن اس کا تھا۔ اس میں قیس مجرم در دست غارتگری سے
 پناہ گزین ہیں اور بچے پتہ کار میں نے جا کر خاص ساہیو میں گرفتار کیا۔ کامد راول
 جی صاحب خارج اور باغ ہونے کے یہاں بھی نہیں ہو۔ مجرم یہاں سے کوئی تھانہ دریا مدزم فوج
 جداری گرفتار کرے۔ کیا ہو۔۔۔ تھانہ کو چھوڑ دو۔ اراکین کو ان کی طلب منظور ہے
 تو بدرجہ تحریر طلب کرے۔ ہم اپنے طور پر بھیج دیں گے۔ میں نے جواب دیا۔ پھر راج کی حصہ
 مست ہی کیا ہوئی۔ جب مجرم کو گرفتار نہیں کر سکتے ہیں ان کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس
 میں منہ جھکائی نہ کی جائے گا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ ان دھمکیوں میں نہ آئے گا تو
 نرمی پر اترے اور کچھ دینے لگے جسے کہ تین ہزار روپیہ کا بچ دیا کہ تم ان کو چھوڑ جاؤ۔ تین ہزار
 روپیہ ہم دیتے ہیں۔ فقط اتنی بات کہ ٹھکانے کی آن نوثتی ہے اور تمام ریاست میں بدنامی ہے
 کہ ٹھکانے میں سے پناہ پذیر گرفتار ہو گئے تھے۔ جواب دیا کہ بیشتر توشید میں رسیدے کر
 تمہارے حوالہ بھی کر دیتا مگر اب تم نے رشوت کا نام لے دیا ہے تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔
 اس لئے کہ آج تو یہ میری قید میں ہیں اور جھڑی بیڑی میں نے ڈال رکھی ہے اور کل اسی
 طرف جھڑی اور بیڑی میرے ہاتھ پاؤں میں ہو گئی۔ اس پر گفتگو طویل کھینچ گئی۔ راول جی
 صاحب کے کامدار سے انہوں نے کہا۔ بھدادیکھیں تو کیسے تم ان مجرموں کو لے جا سکتے ہو
 جیسوں تھانہ دار نے اور یوں ہی ہم نے چلا دیئے۔ میں نے جواب دیا کہ کوئی تھانہ دار ہی نہ آیا
 ہو گا۔ نمک حرام رسوائی والے ہوں گے۔ میں ان کو لے جاؤں اور ڈنگے کی چوٹ سے جاؤں
 درسا نے ایک مکان محفوظ مندر کا تھا۔ اس پر قبضہ کر لیا اور ان مجرموں کو اس کی کونٹھڑی میں

نہ یہاں اور باہر اپنے ہمراہیوں جمعیت کا بند و بست کر دیا۔ دربار کے تھانہ داران کو اور سرداروں کو
بذریعہ رقعہ جات متاثر اور طلب کیا اور جنرل سپرنٹنڈنٹ کو اس مضمون کی عرضی لکھی اور امداد
طلب کی اور سواران کے ہاتھ رقعہ روانہ کئے غرضیکہ دوپہر کے عرصہ میں دونوں تھانہ داروں
سرداروں میری مدد کو آ پہنچے۔ سب میرے پاس چپاس سو اور دس پندرہ سو جمعیت ہوئی۔
سب مدد مان رول جی صاحب نے یہ کام کیا کہ دروازہ شہر ہٹا کے دے دیئے اور ہر ایک
دروارہ پر تین تین سو چار سو آدمیوں کی جمعیت رکھائی نہ مڑموں کو باہر نہ لے جا
سکیں۔ وہ سب دو بقالوں کو منادی کرادی کہ کوئی مدد مان سرکاری کو رسد نہ دے اب
تھوڑے بھوکے ہیں اور تومی بھوکے ہیں۔ سب حیران ہیں کہ یا الہی کس مصیبت میں گرفتار ہو
گئے۔ سوچتے سوچتے ایک بات خیال میں آئی۔ مندر کے سامنے ایک گھاس کی کڑی لگی ہوئی
تھی اور وہ ایک شیے کی تھی اور اسی کی دوکان آئے دال کی تھی۔ جات ہی اس بقال کا کان چڑے
اٹھا۔ یا اور مندر میں۔ کراسے اونڈھا ڈال کر اس کی کمر پر ایک من بھر کا پتھر رکھ دیا اور سے نہ
کہ ابے ہم بھوکے مریں گے مگر پسے تجھے مار ڈالیں گے۔ تو جانتا ہے کہ بڑے راج کے
نوازیں در راج نوکری پر آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا کوئی چھ نہیں کر سکتا۔ یا تو سیدھی طرح ہم
کو رسد دیدے ورنہ میں تیری دوکان گھر پر سب ٹوٹ میں گئے سو گاداد فریاد مچانے۔ سب
روں جی کے آدمیوں کا یہ مقدور نہیں کہ ہم سے سرزد رستی بنے کو چھوڑ کرے جاتے۔ فقط
زبان بیدڑ بھبکیاں تھیں جب بنے دیکھ یہ کوئی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا تو مجبور منت معذرت
کرنے لگا مجھے چھوڑ دو میں رسد دیتا ہوں۔ میں نے کہا چھوڑ دینا میں ایسے نہیں ہو سکتا سب
چیز بست ہیں ہمیں منگادے۔ اس نے اپنے بھائی بندوں کو آواز دی۔ رے جلدی تو اور مجھے
اس بلا سے نجات دے۔ اسی وقت اس کا بھائی اور بیٹا دوڑے ہوئے آئے اور اس نے ان سے کہا
کہ سب چیز سب سامان رسد کی ہمیں اٹھاؤ۔ وہ جلدی جلدی سب تھیلے اٹھا لے۔ مندر میں
کان گائی۔ جب میں نے کہا ٹھہرو پتھر اس کی پشت پر سے اور اس سے کہا تھوڑی رسد تو
سب شکر کو۔ اب باقی پھر لیکھی جائے گی اور سواران سے کہا کہ گھاس کے ٹکٹے باندھ دو۔
اس کے سامنے کر رکھ دو اور مناسب قیمت اسے دیتے جاؤ۔ اور بٹے جاؤ اور جس کے پاس
قیمت نہ ہو وہ اپنا نام در جمعیت کا درپے جائیے اور گاس کی ٹکی میں نکھواتے جاؤ۔ غرضیکہ
خوراک کا بند و بست کر کے بنیے کو رہا کر دیا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ روز ایک عرضی طلب آمد

میں محکمہ صدر پہ ٹنڈنٹی بہت پیاوگان روانہ ہوتی ہے۔ کیونکہ دروازے شہر سے بند ہیں۔ سوار تو نہ نکل سکتا تھا۔ تھڑکی کی رو سے پیدل روانہ ہوتا تھا۔ سات روز تک یہ کیفیت رہی اور محکمہ صدر سے کچھ حکم نہ آیا۔ نہ مدد کی۔ آخر ایک مرنچا ہوا کر میں نے ایک رقعہ نام حکیم محمد سیم صاحب داروغہ محکمہ خبر روانہ کیا اور تمام کیفیت از بند تانانت کھ بھجی کہ آپ درجہ پانچہ مہراجہ صاحب کو اطلاع دیجئے اور جیسے حکم صدر ہو مجھے مطلع کیجئے چنانچہ حال رقعہ تین ہفتہ رات سے بجے پر پہنچی یہ وہ مقام سامو، چپور سے بارہ تیرہ دس تھا۔ داروغہ خبر نے غافل چاہ کرے رقعہ کو پڑھا اور پڑھ کر پامالی میں سارہو کر رقعہ بولے۔ مکمل کیا یہ بھی پر پٹنے اور مہراجہ صاحب کو اطلاع کرنی کہ وہی خبر ساری رہانی حضور سے عرض کر رہی ہے۔ فی غور حکیم صاحب و صاحب سامو، حکیم صاحب سے میرے رقعہ رون سے ہم تھا وہ حرف و حرف پڑھا۔ مہراجہ صاحب و سامو، خود اس خبر سے مہراجہ صاحب نے حکم دیا کہ شفیق میاں حرمیل پہ ٹنڈنٹ کو حاضر کرو اور منشی فوج اور منشی خانہ جاتیہ میں دونوں شفیق و ضم پائیو کہ جس قدر سوار اس وقت موجود ہوں سب تیار ہو کر سامان جنگ گولی بارود وغیرہ کے ذخیرہ میں حاضر ہو جائیں۔ مہراجہ صاحب نے حکم سننے ہی کے لئے ہو گئی جا بجا برکارے دروازے۔ رات تیار ہو کر آنے لگے کہ اسی اثنا میں سپرنٹنڈنٹ حاضر ہوا فرمایا کیوں جی ہم نے اسی سے تم کو یہ ٹنڈنٹ کیا تھا کہ آٹھ روز سے ہمارے نوکر قید میں در قمر نے اس کا کچھ تھا نہ کیا اور ان غریبوں کی کچھ خبر گیری نہ کی نہ مدد پہنچی۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی حضور مصائب کا معاملہ تھا اس لئے مجھے تامل تھا۔ فرمایا مصائب ہم سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ قلیل حکم میں ایک سپاہی برابر مصاحب کے ہوتا ہے۔ وہ لوگ ہمارے حکم کے موجب اپنا فرض منصبی ادا کرنے لگے تھے۔ جاؤ ہمارے آدمیوں کو چھڑ کر آؤ اور یہ سنو کہ اگر میرا ایک آدمی بھی ضائع ہو گیا تو مجھ سے براہی نہ ہو گا۔ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سامو کا چوڑو بنا کر آنا کوئی یہ نہ جانے کہ سامو ابھی آباد تھی یا نہیں۔ سپرنٹنڈنٹ نے عرض کی بہت بہتر ایسا ہی ہو گا۔ غدر سوار ہوتا ہے پھر مہراجہ صاحب نے فرمایا۔ تم بوڑھے آدمی ہو تم کہاں جاؤ گے اپنے بیٹے کو سوار کر دو۔ احمد میاں نے اسے چنے بھی حاضر تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر آداب بھیجا اور رخصت ہو کر سوار ہوئے اور بارہ ہفتہ رات سے چاند پول دروازہ کھلو کر جمعیت سواران روانہ ہوئے۔ دھڑ جیسے توپ خانہ اور دوپٹنوں میں ضم

پتی کیا کہ تیار ہیں اور حکم کے پہنچنے ہی روانہ ہو جائیں، مگر روں کی صاحب دین چینی سے رنج میں موجود تھے وہ سن کر آتے ہی قدموں میں گر پڑے اور عرش کی اس حضور فوج و یوں تکلیف دیتے ہیں۔ میں ان بھرموں اور موزموں کو جنہوں نے عدوان سمیٹ لیا ہے۔ دوپہر تک دیور جمی پر حاضر کئے دیتا ہوں۔ ارشاد ہو۔ کوئی ضرورت میں جس تھنید رنے بھر مگر قدرے ہیں وہی سے کر آئے گا۔ اس نے اتنی بڑی قہرل حکم کی ہے۔ میں اس کی دسکسی کیونکر روا رکھوں گا۔ آپ جا کر اپنے مکان میں بیٹھے کل سب حضور میں آجائے گا۔

آج آنکھوں میں ہے کج کا وقت ہے چار کھڑکیوں پر چڑھا ہے میں ہاتھ مڑا ہوا۔ دروازہ مندر کے آگے کے چوترہ پر بیٹھا ہوا اگلی پلے رہا ہوا پاؤں سر میر سے پاس بیٹھے ہیں میں اپنے دل میں یہ مسوے کر رہا ہوں کہ دیکھئے آج اس رقعہ کا کیا جواب آتا ہے کہ اس شخص سامنے کے دروازہ کی ہڈی میں سے نکل کر آئے اور میر سے پاس کر بلا حلیہ کی اور میر۔ حقیقت ہم بھی مسافر ہیں۔ حقہ کی طلب ہے کہ حقہ عنایت ہو تو دو ٹوٹے ہم بھی پی میں۔ میں نے ما آؤ بیٹھ جاؤ حقہ پی ہو۔ وہ دونوں بیٹھ گئے یہ حقہ پٹنے کا اور یہ شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ سے چھ بیٹھو غرض کرتا ہے۔ میں سمجھا یہ مسافر ہیں چھ سو سال میں سے میں اس کا ہاتھ پڑ کے بیٹھو کیا اور پوچھا کیا اس سے پتہ سے ہا تمہاری مدد اس کے ہاں دروازہ بند ہے اندر اس طرح آسکتے ہیں۔ میں سمجھ سوچ اس سوار کے ہوں کے۔ پھر میں نے پوچھا کس قدر جمعیت تمہارے ساتھ ہے اس نے بیان کیا پانچ ہزار سو تو اس وقت موجود ہے اور جیسے کا توپ خانہ اور پیدل فوج عتب سے آئے۔ یہ سنتے ہی ایک ہر تو میرے دوش پر زکمر گئے۔ میں سمجھا یہ ہنسی کرتا ہے پھر میں نے کہا یہ بات سچی ہے یا وہ ہنسی اس سے نہ آج کل سے دیکھ بیٹا مگر ترکیب اندر آنے کی بناؤ۔ میں نے کہا دروازہ کے سامنے سے چھ کات کر شالی دروازہ سے آنا چاہیے وہ دروازہ کھولا ہے اور اس طرح اور تین ٹوٹے اٹھا کر آنا چاہیے کہ دروازہ بند نہ کرنے پائیں اور میں اس دروازہ پر جا موجود ہوں گا اور زہید نہ ہونے میں گا۔ تم جاؤ سمجھ کر وہ ان دونوں کو تو میں نے کہہ دیا تھا کہ یہ اور اپنی جمعیت کو لگ بھگ بلو کر پیسے سے مراد کیا کہ مرہدی کر کے مسلح ہو جاؤ۔ خدا کے تو سامنے نہیں تاکہ معہ منہ نہ جاوے۔ پیدل مسلح ہو جاؤ۔ اس آدمی تو مسدود کی حفاظت پر رہا اور باقی دروازے تک نہیں جاؤ۔ جس وقت چھ فسا ہو تا دیکھو دروازے پر دوڑ آؤ۔ میں ٹھکتا ہوا دروازے پر جاتا ہوں غرض

سب جلدی سے تیار ہو گئے اور میں تلوار ہاتھ میں لے کر در ایک ہاتھ میں حقہ چتا، در در کی طرف کوچہ۔ خد متکار کا ندھے پر ہندوؤں وہ میرے عقب میں تھا، در ٹھہرتا، دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر کوئی ڈیڑھ سو، سو آدمی کی جمعیت میں دو دو گے کچھ کھڑے ہوئے مجھے سلام کیا اور کہا۔ آج تھانہ در رتی دھڑکیے تشریف لے گئے؟ میں نے جواب دیا بھئی ہم تو تمہارے قیدی ہیں کہیں جاتے نہیں شہر میں پھر کرتی مہلتے ہیں۔ سپاہیان دروازے کا تھکیدار رتی تو کون قید کر سکتا ہے تمہارے بھی راج کے نور ہو۔ یہ بھی کوئی دن کا مدد ہے میری نئی باتیں ہو رہی تھیں کہ میں نے دیکھا کیا یہ دروازے کے سامنے سے یہ رسالہ کتاب رسالہ رکھوڑا، دروازے کے سامنے تھا چلا آتا اب اس سے پیچھے میں سوار ان کا غٹ ہے اور اس نے آتے ہیں اس سے تلوار بھیج کر حملوں اور قتلوں میں، سب سواروں نے تلواریں بھیجی ہیں۔ تمہیں دروازہ کھول کر سکتے ہیں سامنے بہت دھڑک رہا ہے اور اب رسالہ دار نے ٹائٹ برادر دروازے کے سامنے خبردار کر پٹی جا کے نبھشوں تو ہمارے تلواروں کے ٹکڑے گڑھے چائیں گے۔ جیسے میٹھے ہو دیں ہی بیٹھے رہو۔ پھر اس کا مقدمہ تھا کہ چوں کر سکتے۔ اور فسر نے ٹھوڑا بڑھا کر کہا تو مردو آ جاؤ۔ اس پھر کیا تھا ایک رید سواروں کا یہ دخل، دروازے میں سے مشکل برآمد ہوئے اور سواروں کے غٹ کے غٹ پیچھے آتے ہیں اور سامنے میں دخل ہوتے جاتے ہیں ان کے عقب میں قارے پر پوس دیتا ہوا قار پنی، داخل ہوا اور احمد میاں نے اگر مجھ سے سلام ہیٹوں اور پیچھے ان کے اس رسالے آنھوں رسالے غاروں پر چوٹ دیتے ہوئے داخل ہوئے ان کے عقب میں تین ہزار جاگیرداروں کا فیل داخل ہو گیا۔ اب نہ مود میں قل دھرنے کو چاہے نہ رہی۔ تمام شہر سواروں سے بھر گیا۔ اس وقت احمد میاں نائب سپرٹنڈنٹ نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے قیدی کہاں ہیں، دن میں نے کہا موجود ہیں مندر میں قید ہیں۔ اس وقت سواروں میں سے ایک گاڑی، پکار میں چڑی اور قیدیوں کو مندر سے برآمد کر کے چھوڑے پر سوار کیا اور مجھ سے کہا کہ چلو میں نے کہا کہ ایک پانچ منٹ اور توقف بیٹھو کہ میں ذرا ابھائی جی کے مدار راوی جی صاحب سے چل کر آؤ وہ باتیں کر لوں۔ احمد میاں نے اچھا میں نے کہا ایک مر اور ہے ذرا ان قار چیوں کو میرے ہمراہ کر دو غرضہ قارے ٹھوڑے ہمراہ کر میں کا مدار صاحب کے مکان پر پہنچا تو دروازہ کو قین کا ہوا پایا میں نے اس وقت با آواز بلند یا بھائی جی کا نام لے کر آواز دی

[illegible]

پہلے ٹنڈنٹ صاحب اچھا تو یہ رویہ دیکھا کہ اس میں سے وہ تعلقہ دار صاحب کے ترانے موافق ہو، ان کو پناہ دے۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ اور یہاں میرے آپ کو واپس۔ میں نے اس میں سے ایک بھاری فائدہ اٹھائی ہے۔ تعلقہ دار صاحب کی نذر زراعتی۔ آئین برائے فور پاؤں اس پر حقد میں میں مستحکم ٹھونک دی جاتی ہے۔ زمینداروں کے بھی بیڑیاں پڑ گئیں۔ کچھری میں خسارت ہوئے گئے۔ تعلقہ دار صاحب قبولے کہ وہ بھی نہیں بھاری نجات سنگھ جی جروں کے گاؤں میں ہم نے چوہائی تھی اور اب بھی وہیں ہے۔ یہ بات سن کر میں کونسل کو پھر دوڑا گیا اور تمام کیفیت بیان کی کہ اب تک بھی نہیں بھاری نجات سنگھ جی حاکم کونسل کے گاؤں میں موجود ہے اور بھاری صاحب خود ہر اجلاس کونسل میں موجود تھے۔ نوب فیض علی خاں صاحب یہاں نے بھاری صاحب سے کہا۔ اہو وہ بھاری صاحب آپ کونسل کے سردار ہو کر چوروں کی پناہ دہی کرتے ہیں۔ بھاری نجات سنگھ جی نے مجھ سے کہا کہ اچھا بھاری میرے گاؤں میں بھیجیں ہوگی توکل تیرے سر پر پتہ چوہائی کی خاطر جمع کر۔ یہ سن کر میں حکام کو سلام کر کے نہ کو آیا۔ وہ سرے سے انہی پر نوچر مجھے بھاری میں بدویا گیا۔ جب میں بھاری میں پہنچا تو پہلے ٹنڈنٹ صاحب نے کہا۔ وہ بھیجیں نہیں ہو اور بھاری نجات سنگھ کے آدمیوں کو رسید لکھو۔ میں نے رسید لکھ کر بھیجیں بھاری میں بھیجا دی اور کونسل میں جا کر نواب صاحب سے عرض کی کہ وہ گاؤں میں آج کے قبل سے میرے پاس آگئی ہے۔ اب سرکار کو اختیار ہے جسے چاہے حوالہ کریں۔ نواب صاحب میرے ہاتھ پڑ کر مہاراجہ صاحب کے پاس آ گئے۔ میں نے جا کر سلام کیا پھر بھیجیں کے۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حضور کے اقبال سے موجود ہے مہاراجہ صاحب نے منس کر فرمایا کہ نواب صاحب میں نے پہلے آپ سے کہہ دیا تھا کہ وہ بھیجیں پیدا کر کے گاؤں۔ بعد حکم ہوا کہ اس سوئی کے حوالہ کر کے راضی نامہ لے دو۔ سوئی جی ہوا کر گیا۔ تر بھیجیں ہو اور بھاری کو بھاری سنگھ جی کے نام راضی نامہ لے کر آؤ۔ سوائی کے راضی نامہ سے انکار کیا۔ اب بھاری صاحب نے وہ کیل منت کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں مگر سوائی کی طرف راضی نامہ نہیں دیتا اور نہ بھیجیں دیتا ہے۔ بھاری صاحب نہایت تنگ ہیں۔ غرضکہ میں نے پھر سوئی سے جا کر بھیجیں تمہاری آگئی۔ اب تم راضی نامہ کیوں نہیں دیتے۔ اس نے مامی کی بھیجیں کے سینک اور مامی کی ہے۔ چھ مار ڈال ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا تعلق ہی رویہ سے

آج کل

ساری راسخی نامہ نہ اپنے ٹایپ سب سے مجھے کچھ بھیٹیں کی پرانی نہیں اید
 تھیں نہیں ان کے میں نے پورے ہو جائیں تو میں بھی فریاد نہ کرتا ہر میرے پاس تھا
 میندارہ نہ روایا آتی ہے ان سے میں چوری ہو جاتے ہیں، کسی کا اونٹ، کسی کی بھیٹیں
 کی کاغذ، سب میں سے تک کر تاش کی ہے۔ سب تک زمیندارہ کی چوری کا بندوبست نہ
 ہو گا میں رخصتی نامہ نہ کرنا دوں گا۔ یہ کا پیمانہ جس سے میری بھیٹیں چرائی ہے یہی چوری
 کرتا کرتا ہے اور ان کے قصبہ کے ارد گرد کے دیہات میں چوری کرتا ہے۔ اور گاؤں و دیہات
 و جنگ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قصبہ کمور کے چوکیدارہ میں وہ بھی شامل ہے اس کے بھائی
 بہن کے اسے درشت سے خارج کر کے نکال دیا۔ اس کی جو بھاد اور آمدنی۔ غلہ وغیرہ میں
 پیچھے مقرر تھی وہ اور ان کے چھین دی۔ اب وہ ان کے چوکیدارہ سے جو دیہات ہیں وہ ان کو
 وقت سے روکے، ان کے ساتھی دیہات میں رہتے۔ ابھی علاقہ اور میں ملھ کر چوری کرتا ہے
 یہ کہ ہمارے برقرار ہے یا نہیں؟ اس کا حصہ ہے کہ وہ چوری نہ کرے اور رعیت و
 ان کے۔ یہ حقیقت میں ہے کہ کام و کوٹس گزارنی۔ وٹس سے میرے سے خطرہ
 بذات خود ان مواضع میں جا کر تحقیقات کر رہا اور جو پتہ اس کی بھاد اور آمدنی
 ان کے کرادہ اور اسے ہلا کر بے اخذ ضمانت آکر کرو تاکہ وہ قتل نہ ہو اور رعیت و کوٹس
 کے۔ غلہ میں سے اس کے لئے کا حصہ حاصل ہے دیہات میں شہادت ملو اوپے۔
 ٹایپ میں یا آنکھ روکے اندر آکر رہا ہو جائے۔ کوٹس کی بھاد اور آمدنی وغیرہ اسے دینی
 جائے۔ آج تک کے جو کام ہمارے معاف۔ ایک جا میں سے ورنہ بھاد اور اس کی وہ
 کوٹس کے اس کی بھاد اور چوکیدارہ کوٹس کیا جائے گا اور بعد اس کے مذرت قابل ماحول
 نہ ہوں گے۔ اس اکتھار کے جاری ہونے کے تیسرے روز، وقت شام اس نے تھانہ میں آ
 میرے قدم پڑنے میں نے اس کا تمیہ کیا کہ آقا نے میں رہا۔ میں وہ رہا چل گیا
 سب بندوبست۔ اس کا۔ وہ قصبہ کمور میں جا کر سب دیہات کے زمینداروں کو ہمارے
 اس کا حصہ تھا وہ جاری کر دیا اور اس کی منجانب آکر دیا۔ ٹھیکر صاحب کا اضافہ کر دیا۔ کام
 اس کارروائی سے نہایت خوشنود ہوئے۔

وہ قصبہ ان کے قصبہ نکاح میں بھی بد نظمی ہو رہی تھی۔ چوکیدار

تقصیداری جو، تعدی سے برخاست ہو۔ تھے۔ رعیت ہوتا تھے۔ ہوائی سے شہر
میری تبدیلی کی درخواست و نسل کے برائے مجھے مدد ہوا۔ ان کے لئے۔ وہاں مدت تک
میں بہت حیرت و پریشان رہا۔ تمام رات بچاں بچاں کیوں کی کیفیت سے۔ رات کو
شہر نہ تھا۔ پورا ہاتھ نہ آتے تھے۔ میں ایک محلہ میں جا رہا تھا۔ وہاں سے میں آمد ہوتے
آخر مجبور ہو کر و نسل سے آبادی چوکیداران کی درخواست کی۔ منظور ہو کر حکم آبادی
چوکیداران صادر ہو۔ میں نے اشتہار لگائے۔ شہر کو سب کے سب بچے ڈر گئے، جوان،
عورتیں قریب تک چالیس کے میرے قدموں میں آ گئے۔ میں نے آبادی کر لیا۔ پھر اس روز
سے قصبہ میں چوری نہ ہوئی۔ مواضع کے دو چار ریاست سرکش تھے، ان کو ٹھونک پیٹ
کے درست کر دیا۔ بند و بست ہو گیا۔ میں جس علاقہ میں رہتا تھا وہاں واریات بہت کم ہوتی
تھیں، راز ہو بھی جاتی تھی تو جب تک اصل مجرم، ستیاب نہ ہوتے، چوکیداروں کا پیچھا نہ
چھوڑتا تھا۔ غرضکہ بعد جب مہاراجہ صاحب ساکھیا لے گئے تو چھوڑ دیا۔ وہاں سے
رعیت نے عرض کی ہوائی پس کیا ہے۔ اس وقت ساری جمع کر مجھے یاد آئے۔

ایسا ہی باب میں اپنی سپر فلڈٹ ساری قضا و نسل سے ایک ساری رعیت
لے کر میرے پاس پہنچا۔ ایک جاگیر کے قصبہ میں، ہمراہیوں نے ان میں نارنج واقع
ہوا ہے۔ فوج ایک نھرائی کے جانب ہے اور گاندھری ریاست وہاں کی طرف
ہے۔ آٹھ سات ہزار آدمی کا بلوہ ہے مہاراجہ صاحب جیسے اور خونریزی ہو رہی ہے۔ وہاں سے
ہو جائے، فی الفور موقع، ارادات پہنچ کر بند و بست رہا۔ آٹھ، آٹھ، آٹھ، اپنی کتب و دینی
علم ہاظمہ میر احمد علی صاحب کے نام پہنچا۔ موصوفہ ہمراہیوں کی قریب چار سو ساری رعیت کی
جمعیت لے کر موقع پر پہنچے تو یہ دیکھا کہ وہاں جا کے فوج کی مورچہ بندی ہے اور چار سات
ہزار آدمی کا بلوہ طرفین سے ہے۔ مورچہ چھ بندھنیوں میں سربللی تیار ہیں۔ فقط کسی سینے کی
دیکھ رہے۔ اور شہر میں لپٹاں پکٹی ہوئی ہے رعیت تمام معاذل، عیوں و مال پٹی، کان کے علاقہ
پانیہ، وہاں چلی جاتی ہے۔ سیکھ سا ہو کار، مہاجن نی، قال گاڑیاں بھر کر سارا پانی
حالی شہر سے لے جاتے ہیں۔ اہل شہر تمام اپنے اپنے علاقہ جات میں لے جاتے ہیں۔ غرضکہ
نادر کا نقشہ وہاں نہ آ گیا۔ میں نے اس وقت گھوڑا بھڑکے پیچ میں، وہاں وہاں کے جا
کر ابو رہا، لازمہ دیا کہ اب ہم کو اتھارنے والے تھے آتے ہیں اس کے کئی باب

سے اور اتنی ہوتی اور نہ ہی قہر اور استعجاب کا اور نہ ہی غصہ اور نہ ہی جانب داری کی پوری پوری خبر میں آئے اور پھر مقدمہ ران سے تپا لے گا۔ جو تم کو، فریاد رانی، دھم سے آ کر عرض کرو ہم ہندوستان میں گئے اور ہمارے تکیے مورچے۔ غرض میں نے ان سے مورچے جو قریب سے تھے، تھے وہی صوبہ سے مراد ہے۔ شب کو سب افسر فوج کے اور بنی ٹھکانے کا وکیل میرے پاس آیا اور ٹھکانے کی اور حسنی کے ساتھ مجھے ٹھکانے کی جانب سے پیغام دیا کہ ٹھکانے کی صاحبہ نے سلام کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنی بی بی تم میرے اپنی بھائی ہو اور میں بندہ ہوں۔ میں نے تم کو اپنا بھائی کہا ہے اس اور حسنی کی تم کو شرم چاہئے۔ اب یہ ٹھکانہ تم رکھو گے یا خیر رکھو گے گا۔ نیا تر صاحب کو مرگے ہوئے اور اس کا عرصہ ہوا۔ یہ پانی برس کا ہے وہ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ چھوٹی ٹھکانے سے ہے۔ اس کے پیدا ہوتے ہی میری کوئی ڈال دیا تھا۔ اب یہ نادر چھوٹی ٹھکانے سے مل گئے ہیں اور ریت اور فوج کو شک رہ رہا ہے۔ اس میں فوج کے چڑھ سے ہیں۔ تنخواہ نہیں پائی جس کو کوئی زمین نہ کر دے مگر وہ سب منظر کر لی ہے جاگیر کو لوٹتے اس کو کھاتے ہیں اور فوج نے چار ہزار سربازوں کی ایک سہولت پر کمر باندھی گا۔ اداروں نے اور ٹھکانوں میں سے بیعت و انصرار سے وہ بھی مرنے والے تھے تیار ہوئے اور ان کا ارادہ ہے کہ اور کرن کی تو ہیں تھیں میں۔ اب تم کہے ہو اب اس کا ہندوستان تمہارے اختیار ہے اور یہ زمین سو رہا ہے، موت کے چھتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ جب تک نادر رہے گا تمہاری فوج کا خرچ میں ہوں گی۔

جواب اجانب - ٹھکانے کی صاحبہ سے میرا سلام منا اور یہ سنا کہ جب تم نے اپنے منہ سے مجھے بھائی کہا تو ہم دونوں میں یہ تصور ہے کہ میں ایسی بھائی ہوں گی جو پیر سو مر رہا رکھتے ہیں۔ یہ موت آپ رہنے دے گا تو ٹھکانے کا بال بھی بیکار نہ ہو گا اور رقتہ رقتہ کا اور دشمن سے رہا ہو جائیں گے اور آپ کا حکم حاصل ہمارے گھر میں دو مہینے کا میرے حکم سے موجب تمہارے رہنا چاہئے۔ میری جانب کی کارروائی تو یہ ہونی چاہئے کہ یہاں کی کارروائی کا حال سننے کا نادر وہاں پہنچے اور ابدکاران ریاست سے ساز باز رہے یہ چاہئے۔ افسر ان فوج کو تا حکم صاحب گرفتار کے لئے بھیجے گا جس میں تو میدان صاف ہو جائے۔ سپاہی چار سے یا کر سکیں گے۔ پھر ٹھکانے پر قبضہ و دست برداری مدافعت ہو جائے گی۔ سب لکھنا اور رہائی کریں گے کوئی مانع اور مزاحمت نہ ہو گا۔ ٹھکانے کی پوری پردہ

نشین ہے وہ لیٹر کرتی ہے۔ بطور نظر بند سب، خلیں پڑی رہے گی۔ یہ خبر مجھ ورت سے
 رہ رہے معصوم ہونی کہ ناظم صاحب نے یہاں یہ منصوبہ ہوا ہے کہ کامداران کی آمد سے
 افسران فوج کو گرفتار کر لیا جائے۔ ایک رسالدار فوج نے مجھ سے کہ یہ ماہجریاں یا اور خلیں
 انصار کیا کہ ہم وگوں کا گرفتار ہو جانا کچھ سہل نہیں ہے۔ آخر ہم سپاہی ہیں اور مہار سے
 مادہ ہیں۔ جب ناظم صاحب ہماری گرفتاری کا ارادہ کریں گے تو اس وقت ہم وک چھو جاؤ
 حکومت کا نہ کریں گے۔ کامداران کے شامل ناظم صاحب کو بھی سمجھ کر مقابلہ آرائی میں
 درخی نہ کریں گے اس وقت حکم محکوم سب برابر ہیں۔ اگر سرکار بے پور کا مقابلہ ہو تو ہم
 آپ کو جتائے دیتے ہیں جو ہمارے سامنے آئے گا ہم گرب ماریں گے خواہ ناظم صاحب
 ہوں۔ خواہ آپ ہوں۔ ہم کسی کی رو رعایت نہ کریں گے۔ یہ سن کر میں نے اسے تسلی دی کہ
 نہیں ایسا ہگز نہ ہونے پائے گا۔ تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی تدبیر کروں گا کہ یہاں تک فوج
 ہی نہ پہنچے اور رفع شر ہو جائے گا۔ یہ کہ سن کر وہ فوراً خست ہوا میں اپنے ستر پر بیٹ کر
 سو رہا۔ صبح کو جب بیدار ہوا ہاتھ منہ دھو کر تھکا ہوا حقہ پیتا ہوں اور اس معاملہ میں سوچ رہا
 ہوں کہ یا ایک ایک۔ مارہ خیر لیا ہوا آیا اور اس نے بیان کیا کہ ناظم صاحب نے حکم دیا ہے کہ
 جلدی تیار ہو کر جمع جمعیت آجاؤ۔ وہاں ہتھیار چل گیا۔ جلدی چلو میں نے اپنی جمعیت و اور
 دی تیار ہو جا اور آپ ہتھیار لگائے۔ ہندو قمر کی بارواؤں کا توران کر سے لایا اور مکان
 میں سے نکل کر چلا۔ میری جمعیت میرے ہمراہ ہوں۔ جب میں ناظم صاحب کے مکان پر
 پہنچا تو میں نے دیکھا ناظم صاحب ہندو قمر میں گولی اس رہے ہیں۔ مگر غصہ اب سے ہاتھ
 دست و پا میں رعشہ ہے۔ مجھے دیکھتے ہی یہ ہے۔ وہاں ہتھیار چل گیا شت و خون ہو رہا ہے جھو
 اور جلدی چلو۔ میں نے کہا کہ آپ شریف رکھے، مجھے جانے دیجئے آپ ناچنا مناسب نہیں
 ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی توپوں پر ہتی پڑ جائے گی اور تھوڑے چلے ہوں مجھے ساری
 کیفیت معصوم ہے۔ آپ بیس ٹھہریں۔ میں اپنی جمعیت سے جاتا ہوں جب مجھ سے کسی
 طرح کی جھگڑا نہ ہو تو آپ میری مدد و تباہی کرنا یہ کہ میں معرکہ میں آتا ہوں
 میرے ہاتھ میں اسلحہ ہاؤنوں جانب سے آئی کی پانی کی اور وہاں سے آئے
 ہونے لگے۔ شاید سو قدم کا واسطہ ہو گا اور میں ہاؤن میں معرکہ کا راز رہے۔ فوج و ہوں
 یا تباہی کی نہ ہو۔ اس سے ورت کے توپیں برسر ہتی ہیں اور توپوں میں کانٹا ہے۔

ہوا سے توڑ سکتا ہے توپوں کے پیچھے فوج تہی حزن سے مرگمہاران کی طرف کی جمعیت، ان دونوں میں بدھ قیس بھر کے حزن سے۔ میں ان دونوں شہروں سے پہلو میں سے پہنچا۔ جس وقت فوجیوں نے مجھے آتے ہوئے دیکھا چار برکات اپنی ہی خبر، ارادت نہ آتا، نہ ہم توپ کو بتی، حیات ہیں۔ میں نے چار برکات، ایک اچھا میں اپنی جمعیت کو نہیں تھا۔ تم آتا ہوں تم سے دو باتیں کرنی ہیں۔ یہ کہہ کر میں آگے چلنے لگا تو میری جمعیت وہ میرے ساتھ آنے لگی۔ اس وقت ہم تم کو اسیا نہیں جانے دیں گے اگر تم وہاں مارے گئے تو راجہ ہم کو توپ سے آزادے گا کہ تم اپنی ڈپٹی کو قتل کر آئے۔ میں نے نہیں سمجھا کہ نہیں مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ میں وہاں ان سے کر کے آتا ہوں اور میں نے پچ میں کھڑے ہو کر سنیا کہ دیکھو تم دونوں کے پچ میں میری جمعیت جا کر ہے۔ جس کی طرف سے پہل ہوئی گویا مجھ سے مقابلہ ہو گا اور اپنی جمعیت کو پچ میں مدد کر کھڑا کر دیا۔ ورنہ آپ تم افسر ان فوج کے پاس پہنچا اور ان کو سمجھا یا کہ دیکھو تم دو ٹک سہی ہو اور سپہ سالارینہ جا کر ہوتا ہے ایسا کام نہ کرنا کہ جانیں بھی تلف ہوں اور دشمن بھی کتے کو میں کھا میں اور ہاں پتہ تہا ہو جائیں۔ عورتوں کی تہ و پرہیزی ہو ایسا کام نہ کرنا کہ سانپ مرے نہ لگتی ہوئے۔ میرے نزدیک یہ بات مناسب ہے کہ تم دو ٹک سب سے پور و صدر میں چلے جاؤ وہاں جا کر پناہ ستیغہ پیش کرنا۔ افسر ان فوج ہم تو اس بات پر راضی ہیں مگر کامد رہی مانیں۔ وہ ہم کو رفقاریا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں پسے ان کا چاہنا ہے پور کو بروں گا جب تم کو بھیجوں گا وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ اچھا ہمداران کو بھی ہمارے ساتھ جے پور کو روانہ کر دو۔ یہ کہہ کر میں ہمداران کی طرف ویا و رہاں جا کر ان کو، حملایا و رہا کہ اپنی نے چاہتے ہو تو تم دونوں اسی وقت سے پور کو روانہ ہو جاؤ ورنہ پہلے مجھ سے سمجھو پھر آپس میں لڑنا بھڑکانا۔ سب پور میں سب تو لڑا بھڑکا دھکانے و یوں رہا کرتے ہو اور ان میوں و پیچھے ہٹاؤ اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ہندوان کو پیچھے وود کانیں خالی کرادو۔ پیچھے جا کر انہیں کھڑا کر دو اور ہمداران سے کہا کہ چلو میرے ہمراہ ناظم صاحب کے پاس۔ ان دونوں کو ہمراہ لے کر ناظم صاحب کے پاس آکر کہا کہ اس مصیبت، وقت اس میں ہے کہ آپ ان کو اسی وقت اپنے سوار ساتھ کر کے جے پور روانہ کریں اور میں اپنے سواروں کے ساتھ افسر ان فوج کو روانہ کرتا ہوں۔ فہر، رخواست ہوتا ہے اور دونوں طرف کے مورچے ہوا لے دیتا ہوں۔ ناظم

صاحب نے بھی چاروناچار اس تجویز کو منظور کیا اور کامداران سے کہا کہ جاوے پور میں جاوے۔
 جس میں سمجھ کو تیار ہو جاوے چنے کو۔ میں نے جاوے توچیں کھو کر توپ خانہ میں رکھو میں اور
 میرے آدمیوں نے ہوا یوں کو منتشر کر دیا اور دونوں ٹھکانوں سے کھار بھجوا کہ اب اپنے
 وکیل جے پور کو بھیج دو اور اسی روز کامدار اور فسرٹ فوج ہر دو متفقہ صمکن کو جے پور کو چارون
 کر دیا گیا۔ عرض کے ذریعے جے پور میں ایسے ایسے کامداریاں اکثر منظور میں آئے ہیں۔

ایک بار زمانہ تھانہ درئی ساگانیر میں شفیق میاں جنرل سپرٹنڈنٹ سے مجھے تھانہ سے
 معطل کر کے میری جہاز کا مقدمہ کرنے اپنے ایک عزیز کو بھیج دیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ مجھے
 معطل و نرسات سے۔ اب حکم حضور کے میں بھی خاموشی کے ساتھ منتظر تھا وہاں تک کہ
 نیکو رہا۔ آخر یہ قصیدہ میں اس معطلی درج کر کے مہاراجہ صاحب سے پاس پہنچی مہاراجہ
 صاحب مہضع خاں پاروی شکار گاہ میں تشریف رشتہ تھے اور اتفاق سے وہ اب احمد علی خاں
 صاحب تھے ورنہ اب عبید اللہ خاں صاحب ان کے بیٹے بھی کہ ان دنوں میں جے پور میں
 موجود تھے وہ دونوں صاحب بھی وہی آدمی جو اب ہوئے۔ شام کو میں نے جاوے مہاراجہ صاحب سے
 سلام کیا۔ فرمایا آج تھانہ داراجی تم کہاں آگئے۔ میں نے عرض کی کہ بہت اس سے حضور و
 راجہ نہیں ہو تھے اور کچھ لکھ کر بھی لایا ہوں مسکرا کر فرمایا بہت اچھا چراغ جل جا میں تو بیٹو
 سوں۔ جب چراغ روشن ہو گئے تو کھانے پر وہ کے جگہ میں حضور صاحب بیٹھے اور
 وہ اب احمد علی خاں صاحب بیٹے اور سامنے کے رخ و چراغ ان روش تھا اس سے ایک پہلو
 میں میں بیٹھا اور دوسرے پہلو میں نائب عبید اللہ خاں صاحب ورنہ کے برابر باہر اوقات
 چند رہا اور تھے اور میری مجلس میں غشی نو سکھورہا ایک مطیع اودھ اخبار اور مہاراجہ کی پشت پر
 مہاراجہ پر قاب سٹھ جی جو اب پورہا۔ بیٹھے ہوئے اور نکاح کر فتنہ سنگھ جی ن سے باتیں کر رہے
 ہیں کہ مہاراجہ صاحب نے حکم دیا۔ ہاں ہوئے اور میں نے قصیدہ شریف یہاں مہاراجہ صاحب قریف
 رہتے تھے۔ مٹی و شکر صاحب ہوئے اور کیا قصیدہ لکھا ہے۔ باطل فوادی کی زبان معلوم
 ہوتی ہے۔ مہاراجہ صاحب کی خوش قبولی ہے کہ اس کہاں کر مہمود ہو جاتے ہیں اس طرہ
 یہ مہاراجہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ مہاراجہ صاحب و معطلی کے مضمون کے شعر آئے تو اب
 احمد علی خاں صاحب سے پوچھا یہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہاں سے معطل ہو کر آئے ہیں
 وہ ہیں افسانے۔ میری جانب اشارت اس نے معطل یہاں ہاں تھی چند سے مٹی طلب

ہو کر میں نکھو اچکا ہوں کہ میری بغیر اجازت معطلی، تبدیلی اور خستگی نہ ہو۔

بابو صاحب۔ ہاں میں نے یہ حکم کونسل میں نکھوایا ہے زبانی حضور کے۔

مہاراجہ صاحب۔ شفیع میاں بڑے بے شعور آدمی ہیں ان کی معطلی کی تنخواہ ان کی

تنخواہ سے دو کہ آئندہ انہیں خیال رہے اور میں روپیہ ماہوار ان ان کے روزینہ داران میں

کر دو اور اگر یہ نوکری سرکار سرشت میں انجام دیں تو کارگزاری کی تنخواہ عیسیدہ طے ور یہ

روزینہ عیسیدہ۔ میں نے اٹھ برس کیا وہاں سے رخصت ہو کر گھر کو آیا وہ خوب آمد علی خان

کے مکان پر آئے اور مجھے بلایا اور کہا کہ اب تھانے پر جاؤ۔ میں نے کہا مجھے معاف ہے۔

مہاراجہ صاحب نے میرا روزینہ فرمایا۔ اب مجھے کارروائی چھو حاجت نہیں میں نہیں

جاتا اب میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ رہے ہوتے ہیں اور نواب صاحب سے کہا کہ ایک دن

و آپ سرکار کا یہ بھلائی ہے۔ چہ یہ چاہیں استغناء داخل کریں۔ میں بری ہو جاؤں تو مجھے

مجھے تھانے پر بھیج دیا۔ بعد ایک سال کے حضور صاحب نے مجھے اپنی پہ ٹنڈنٹ برے

نورانی کو بھیج دیا اور میں یہ فرمایا کہ مجھے تیری چاہری کا حال خوب معلوم ہے۔ اٹھ روز تیری

ترقی بہت چھ ہوئی۔ میری بد نصیبی ہے چھ ماہ کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور میں اس ابد میں

پھنس گیا۔ ایک سال نورانی میں میں نے نوکری دی اور وہاں سے تین برس شیخوئی میں

نہی رہا۔ مہاراجہ صاحب یہاں مہاراجہ مادھو سنگھ جی ان روزوں میں بے اختیار تھے اور ایک

طلون مد تین کی ہے پور میں طفلیوں پر تھی تھی جس قدر مہاراجہ رام سنگھ جی کے مدد سے

وہ سب خانہ نشین ہو گئے۔ ایک نے پہ ٹنڈنٹ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہم چاروں اپنیوں

اور پرانے تھانہ داروں کو موقوف کر کے نئے بھرتی کر دیئے تھے ان کی ناش فریاد بہت سی

ہوئی۔ انہوں نے میری جگہ پر اپنے بھائی کو مقرر کیا ان کی ناش فریاد ہوتی رہی۔ آخر وہ اس

چارہ جوئی کر کے تھک کر اپنے گھر چلے رہا۔ ریاست نے اتنی پروتس کر دی کہ میرے سینے کو

تھانہ دار فرمایا تھا۔ سی اثنا میں میرا ارادہ بھپاں کا ہوا اور دوران سفر میں مقام جاوہر میں قیام

ہوا۔ نواب صاحب نواب اسماعیل خاں جاوہرانی جاوہر سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ایک

قصیدہ نذر کیا۔ آٹھ روز مجھے مسلمان رکھا اور پچیس روپیہ صلہ کے دے کر رخصت کیا۔ میں

بھوپال میں آیا اپنے ایک دوست کے مکان پر مقیم ہوا۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب سے

ملاقات ہوئی۔ حضور نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے مہاجرہ میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ آٹھویں

ان روز جمعہ کو شریک مشاعرہ ہوتا تھا۔ جس پانچ سات آدمی شریک جلسہ ہوتے تھے۔ نواب صاحب نے امیدوار کیا تھا۔ بعد تین ماہ کے میں واپس مکان کو روانہ ہوا ایک قصیدہ عید قربان کا بیگم صاحب کے دربار میں پڑھا تھا۔ اس کے صلہ میں دو سو روپیہ عنایت ہوئے تھے وہ اسے اس مکان کو چھوڑ گیا۔ نواب احمد علی خاں صاحب کے بڑے چنے کی شادی میں میں نے قصیدہ لکھا۔ بچوں کو اسے صلہ کے دیے اور کہا کہ اب آپ کہیں نہ جائیں۔ میری ریاست میں رہیں۔ چنانچہ مرتے دم تک انہوں نے مجھے اپنے سے جدا نہ کیا اور میں آرام سے بے پور میں بیٹھ رہا۔ بے پور کو خدا آباد رکھنے عجب شہر ہے۔ یہ قہار شہریت یہ اپنا نظم نہیں رہتا اور تب ہوا جی خدا عتدس عتدس طیف خوشنما ہے۔ ہر طرح کا امن و آسائش ہے۔ ایک ایک عمدہ بات ہے پور میں دیکھنے میں آئی کہ تمام ہندوستان میں نہیں۔ جتنے ہر قوم و ہر فرقہ اور مذہب سے آدمی ہے پور میں سکونت پذیر ہیں مگر باہم تعصب مذہبی نہیں ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، انگریز سب باہم شیر و شکر ہیں کبھی باہم مذہبی تعصب کا تذکرہ نہیں کرتا۔ سون، دسرہ، محرم، رام لیلا وغیرہ میں انگریزی عملداریوں میں باہم فتنہ و فساد ہوتا آدمی مارے لے۔ مگر بے پور میں کبھی تکرار تک نہیں ہوتی۔ یہ سب خوبیاں مہاراج رام سنگھ بہادر کے عدس، انصاف اور نظموں سے اور سیاست دانی و درتایف قلوب اور بدلتعصبی کے ہیں کہ آج تک اپنی انتظام برقرار ہے جو بناوہ ڈال گئے ہیں اور یہ سب نتیجہ ان کی بیدار مغزی کا ہے مہاراج مہاراج صاحب بہادر مہاراج سری سوامی مادو ہو سنگھ جی کے مزاج میں کسی درجہ تعصب مذہبی نسبت فرقہ بل اسلام ہے مگر رعایا پروری کی نظر سے حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ جو سلوک بنود کے ساتھ ہوتے ہیں اس سے زیادہ کچھ مسلمانوں کے ساتھ مرنے دیتے جاتے ہیں۔ ایام قحط سالی میں سب اقوام کے ساتھ ایک برتاؤ کیا گیا اور ۱۱۰۰ روپیہ مہینہ سب کا بندر جاری رکھا گیا اور تین برس سب کو بندر ملے کیا۔ حق تو یوں ہے کہ زمانہ قحط سالی میں جو مہاراجہ مادو سنگھ جی نے رعایا پروری کی ہے آج تک نہ کسی بادشاہ نے کی نہ کسی راجہ نے۔ روزوں روپ اپنی رعیت پر سے صدقے کر دیے۔ خدا کے بارگاہ میں بار چار روپ دے دیے یہ کافی ہے۔ ایک پیسہ والے کو ایک پھر سے دے دیتے تھے۔ انگریزوں کو کوئی مدد جاری تھی عورت پرودہ نشین رات کو جا کر کام کرتی تھیں۔ صبح سے پٹے مزاداری کے کرتے جاتی تھیں۔ ان میں عام حکم تھا۔ جس کا جی چاہے درخت کاٹ، دوا چھو اور کھاو۔

اس کے ساتھ شہر جاری تھا۔ کنٹھوں کے واسطے اُمیر کے ہزارے رہا۔
 مندے کا فرش ہاتھ ایا کئی ہزار مہل تقسیم کرادیئے۔ علاوہ ازیں مہاراجہ صاحبِ مزان کے
 سے صمیم و سلیم ہیں۔ کسی کے آزار تکلیف کے رواں نہیں۔ مندے سے کسی کو پر بھلا نہیں
 ہتے۔ کسی پر فغا نہیں ہوتے۔ رعایا، مددزم سب خوش و خرم ہیں۔ فیاض بدرجہ اوسط ہیں جو
 جس کا مقرر ہے ملے جاتا ہے۔

قلعہ رتھنپور۔

یہ قلعہ بظہر استحکام کے زمین کے قلعہ جات سے زیادہ تر رفعت کی علامت ہے۔ یہاں
 جاتا ہے۔ اگر کوئی غنیمت قلعہ کشنی کے ارادہ سے حملہ آور ہو تو ہر چہار اطراف سے قلعہ تک
 رمانی کمال بلکہ غیر ممکن۔ ہر قلعہ وادوں کے پاس سماں رسد و میٹریں، خیمہ و جمعیت
 مناسب، افسیہ میں مہم، سو قلعہ وادوں کے قلعہ مذکور پر دستیاب نہیں ہو سکتا۔

یہ قلعہ سات سو کے واسطے ہر میں ہزار نقطہ پر کار واقع ہوا ہے اور ہزار کے چار ہتھی
 کے ہر حصہ کشیدہ و نہایت بلند و ضخیم ہیں۔ واسطے و ہستان میں زمین ہزار ہے۔ ان میں
 زراعت ہوتی ہے اور جات کھڑے چشمہ سار ہیں۔ پہاڑوں کا پانی تالابوں میں جمع ہوتا ہے
 اور ایسات آباد ہیں۔ بطور مضارہ ازموس کے فاصلہ میں یہ قلعہ واقع ہوا ہے اور کسی جانب
 سے راہ ہموار اور درم و در راہ آمد و شد قلعہ نہیں ہے۔ برجائندہ جادو ہائے ناہموار و انتہائی، شار
 گزار و رست بلند کھائیاں کہ جن پر سے سارے ایک دو پیدل اور ایک سوار کے عبور و مرور
 ہوتا ہے۔ کوئی رست بھی ایسا نہیں جس سے توپ کا گزر قلعہ تک ہو۔ کسی جانب سے لگاؤ
 ایسا نہیں کہ توپ پہنچ سکے۔ چہر طرف سے پہاڑ قلعہ کو چکی کے گوند کی طرح گھیرے

۱۔ قلعہ شمال قلعہ ۱۲۹۹ء میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے فتح کیا۔ میں
 خاندان کے رہاں کے بعد یہ ریاست پھر راجپوتوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ ۱۵۶۳ء میں شہنشاہ
 نے پورے حملہ کیا یہاں کے راجہ ہماراٹل نے اس کی اجازت قبول کر لی اور اپنی بیسیوں شاہی
 تہذیب و شہرت کی۔ آہستہ آہستہ راجہ کے بیٹے بھگوان اس اور پوتہ مان سنگھ کو امر میں شامل کیا اور ۵
 میں منصب عطا کیا۔ شاہی اسی وجہ سے اس ریاست میں مذہبی تعصب نہیں تھا۔ (نظیر)

ہوے ہیں ان کے پچ میں قلعہ کا مینار واقع ہوا ہے اور خوبی یہ ہے۔ یہ پہاڑ سیدھا مینار کی طرح زمین سے اٹھ گیا ہے۔ قلعہ کا راستہ اہستہ ڈھلوان ہے۔ قلعہ کے شاہی جانب پیش قلعہ ایک میدان وسیع واقع ہوا ہے۔ اس میں ایک کتاب عظیم الشان ہے۔ کتاب کے کنارے درختان انبہ بکثرت ہیں۔ لیکن یہ قلعہ زمین سے اس درجہ گہما گہما کے رنگارنگ خورد و سبز و زار شراب سے سیارہ پر فضا و زیریہا رہے کہ خطہ کشمیر بھی اس کے نظیر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لیکن کے درخت اس کثرت سے ہیں کہ کوسوں تک ان کی مہک پہنچتی ہے۔ تمام موبستان نہ تیار ہو رہا ہے قطعہ زمین سب سے بہتر ہے۔ منہ پر چھوٹے چھوٹے رنگ برنگ کے چوں مصور کے ہاتھ کے قلعہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ منظر ایسا خوش ماہر رہا ہے۔ اس کا جواب بھی نہیں دے رہا ہے۔ اس قلعہ بہت وسعت ہے ہزار ہا فوج کی نجاش سے پانی کے چشمے میسر ہیں۔

جوہر ایوان و گھر ایسے میسر ہیں جس میں ہزار ہا من غلہ و میوے اور شرفیں روپیہ ہزاروں سماج میں اور باغی قلعہ دو بزرگان دین اولیاء اللہ کا مزار ہے جس کی امداد سے قلعہ فتح ہوا ہے۔ ایک بزرگوار کا نام تو سید صدر الدین صاحب ہے۔ ان صلوات میں بندہ مسلمان یا اور کوئی میں صدر الدین کے نام کی قسم نہیں کھاتا ہیں۔ قلعہ کے پہاڑ سے ماہورن کا پہاڑ ہے۔ اس دونوں پہاڑوں میں باہم دو سوڑ کا قافلہ ہے۔ عجب تماشا ہے کہ جب قلعہ پر چڑھو تو رن کا پہاڑ نیچا معلوم ہوتا ہے اور جب رن کے پہاڑ پر چڑھو تو قلعہ شیب میں ہو جاتا ہے۔ بادشاہ علاؤ الدین خلجی راجہ تمیر سے بارہ برس لڑا ہے۔ جب قلعہ فتح ہوا ہے ہ لکھائی میں صد ہا قبریں شہیدوں کی ہیں۔ ان کھوں آدمیوں کے کشت و خون کے بعد قلعہ فتح ہوا ہے۔ باہر والوں دونوں بزرگوار ان سادات۔

رن کے پہاڑ پر جب بادشاہ کی فوج پہنچی ہے اور یہاں سے توپ گانی جب میدان میں آکر راجپوت لڑے ہیں۔

قلعہ کے پہاڑ کے گرد و پیش کے جو پہاڑ ہیں سب پر بیمار ہیں۔ چاہی چشمہ ہاں۔ اب رہاں ہیں اور درختان گنجن اور سبز ہزار ہے۔ جہاں دیکھو پہاڑ میں سے آب زراں جھرتا ہے۔ لیکن کے چھوٹے کا سبز ہے۔ یہ قلعہ بے چارے کے گوشہ مشرق و جنوب میں بہت بڑا صد پہاڑوں واقع ہے۔ اس موبستان میں شکار پرند، چرند، درند بکثرت ہیں۔ جو صاحبان انگریز

بے در میں آتے ہیں۔ سی قلعہ کے دیکھنے کو ضرور جاتے ہیں اور آٹھ آٹھ دس دس روز شمار
 ٹھہرے۔ رپچھ، وغیرہ کا حصیتے ہیں سانبھر نیل، گاڈ چنیل، بارہ سنگھے، چیتے وغیرہ اس افراط سے ہیں
 کہ چرند تو کیا آدمیوں کے قریب آجاتے ہیں اور مطلق وحشت ورم نہیں کرتے۔

کوہستان ہیرانیہ ہیرانیہ نامی ایک پرگنہ ہے ملوکہ جے پور کا۔ جے پور سے
 چوبیس گز کے فاصلہ پر جانب گوشہ مشرق و شمال اس مقام پر کچھ آثار و نشانیاں پائی گئی ہیں
 سال زشتہ کی موجود پائی جاتی ہیں۔ تواریخ ہندو میں دریا ندووں کا مذکور ہے اور بھارت میں
 جس جگہ عظیم کا نشان ملتا ہے وہ پانڈے میں منقسم تھے اور وہ جنگ خونخوار اسی زمانہ میں ہوئی
 تھی۔ انھیں دریا ندوں کا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو زمین سے چھو
 مدت اس کی سطح پر ایک تجربہ وسیع پہاڑ میں ترشہ ہوا ہے۔ اس کے دروازہ کی پوٹھٹ تک
 وہاں کے تھے ہیں کہ یہ انھیں سہولت کا خبر ہے۔

ایک پہاڑ پر دس بارہ گز طویل اور اسی گز کے قریب ایک چشمہ آب ہے اور اس
 کے علق میں بہت مباحثہ ہے۔ وہ کہتے ہیں سات چار پانیوں کے بان میں پتھر باندھ کر دکایا
 تھا تاہم نہ لونہ پڑتا تھا۔ اس کا علق کی وضاحت نہیں ہو سکتی مشہور کرتے ہیں کہ انھیں
 پہاڑ کی تہ کی تو زمین کا چند چھوٹا کر یہ پانی ابھی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ
 دروازہ میں وہ پانی بھر رہا ہے اور اس میں سے وہ پھر اُتر رہا ہے جاتے ہیں اور پیتے ہیں اور
 پانی کم نہیں ہوتا۔ اسی پہاڑ پر بڑے بڑے گولے پتھر کے ترشے ہوئے دور پانچ پانچ گز کے
 کٹر دیکھنے میں آتے۔ ان دو گولوں کی نسبت یہ روایت سنی جاتی ہے کہ یہ ان ساتوں بھائیوں
 کے کھینے کی گولیاں ہیں۔

ان کے قریب ہی پہاڑ پر ایک اور سطح مربع قطعہ پہاڑ کا ہے کہ پچاس گز سے پچاس
 گز تک مربع ایک سہ پہاڑی ہے اور اس کے ہر چہرہ دونوں پر چھوٹی چھوٹی چارہ جیسا مٹی
 ہوئی ہیں مگر صرف یہ بات تعجب خیز ہے کہ پہاڑ کا کمر از زمین سے اوپر رکھا ہوا معلوم ہوتا
 ہے اپنے اس کے جوف سے چہرہ طرف سے خالی ہے فقط ایک نوک اس کی پہاڑ پر دھری ہوئی
 ہے اس کی شکل ایسی ہے جیسے خالص ان کا ڈھک انھی کر کے رکھا ہے ہیں اور بھارت
 کا مذکور ہے کہ وہ پہاڑ پر رہا ہوا ہے آگے جا کر ایک پہاڑ پر پتھر کے نقارے دھرتے ہوئے
 آئیے اور ایک پتھر کا ایک باقی بجا مت فیصل اُصل بیٹھا ہوا دیکھا۔

اس کے اوپر کے پہاڑ پر ایک پتھر کی اسٹ چھڑ لکڑی دیکھنے میں آئی اس کا حال دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسٹھ تو ڈال گھونٹنے کی ڈوٹی ہے اور یہ غدار۔۔۔ صلی حوت۔۔۔ تھے اور یہ فیل بھی ان کی سواری کا ہاتھی تھا بعد یہ سب پتھر سے ہوئے۔

شیخی والی یہ ضلع بے پور سے جانب شمال دور تک چد گیا ہے۔ حد غلی میں جو ادھ پور اور ہیکانہ سے ملحق ہے اور حد شمالی ہاسی حصار دریا نہ دہرا ہے۔ یہ ملک تمام ریگستان ہے۔ جاہاریت کے پہاڑ ہیں جس وقت تیز ہوا چلتی ہے وہاں پہاڑ براہ راست آ جاتا ہے۔ آدمی اگر سوتا ہو اور ریت اڑ کر آ رہے تو بچھ پتہ نہیں چھتا کہیں جانب ہو گیا۔ پانی کی طلب میں کربلا ہے۔ پانی اتنی دور جا کر کنوئیں میں واقع ہوا ہے کہ جب نو میں سے پتہ۔۔۔ برآمد ہوتا ہے تو چہرہ کھینچنے والے کو کنوئیں پر سے آواز نہیں پہنچ سکتی ہے۔ کھانا اب چاہیے ہوا سوال رہا جاتا ہے۔ جب پانی کا چہرہ برآمد ہوتا ہے تو آسمان پر آواز دیا جاتا ہے۔ ریل والے کو خبر ہو جاتی ہے ان کے زرگاؤں کو روک دیتا ہے۔ یہ بات مشہور ہے انھوں نے دھمکے سے پانی کھتا ہے۔ اب اس پانی کی کیفیت یہ ہے کہ فی گاؤں ایک کنوئیں ہوتا ہے ہر گاؤں میں ایک چبوترہ وسیع ترتیب دیا جاتا ہے اور ہر چہرہ چار مینار بلند تعمیر سے جاتے ہیں اور چہرہ میں سے بذریعہ دو آب برآمد کیا جاتا ہے اور ہر چہرہ حوض میں بھر دیا جاتا ہے۔ اب کھانہ برہمن بھارت میں جن مسلمان، شیخ، سید، مغل، پٹھان سب ان حوضوں میں سے پانی بھر کر لے جاتے ہیں۔ وہاں پر ہیڑ بندہ مسلمان کا نہیں ہے۔ یہ تجویز کی گئی ہے کہ ہر چہرہ طرف چبوترہ بنائیں پختہ بنا دی گئی ہیں کہ ان حوضوں میں سے پانی چھٹک کر ان ماسوں میں جاتا ہے یا وقت بھر نے حوضوں کے چبوترہ پر سے بہ کر ان میں جاتا ہے ان میں سے اور اقوام گھڑے بھر بھر کر لے جاتے ہیں یا مویشی پیتے ہیں۔

بعض مقامات پر یہ بھی نہیں وہاں بالکل قحط آب ہے۔ پانی ہے مگر اس کا مہا نکل دیکھنا شہر کا پانی ہے نہ کہ آب کا حکم رکھتا ہے اور آدمی کے حلق سے آواز آتا ہے دست دراز سے سب نکل جاتا ہے آدمی کو دست بٹ جاتے ہیں۔ کلکتہ میں درجہ سے جیسے کہ سبب ان مقامات پر یہ غاروں کی گئی ہے کہ صاف چٹیل میدان میں بڑے حوض پختہ ہوا ہے ان کے سے ہیں اور پسوں حوض میں ایک چہرہ ٹھیک کدہ رکھے اس کو پختہ کیا ہے اور اس کی دست پختہ چوٹ سے ریل ہے اور نو میں ہا اور بھی پختہ ہے۔

وہ سمادش میں جب بارن رحمت کا زون ہوتا ہے تو اس حوضوں میں پانی ہوتا ہے اور چاہی جانب حوض کا ضلع؛ حصول ہے وہاں اس کی موری رکھی گئی ہے اور اس کے منہ پر جان لی ہوئی ہے۔ اس جال سے پانی چھن کر موری کی راہ سے پہنچ کر چاہ میں فراہم ہوتا ہے اور چاہ کے منہ پر ایک کھڑکی لگی ہوئی ہے وہ کھڑکی بند رہتی ہے اور اس کے منہ پر قفل لگا رہتا ہے۔ صبح کو گاؤں کے قفل کھول کر پانی تقسیم کرتے ہیں۔ ایک ایک گھڑ پانی کا گھڑ چھپے یا جاتا ہے اس میں سب خانہ داری کا سامان کرنا ہوتا ہے بے خدا کے فضل کیا۔ بارش ہو گئی تو وہ لوگ دیہات میں مقیم ہیں اور اگر بارش نہ ہوئی تو وہ لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر گاؤں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ زراعت کی یہ کیفیت ہے کہ اس ملک میں زراعت اونٹوں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے زرگاواں کا کام نہیں۔

بھٹنجد بل بھی نہیں جوت جاتے فقط ہاتھوں سے ریت سے نیوں پر چمپاشی ہوتی ہے۔ قدرت خداوندی کا ہند کرنا ہے کہ وہ ملک یہ افسد ہے بارانی زراعت ہوتی ہے۔ قسم خدا سے ماجرہ، مونڈہ پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کے سینے میں ایک سینہ پانی کا پیرا اور نیکوں نے چمپاشی کی۔ ماجرہ کا درخت ہونے کے سوا کے قدرے زیادہ تجاوز کرتا ہے اور سیر بھر کی درخت میں بال آتی ہے۔

علی بذاتہ اس مونڈہ بھی زمین میں ایسی چھیتی ہے کہ چھتے کے چھتے ہو جاتے ہیں۔ کھوں میں مونڈہ ماجرہ پیدا ہوتا ہے اور ماجرہ کس قدر شیریں ہوتا ہے کہ گندم اور برنج کی چھہ حقیقت نہیں وہاں کے باشندوں کی وہی خوراک ہے۔ ماجرہ کی روٹی اور مونڈہ کی دال اور وہ ایسی خوش ذائقہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے پلو، پانی کی چھہ اصل نہیں۔ طرف ماجرہ یہ ہے کہ اگر اس ملک میں گندم بہت زیادہ استعمال کیا جائے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

مویشی اس ملک کے نہایت توانا، گائے، بھینس، غیرہ دودھ افراط سے دیتے ہیں اور دودھ چکنا ہوتا ہے۔ گھی بہت نکلتا ہے۔

جیز میں جسکی خوبصورت یہاں ہوتی ہیں میں نہیں دیکھیں۔ سفید براق رنگ ہوتا ہے۔ شہم نہایت باریک ہوتی ہے کہ پارچہ بانی میں بہت کارآمد ہوتی ہے۔

گوشت بھیر، بکری کا خوش ذائقہ، بچرب، فری، بھڑ بھڑا مثل مرغ و ماہی ہوتا ہے اور راج انہیں ایسا لذیذ گوشت گھر میں نہیں ہوتا۔

یہ آسمان اور اُور پٹکان میں مٹاتے ہیں مٹیہ مٹتے ہیں۔ ان میں یہ
 آتے ہیں وہاں مٹاتے ہیں کاشٹ سے قتل قہر تیریں اور کھسک رہے تھے یہ
 جو ہنگامہ تشنگی میں یہ اب نہ جاتا وہ شربت کے یہاں نہ ہوتے تھے نہ
 میں اب ہو کے رہتے ہیں۔ بہن دوں وں ہاں معدوم ہوتے وہ آتے
 ہیں۔ ہنگامہ سفر میں پانی تو کوسوں نہیں ملتا۔ مٹیہ وں جاتا ہے اس کو کھا۔ مرایہ جانب اس
 میں روزن کیا اور تاس وغیرہ یا اور کوئی ظرف پر کر رہا۔ آپ پیا اور گھوڑے کو بھی چاہی مجھے
 ہنگامہ اور کشتہ قحط ہو رہا ہے۔ تشنگی غائب ہوئی ہے۔ سہارا ہمارا اس سے ہائیات اور
 اس کو نڈھ کر جنگل میں سے لے گئے ہیں اور اس کا کاشٹ ہے استعمال کیا گیا ہے

آدمی اس ملک کا محنت کش صاحب ار وہ۔ صاحب ہمت اور مہاراجہ ہے۔ نقصان
 فرق مہاجن اور اسی وجہ سے وہ لوگ متمول ہیں۔ شیخاں وانی کا آدمی سوائے ملک پورب تمام
 روپ زمین پر چھپا ہوا ہے اور مائی کے۔ تے ہیں اور مہا مٹاتے اور مہاراجہ تے حاشا تے
 ہیں۔

میں تین سال پر اب اس ملک میں ہر سر حکومت رہا ہوں۔

نوال باب

ریاست ٹونک کی ملازمت

ٹونک میں دھوم ہے کل سے کہ ظہیر خٹہ
سرگزشتہ دل محزون ہیں سناٹے والے

بعد تقابل مہاراجہ صاحب مہاراجہ مرہٹوں کی ہتھیاری فوجوں میں تین سال تک رہا۔ ریاست ہے پورے خانہ نشینی ہو کر وہاں کی سب سے بڑی گھریلو شہنشاہی رہا۔ بعد ازاں احمد علی خان صاحب کی رفعت میں چھ سال رہے۔ اس میں شہر و بنگلہ خانہ کی چاروں طرف سے کام فرما رہا تھا۔ احمد علی خان صاحب بہادر صاحب صاحب کے خاص محمد ابراہیم علی خان صاحب میں مدد و صورت ایک بار سے ریاست ایک بار سے مدد کی طرف سے فوج کی طلب ہوئی اور جہاز سے اسے احمد علی خان صاحب کا تعلق محراب سے مل گیا۔ اور وہاں احمد علی خان صاحب مرہٹوں کے بڑے صاحب کے نام سے ہم علم کیا کہ اس کا ظہیر و ٹونک بھیجا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اوقات ٹونک جانے کا اتفاق ہو رہا تھا اور وہاں صاحب مرہٹوں کی خدمت میں آ رہا تھا۔ کٹھن صاحب کے لیے میرے ساتھ رہنے تھے۔ اور محمد شہ میرے عقیدین میں تھے۔ اس لیے وہاں کے ٹونک جانے کا اتفاق ہو رہا تھا۔ وہاں جہیز احمد علی خان صاحب پر ٹونک نے مجھے اپنے لیے صاحب کے لیے شادی میں مدد فرمائی تھی اور نہایت احترام سے میری عمر بڑھائی تھی۔ میں نے قصیدہ شہزادی بھی تھا۔ اوقات رخصت پر اس روپ اور شہزادہ صاحب میں رہا تھا۔

ٹونک میں جب ٹونک میں پہنچا تو اس نے اپنے ساتھ شہزاد کے ساتھ فرما دیا اور چلتے ہوئے صاحب سے ملاقات کی۔ وہاں صاحب نے اسے اعزاز پیش کیا اور فرمایا آپ نے مرہٹوں کی مدد فرمائی تھی۔ اس لیے حد غلطی محمد و صاحب صاحب میں غلطی

خاص اور پتھان سید نور الدین صاحب فنیج ملک جو نواب صاحب بہادر کے مصاحبین میں تھے اور میر کی مجلسی — بارے میں وہی واسطہ تھے نجات دلاؤ انہوں نے میر کلام سن کر یہ وہاں صاحب نہایت شہیدوار فہمیدہ — سخن شناس فہم اور خوب خور تھے اور مذاق سخن سے خوب کھاتے وہ نہایت مخمور ہو کر رہا — جیسی شہادت سنی تھی اس سے بد رہا راہ پیو — اب کل اشاء اللہ تعالیٰ حضور میں چل کر نذر گزارے — دوسرے روز جمعیت مہاراجہ صاحبان میں نواب صاحب بہادر خداوند نعمت کی خدمت میں پہنچے — نذر گزارائی — حضور بہت خوش ہوئے — پنا کلام مجھے سنایا — میں نے تعریف کی — فرمایا جب تم نے پسند کیا تو میری دانست میں بد شکست مقبول عام و خاص ہو گا — اس کے دوسرے روز صاحبزادے اسحاق خان صاحب برادر حقیقی نواب صاحب کے مکان پر مشاعرہ تھا — حکم ہوا کل مشاعرہ میں حاضر ہو کر کام عرض کرو — اور اسے روز مشاعرہ میں یہ ہجوم کثیر صاحبزادگان و بین دولت کا فراہم ہوا — نواب صاحب پس پشت سر اچھ تشریف رکھتے تھے — قنات کے دورہ ازلوں پر چلنے پڑی ہوئی تھیں — غزل خوانی شروع ہوئی — اہل نواب صاحب بہادر کی غزلیں پڑھی گئیں اور استی تعریف ہوئی اور بعد میں خان صاحب اسد شہرہ فنیج مظفر علی صاحب ایمر مہجور نے نواب صاحب کی غزل پڑھی — میں نے تعریف کی کہ آپ کا کلام بہت اچھا ہے حد مجھے حکم ہوا کہ غزل پڑھو — میں نے غزل کا مطلع پڑھا — اس مطلع سننے ہی مشاعرہ میں شور مچا دیا — نواب صاحب بہادر نے تین تین چار چار مطلع و پڑھو یا — بعد دوسرا مطلع پڑھا جس پر بھی یہی کیفیت ہوئی — تیسرا مطلع پڑھا وہ اس سے بھی بڑھتا ہوا تھا — اس وقت ایک صاحبزادے نے اس کا نام بھی بھول گیا ہوا اور وہ انتقال فرما گئے (افسوس ظہیر صاحب بھی رحلت فرما گئے) انہوں نے مشاعرہ میں ہڑے ہو کر باہر بند یہ بات فرمائی — سلیمان خان صاحب شعراء سے کہتے ہیں کہ خود کو اور دوسرے صدائے حسین و آفرین مدد سے غرضی تمام غزل یہ بھی کیفیت رہی — بعد میر کے اور حضار نے غزلیں پڑھیں — مشاعرہ ختم ہوا — نواب صاحب بہادر نے مجھے اندرون قنات بلایا بہت قدر افزائی فرمائی — اس کے بعد جلسہ سائبرہ نواب صاحب بہادر کا ہوا — اس تقریب میں شامل رہا — حسب قاعدہ نذر ہوئی اس کے تیسرے روز صاحبزادے احمد یار خان کے مکان پر مشاعرہ ہوا — میں نے قصیدہ سائبرہ کا پڑھا شروع کیا اور حسین و آفرین کا نعل چمکیا — میں چلمن کے برابر بیٹھا ہوا قصیدہ سن

رہا ہوں۔ اندرون کمرہ سے حضور تعریف فرماتے جاتے ہیں اور باہر عوام تعریف کر رہے ہیں۔ جب میں قصیدہ سنا چکا تو اندرون نواب صاحب آپ جیسے دوستوں سے جو قصہ میں تھے ان سے صلاح لینے لگے کہ اس قصیدہ کا صلہ کیا تجویز کیا جائے۔ یہ قصیدہ استادوں کے قصیدہ سے ماتا جلتا ہوا ہے۔ میرزا محمد علی خاں صاحب اور نواب یحییٰ خاں صاحب نے ان دو نسل نے عرض کی کہ ظہیر تو ذوق زندہ ہے اور حضور بہادر شاہ اب صلہ کا اختیار حضور کو ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ پانسو روپیہ دے دینے چاہییں۔ اس وقت میری بد نصیبی سے وہ صلہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور قصیدہ تو ذوق کا ہے، آپ صلہ کس وقت دیتے ہیں؟ مگر بیون اللہ حضور نواب صاحب بہادر کی دریا دلی فرمایا۔ اسی کا ہوا ہے تو میری مدد میں، مجھے صلہ دینا واجب ہے۔ خیر اچھا تو ڈھائی سو روپیہ دے دو۔ خیر وہ حکم نکھوایا گیا۔ اسی وقت میرزا محمد علی خاں صاحب نے باہر آکر مجھ سے یہ ماجرا بیان کیا کہ یہ معاملہ پیش آیا۔ جب بعد تین ماہ کے وہ صلہ سے روپے معرفت نواب صاحب کے مجھے دسویں ماہ کے بعد چار ماہ تک میں امیدوار رہا۔ اس عرصہ میں رہا دربار کی بھی رہتی اور ہمیشہ جیسے تہ عرصوں سے بھی ہوتے رہے ہیں۔ ہر مشاعرہ میں شامل ہوتا رہا۔ صحبت شعر، سخن شبانہ روز دربار میں رہا رہتی تھی۔ بعد میں نے ایک روز نواب صاحب سے کہا کہ میں اب تک امیدواروں میں ہر گز ہوں۔ میں مسافر ہوں۔ نواب صاحب نے سنا میں تم کو رخصت کر دیتا ہوں۔ میں نے یہ تذکرہ فحشی محمد یوسف سے کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ تم کو نریمان کا نام۔ تم نواب صاحب کے حسب مطلب آئے ہو۔ تم نوکر ہو تو تمہیں تنخواہ ملے گی۔ نواب صاحب تمہارا رہنا نہیں چاہتے۔ وہ سیمان کے سالی ہیں چنانچہ بعد چار ماہ کے ایک روز خانہ عیدار ضمن صاحب مختار سے حساب نواب صاحب نے مجھے اور سیمان خاں صاحب کو دے دیا۔ وہاں ہی دن تنخواہ پر رہی اور کہا کہ چوتھے مہینے تم کو اسی حساب سے تنخواہ دے کرے گا۔ یہ وہی سال وہی دن ہیں کہ جس سال داغ صاحب حیدر آباد میں کامیاب ہوئے اور یہاں ہی میرے نام داغ صاحب کا خط پہنچا کہ یہاں میں نوکر ہو گیا ہوں۔ اس کے جواب میں خبر پٹنے پر میرے خط کی تحریر ہے تو اس کا بھی یہی مضمون تھا۔ یہ میں بھی نوکر ہو گیا ہوں۔ اسی اثنا میں نواب خاقان زمانی حکم صاحبہ ہمیشہ و زانی نواب طلب علی خاں صاحب مرحوم محل حاکم حضور نواب صاحب بجا و خداوند نعمت میری شکر و شکر میں اور چچو تنخواہ میری وہاں سے تھی

مقرر ہو گئی اور منگم صاحب کی مشنری امداد آگئی۔ خیر میں خوش و خرم رہنے لگا۔ میں خاصی اچھی طرح سر کرتا تھا۔ دھڑ میں نوکر اور میرا بیٹا نوکر تھا۔ وہ تھکے اترتا تھا۔ بعد میں وہ تین سال معطل ہو گیا تھا۔ پتو پر وہ کی بات نہ تھی۔ میں نوکر تھا۔ اسی اثنا میں میری منجھلی لڑکی کی شادی ہوئی اور دو رخصت ہو کر دہلی چلی گئی۔ میرا ارادہ یہاں سیاحت کا ہوا۔ میں ٹونک سے تین ماہ کی رخصت حاصل کر کے بڑودہ ہوتا ہوا بمبئی پہنچا اور حیدر آباد میں وارد ہو۔ کٹرنگ ند سے ملاقات ہوئی۔ مہارانا بھگوان سہائے بہادر میرے شہر دہلی ہوئے اور وہ تین آدمی شہر دہلی ہوئے۔ خانسار محمد ابراہیم خاں صاحب سے ملاقات ہوئی وہ مجھ سے نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ مجھے میدان کی تم ٹھسرو۔ میں حضور میں تذکرہ اردوں کا۔ سرے حضور کے دسے نکھوائے۔ جھوٹا نکھوایا۔ غریب اکثرے جاتے تھے۔ غرض کہ بیت و محل میں پانچ مہینے گزر گئے۔ ٹونک سے تاکید طلبی کی ہوئی۔ مار آیا ادھر لڑکے کا خط آیا ہم کو آپ کی کمائی درکار نہیں، آپ چلے آئیے۔ میں یہاں سے چلا گیا۔ ٹونک میں پہنچا تو میرے بعد چھ ماہ میں تنخواہ تقسیم ہوئی ہے۔ مجھے نہ ملے۔ دیکھ دو سر ٹھیکہ دہلی میں ملے۔ نہایت درجہ کی زیر ماری ہوئی۔ دوسرا وہیہ کا قرض دار ہو گیا۔ حد خدا کرے وہ قرض ادا کیا۔ اب چرخ جھکا رہا۔ آزار کے ایک تیر ستم تاک کر ایسا دل پر لایا کہ دل اور جگر کو پھوڑ کر پار ہو گیا۔ یکایک نہر سے خط پہنچا۔ منجھلی لڑکی دھار ہو کر دہلی سے بے چارہ میں آئی تھی۔ اس کا اتھاں ہو گیا۔ اس نے کو دیکھتے ہی روت تن سے پہاڑ کر گئی۔ رویا، پینا ٹیلن کیا کر سکتا تھا گھر پر آیا لی لی کو دیکھتا تو وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ اسے مہیا، اپنے پاس پر پتھر رکھا۔ ٹیبا رہا ہوا میں یہ چارہ پہنچا۔ چڑھے تھے۔ جوان ہوئے تھے۔ سب سے بڑا لڑکا تھا اور یہ تین لڑکیاں تھیں۔ ایک چھوٹی لڑکی کی ہنر شاہی نہیں ہوئی تھی۔ وہ منجھلی لڑکی مرنے والی پانچ ماہ کی ایک دختر نہایت خوبصورت چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس کی پرورش کی نہر میں نہایت تاکید کی کہ بچے متوفی نہ اسے کو سمجھو۔ انا دھ پڑنے پر نوکر رکھ کر پھر نوکر کی پر روانہ ہوا۔ برس روز بعد اس دہلی کا انتقال ہوا اور زخم پر زخم لگا رہا داغ کسن دوبارہ تازہ ہو گیا۔ اس پر بھی صبر کیا۔ ان روزوں میں ٹونک میں تھا کہ میری بی بی بی ٹونک میں میرے پاس پہنچیں۔ صاحب زادہ احسان اللہ خاں ہمسیرہ زادہ و داد نواب بہادر میرے شہر دہلی تھے ان کی وادہ صاحبہ جی خواہر نواب صاحبہ پاس جا رہی ہیں۔ منگم صاحب نے نہایت خاطر مدارات فرمائی۔ بعد ایک ماہ کے

وہاں سے رخصت ہوئیں تو مجھ سے کہا کہ مجھے گھ پہنچاؤ۔ خیر میں نے شکر م کا سراپہ دیا اور شکر م کا نیچے کا درجہ اس میں نصف شکر م میں پر وہ ڈال دیا۔ اس میں نہیں اور یہ نیک نعت معافی خاتون زمانی شکم صاحب کے ہمراہی دونوں کو بھلا دیا اور آپ باہر ہو گئے۔

سب سامان اپنا شکر م کی مانتی پر بند ہوا دیا اور تین مرد میرے پاس باہر بیٹھے تھے اور چند آدمی شکر م کے اوپر کے درجے میں تھے میرے پاس تدار بہت عمدہ تھی۔ میرے پاس رکھی ہوئی تھی۔ جب ہم ندی سے پار اتر کر شکر م میں سوار ہوئے ہیں تو مغرب کا وقت تھا اور جب تین کو س راہ اور طے کی ہے تو دس بجے رات کا وقت تھا کہ یکا یک دھڑا دھڑکی آواز شروع ہوئی اور مار بومار یو کا غل مچا اور غار نگروں نے آکر شکر م کو گھیر لیا اور ٹھ مارنے شروع کئے۔ مارے گھوں کے کوچوان کو درمی فظ شکر م کو بھی گرا دیا اور شکر م کے اوپر کے چھپرے پر ٹھ مارنے لگے اور ایک عورت اور ایک مرد شکر م کی پشت کے تختے پر بیٹھے تھے مارے گھوں کے ان کا چورا کر دیا۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ ایک پر ایک شکر م کے اندر گرتا ہے۔ میں تین آدمیوں کے پیچے دب گیا۔ اوتھر دھڑکے درجہ دو۔ جو گھبر کر ترے اترتے ہی ان کو بھٹا کر دیا۔ یہ جوان انگریز سپاہی تھا وہ جوان بھرتی کرنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہڈ تھا۔ اس غریب نے پانچ چار ڈنڈے مارے ایک کو اس نے بھی گرا دیا تھا۔ مگر اکیس کر سکتا تھا۔ وہ چاہیے آدمی تھے اس کے سر پر بہت سے ٹھ پڑ گئے۔ آخر غش کھا کر رہ گیا۔ اوتھر میں تڑپ کر آدمیوں کے پیچے سے نکلا۔ تلوار کو نوتا ہوں تلوار ٹاپتہ نہیں۔ میں شکر م سے نکل کر تختے پر آیا ہوں کہ ایک شخص نے میرے لٹھ لٹھایا۔ میرے کانڈھے پر پڑا دوسرے نے لٹھ مارا سر پر پڑا۔ سر پھوٹ گیا۔ تیسرا لٹھ جو برابر سے مارا میری نظر دھڑکی۔ وہ میں نے خالی دیا پر اسے ویران کر دیا۔ وہ ٹھ تختے کی زنجیر پر پڑا وہ ٹھ میں نے تھام لیا۔ یہ طرف سے میرے ہاتھ میں دوسرا سر خارت کر کے ہاتھ میں تو دو تین آکر مجھے پٹ گئے تختے پر سے نیچے گرا دیا۔ ویر سے اور چاہتا تھا کہ میرے ٹھ مارے کہ میری ٹلی ٹلی میرے اوپر پڑی ایک دوسرے ڈگری سے ڈگری مر جائے گی۔ اب میرا ہاتھ پکڑ کے وہ تین نے کھڑا کیا اور میرا بدن در کمر نونے گئے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ وہ تینوں مجھے گھسیٹتے ہوئے کوئی دس قدم سے فاصلہ پر سے گئے اور وہاں جا کر کنکروں پر پھینک دیا اور وہ آدمی لٹھ کے سر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ ڈاڑھے تو یہاں سے بلا تو تجھے جان سے مارا میں گئے۔ میری ٹلی ٹلی روئی ہوئی

میرے پاس آئی اور ماب نے غارت کر گزاری واپس کو مارا دھار کر رہے ہیں اور چوٹی بندھ
 ماب نے لے جاتے ہیں اور ہم وہاں بیٹھے ہوئے یہاں دیکھ رہے ہیں۔ یہ آدمی سے بات
 میں وہی میری تھوڑی ہے اور وہ اپنا پھل پھر تاتے اور متھے اس تھوڑے سے سب کا سر کاٹ دیا
 اور ہارے ندر کے آدمیوں کو سب کو باہر نکال کر سب کی تلاش کی۔ اسی کے پاس
 ایک پیر نے چھوڑا۔ اور اس عورت مغربی کے پاس پانسو چھ سو کاٹا اسباب تھا سب چھین لیا۔
 ایک برہمنی کے پاس زیور تھا سب اتار لیا۔ فقط پاؤں کے کڑے نہ اتر سکے جب وہ تھوڑا ہوتا ہو
 ادھر آئے میری ملی ملی روتی اور جیسی جیسی مجھ سے کہتی خدا کے لئے تم یہاں سے بھاگ جاؤ
 تمہاری جان تو بچ جائے گی۔ میں نے سنا بھاگ کر جاؤ تو اس سے کہیں جان بچ سکتی ہے۔ اسی
 اثنا میں ایک شخص در مسافر آئے۔ اس کو دیکھتے ہی یہ دونوں شخص جو میرے سر پر کھڑے
 تھے انہوں نے میرے جا رہا اس کی پشت پر دو ٹھہرے وہ گریساں بنی جیب میں سے پانچ
 روپے نکالے اور تھوڑے چھین لے۔ اسی اثنا میں پتھر اڑنے کی آواز آئی تو وہ سب سے سب
 فرار ہو گئے۔ پھر جا کر دیکھا تو سب کے جوٹیں ٹکی ہوئی تھیں۔ سب کے پاس پتھر نہ چھوڑا
 سب وٹ کر رہے۔ اتنی دیر میں وہاں والے آئے ان سے ہر چند کہا پاک۔ تھن ہاتھ قب
 روا ہ کر نہ مال۔ سب تک چوٹیں کاٹ کر ہر دن ہوتا ہوا خون نہیں نکالتے۔ میرا سب
 سات پنازیور وغیرہ سب کے لئے۔ پھر نہ چھوڑا۔ فقط ایک پرانا رقعہ جو پرانے پڑے کا سنہ
 کرنے کے واسطے لیا تھا وہ چھوڑ گئے۔ رات بھر اسی جگہ سب پڑے رہے صبح اٹھ کر ان
 چوروں کا سراغ دیکھنے گئے۔ کدھر و گئے ہیں میں بھی اچھونڈتا ہوا واپس سو قد مر گیا تو وہاں
 دیکھا کہ میرے دونوں صندوقے ٹوٹے ہوئے ہیں اور پاندان بھی ٹوٹا ہوا پڑا ہے۔ یہ
 پھٹے ہوئے پڑے ہیں۔ کپڑے ندارد۔ زیور نقد روپیہ وغیرہ کچھ بھی نہیں مگر وہ ڈاکو میرے
 سر پر ایک احسان کرے کہ آج تک ان کا شکر نہ رہوں۔ میں نے صدمہ ہوا میں ان کو دیں کہ
 خدا ان کا بھدا کرے۔ میری ساری عمر کی کمائی وہ چھوڑ گئے۔ میرے جوابات میں سے
 ایک گیند انہوں نے نہیں لیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ بزدان جو نیا چھینٹ کا میں نے سواپا تھا
 وہ تو تار کے لئے اور میرے جتنے مسودات غزول اور قصائد کے اور قلمی دیوان میرا ایک
 جا رہا ہوا پر پتھر رکھ گئے۔ اسی کی تلاش میں میں نکلا تھا۔ اس یہ دیکھ کر مجھے اتنی حوتی
 حاصل ہوئی کہ حد سے بے حد، گویا میرا سب مال اسباب مجھ کو مل گیا۔ میں نے خوشی خوشی وہ

خدا نے اپنے اہل خانے اور باقی سب سامان اپنا دیا اور وہاں سے آکر سب آدمیوں سے کہا کہ بھائی میری دوست تو مجھے مل گئی۔ وہ پوچھنے لگے یہ دولت ملی۔ میں نے کاغذات صاف اور کہا جا کر اپنی چیز تلاش کرو۔ سب پہنچ گئے جو کچھ ٹوٹا پھوٹا یا انا جس جس کا تھا۔ وہ نے پہچان لیا اور اسی طرح پڑ رہے دیا سہ پہر کو جب صبحہ زادے عبد الرحیم خان صاحب۔ فوجدار ریاست موقع واردات پر پہنچے تو وہ ٹھوٹا گیا۔ پھر وہیں ٹوٹک کو جانا پڑا۔ فوجداروں میں اظہارِ لکھائے۔ آٹھ روز کے بعد ٹھوڑا گاڑی میں گھر کے آدمیوں کو سوار کر کے ٹوٹک واپس۔ سال بھر کے بعد میرے پاس ٹھوڑی تھی وہ فروخت کرنے کو بے پورے میلے میں لے گیا تھا۔ وہ میسے میں بندھی ہوئی تھی ایک دن صبح کا وقت ہے چار ٹھوڑوں کو مل رہے ہیں۔ چھڑائی میں ٹھوڑوں کی آواز تھی۔ اس پر میں بیٹھ بول چالے پکارا تھا۔ آئی وہ دیکھنے آیا۔ اتنا کہ ٹاٹوں میں سے ادا امن کو آگ لگ گیا اور وہ ادا امن بھڑک گیا۔ میں نے ہاتھوں سے اسے تھپا دیا اور ادا امن بھڑک تھا میں نے تھانے لگا کر پر سے اٹھ کر کھا بھڑک تھا۔ میں نے انہیں بھڑک سے سامنے سامنے ٹھوڑے مل رہے تھے۔ ان سے کہا۔ ارے دیکھتے ہو تم تھکتے نہیں نسوں نے آواز کر میرے پاس پھار کر پھینک دیے۔ اٹھ کر سب جمل گیا۔ پیٹ اور کمر اور شلے اور وہاں ہاتھ چمک کر کباب ہو گئے اور اب ہوا لگی اور اس میں سوزش پیدا ہو گئی اور مجھے غش آ گیا۔ جیون علی میرے داماد موجود تھے جدی سے شفا خانہ میں دوا لے گئے اور وہاں ایک ہندیا میں چھپائی میں ملی ہوئی دوا لے اور زخموں پر ملی اور چھ دوا لے مجھے پائی کہ مجھے تسکین ہوئی اور کرایہ کی گاڑی کر کے مجھے گھر لے گئے۔ گھر میں دیکھتے ہی رونا پینا پڑ گیا۔ تمام پشت پر ایک بڑا آبلہ پڑا ہوا تھا غرض شفا خانہ کا علاج ہو۔ تین ماہ میں تندرست ہوا۔ تمام دنیا میں موت کی خبر اڑ گئی تھی۔ حتیٰ کہ ٹوٹک میں بھی خبر پہنچ گئی تھی کہ وہ مر گیا۔ میں نے خدائے فضل کیا۔ جب میں ٹوٹک گیا ہوں تو سب میرے دوست بن گئے اور وہاں ہی نہایت خوش ہوئے میرے بدن کی کھال جہاں جہاں سے جلی ہوئی تھی وہ سب اتر گئی تھی۔ پانچوں تک، تھوڑے کا جیڑا سب اتر گیا تھا۔ فلفلہ گوشت، ستخوان رہ گئے تھے اس حالت میں میرے جیوں نے میری بڑی خدمت کی۔ مجھے اٹھانا کھانا کھانا سب وہی کرتے تھے۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ میری خبر گیری اس بندہ خدا نے پوری پوری کی۔ مگر ان کی خبر میں نہ لے سکا۔ میں جب ٹوٹک گیا وہیں مارا پڑ گئے۔ پندرہ روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ہنوز پہلے زخم

اں کے بھر نے نہ پالے تھے کہ یہ صدمہ عظیم داماد کا ہوا۔ چار بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ یہ صدمہ ہو کہ کمر ٹوٹ گئی۔ یہ رب العالین میں ڈرہا۔ مرنے کو تیار بیٹھا ہوں۔ جوان بیسی رہا ہوئی۔ یہ بچے کیونکر پرورش پائیں گے۔

سجاد مرزا کی وفات :

اس کی صدمہ میں تھا کہ فلک نادر سمگرا نے کہا کہ اس پر صبر نہ بیٹھا ہے۔ یہ صدمہ جان کا اور ترش شیریں کاٹا گیا جا کہ زندگی تلخ ہو جائے۔ میر جیون علی سے مرنے سے حد ایک سال کے چھوٹی بڑی کی شادی قرار پائی تھی۔ سجاد مرزا جب سونی ماہو پور میں آئے میں خوشی پر تھا۔ مجھے لکھا آپ چھ سہانہ روز زور پارچہ وغیرہ کا۔ اسے ٹیکہ دے کر میں بھی چند روز دست کرتا ہوں اور میں رخصت کے رُخ ہو جاتا ہوں اور آپ یہ سہانہ وغیرہ سے خبر پر آجیے۔ بڑی شادی ہو جائے۔ غرض کہ میں نے مدد دست رو یہ وغیرہ کا۔ پتہ زور چاندنی کا اور کوئی اسی روپیہ کا پتہ ار۔ شکی گلبدان، طلسم وغیرہ کچھ سفید خریدو۔ پچاس روپے کا کوٹہ سناری وغیرہ اور کریم اور چھ اور روپیہ کا انتہار تھا۔ وہ قرض نکلوا تھا کہ وہ سستیاب ہو جائے تو میں بے چارہ چلا جاؤں۔ وہ نکلتا سا ہو کار ایسا پیچھا تھا کہ روز آج اس کی دل کرتا تھا۔ اس اثنا میں مجھ سے پہلے وہ رخصت کے کرے پور پہنچ گیا۔ وہاں جاتے ہی حنا پر ٹنڈٹ نے اس کی بدن و روئے کی بڑائی۔ ہر چند اس نے عذر کئے کہ میری شادی کے میں نہیں جا سکتا۔ پہ ٹنڈٹ درپ ہو گیا کہ ایک مہینے کے واسطے چد جا۔ پھر بے چارہ تبدیلی ہو جائے گی۔ قضا پر سوار تھی۔ میرے خط کی بھی راہ نہ دیکھی۔ اس کی ماں نے ہر چند روکا کہ تو نہ جاتے اب آپ اب آتا ہے۔ شادی ہو جانے دے پھر جائیو ایک نہ مانی۔ یہی کہا کہ باقی سے آئے میں رہے میں جب تک ہو آؤں گا۔ وہ یہاں سے سوار ہو کر دروانی مقام شندیدہ پہنچا اور میں نے وہ سہانہ زہد اور پارچہ گوٹہ کناری عبدالقادر صاحب صاحب راند رہے جہاں کی معرفت کمر کوروا نہ کیا اور کمر بھیجی کہ اسی ہفتہ میں آتا ہوں۔ اور سجاد مرزا شندیدہ میں پہنچا وہاں جا کر سنا کہ اپنی صاحبہ تو مر گئی۔ یہ جہ ان ہوا میں یہ یہ مقدمہ ہوا۔ یہی تو اپنی صاحب نے مجھے بلایا ہے۔ میری تبدیلی کرائی۔ یہ کیا ہو اوہ مقدمہ شندیدہ سے پانی سات لوگ پہنچا۔ وہاں پہنچا۔ تیسرے روز سجاد

مرزا اور دوسرا بیکار واسکھ جس کی تبدیلی پر یہ کیا تھا وہ اور اپنی کا بھائی یہ سب ہندو میں
 تھے۔ اس شب کو سب ڈپٹی صاحب کے مکان پر پر رہے۔ دوسرے روز اپنی کا بھائی اپنے
 بھائی کے استخوان سوختہ سے رکتا کوٹیا اور سجدہ مرزا کو سہا گیا کہ میں واپس آ کر اپنے بھائی کا
 سامان تم سے لے لوں گا۔ تم حفاظت سے رکھنا۔ وہ تو وہاں سے رخصت ہو اور سجدہ مرزا نے
 واسکھ سے کہا کہ اب تم دفن مجھے سمجھلو۔ واسکھ نے کہا ایک اور روز تم صبر کرو۔ میں دفن
 سمجھواؤں گا۔ سجدہ مرزا نے کہا۔ وجہ حجت کی کیا تھی۔ تمہاری تبدیلی ہوئی اب دفن کیوں
 نہیں سمجھواتے۔ جو تم اپنے حلقہ پر جاؤ۔ میرا دفن مجھے پہلے کرو۔ اس پر آج تو نہیں سمجھواتا
 ہاں سمجھواؤں گا۔ اس میں زیادہ تکرار کی قیمت تھی۔ سجدہ مرزا و دووں نے خفیہ طور پر
 مشتبہ کر دیا تھا کہ اس نے ڈپٹی کو زہر دے کر مارا ہے اس کھت (سجدہ مرزا) کے منہ سے کھل
 آیا۔ سیدھی طرح دفن سمجھواؤں کو دور نہ بٹھری یہی اس کرشمہ ہے چور تھوڑا ہا۔ وہ سمجھ گیا
 کہ اس کو خبر ہو گئی ہے، ڈپٹی کے مارے جانے کی آواز کا کام بھی کر دیا جس نے یہ
 پائی کی کہ پہلے تو اس آدمی کو جو سجدہ مرزا کے پاس تھا جھٹکا کر نکال دیا کہ وہ نو بری پیمار
 کر چلا گیا۔ اب یہ دوسرے روئے اور سجدہ مرزا بھارت حسن اور اشتیاق حسین۔ یہ دونوں
 چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس دن سجدہ مرزا کو دارہ میں ایک ڈپٹی دوسرے رات تھے ان سے
 ملنے گیا اور بھارت حسن گوشت بھون رہا تھا کہ واسکھ آیا اور کہا کہ پانی اس گوشت جلتا ہے یہ
 انھوں نے پانی پینے یا دوسرے کام سے رحم نہ سکے کی پریدہ بچے میں ڈال ان اور چمچ سے چھوڑ دی
 حسب یہ آیا تو وہ چمچ باندنی میں بھیر رہا تھا۔ اس نے پانی ڈال دیا وہ ٹھہر چلا یا شرم و جب
 سجدہ مرزا آیا سے تو اس نے پوچھنا کہوں سے روٹی پکان ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں ماموں روٹی پکانی
 ہے۔ ان تینوں نے جینھ کر روٹی کھائی۔ اس کھاتے ہی سے اور دست بک گئے۔ اور کھانے
 کے ذرائع اور دست ٹھہرے۔ چونکہ واسکھ نے پوچھا۔ اب تمہاری طبیعت یہی ہے۔ اس
 دل پر جلن ہے۔ کہا کھینچ لی لو میں لا تا ہوں دو بار روپہ اور شکیا کھیں میں مرزا پر دل۔ اس
 دارہ شکیا دینے سے حال تغیر ہو گیا۔ اب حیاں پر چائے کہ یہ کام پھارن و سب کی دل
 موت ہے۔ کام خیرات، نہ کوئی دست نہ تفتیق رفیق نہ تہہ دار نہ طیب کمکورن و دار۔
 سب کی بے کوئی زبان حال نہیں۔ سوائے وہاں نور دوسرے کہ وہ بھی ہی حال
 میں فقر ہیں انہیں بھی قے دست لے ہوئے میں غرض صبح ہوتے ہی اس کا مرقم

ہو گیا۔ تھانہ دار اور مفتی تھانہ نے آر جینینہ و سمیعین کی اور ان دونوں پتوں کو تھانہ میں سے جا کر والو روئی کے چارے جان۔ ہو گئے ورنہ ان کا کام بھی تمام ہو جاتا۔ دوسرے روز مفتی تھانہ نے ایک اونٹ کر یہ پتہ سے کر اور ایک سوار کی حفاظت میں ال پتوں کو بچے پور روانہ کیا اور دوسرے روز شام کے وقت چچ گھر کو آئے۔ جب بچے مجھے میں پیچھے ہیں اور سجاد مرزا مراد مراد سے ماموں احمد مر راجاں ایک دوست سے منٹے ہوئے باتیں کر رہے تھے انہوں نے پتوں سے پوچھا تمہارا ماموں کہا ہے۔ انہوں نے کہا وہ مر گیا۔ یہ سنتے ہی وہ ہتھوڑا ہوا کر رہا۔ اور مجھے میں ایک فریاد پر پائی ہوئی۔ زن و مراد مراد ہوئے۔ پتہ جب گھر میں آئے تو تمام مجھے کی عورت تین ہوئیں۔ ماموں مرادوں کا جناح ہو گیا۔ اب سب پتوں سے حقیقت پوچھتے ہیں یا نہ ان کو تو تھی۔ اب غریب پتہ مجھے ہوئے پتی معیشت میں آپ فدا ہیں۔ اہلی زبان سے چھ حقیقت بیان کی۔ یہ حشر پر پائی ہوئی۔ سچ و مراد مرادوں نے مجھے خط لکھا۔ تمہارے ایتھے ہی چلے آؤ۔ سجاد مراد کا حال غم ہے اس کو وہ ایتھے ہی روح جسم سے پرہیز کر رہی۔ اسی وقت رات میں جا کر رخصت طلب کی۔ شام کو اونٹ کا زنی میں سوار ہو کر بچے پور روانہ ہوا۔ کتہ اونٹ ایتھے ناقص تھے کہ وہ ایک پتوں بھی نہ چل سکے۔ رستہ میں وہ تھک کر بیٹھ گئے۔ کاریبان اور سے اونٹ بیٹے گیا۔ اس عرصہ میں نصف شب گزر گئی۔ گاؤں والوں نے شکر مراد کو روک لیا کہ اس وقت روٹنے نہ ہونے میں سے پتہ شکر مراد سٹ چلی ہے۔ صبح کو شکر مراد روانہ ہوئی۔ نوالی میں جا کر اونٹ بد گواہ گئے۔ میں نے چھ کھانے کو بازار سے کیا۔ کھانے کو تھکر نوالہ حلق میں پھنسنے لگا۔ منہ سے نہ چلا۔ اسی شام میں ایک رات محمد والوں کی بچے پور سے ٹوٹ کر جاتی تھی۔ وہ مجھے ملی۔ میں نے اپنے پتوں کا حال پوچھا انہوں نے کچھ دہلی زبان سے ایسا بیاں کیا کہ در بھی اوسان پر اٹھ رہے ہوئے۔ غرضیکہ پھر شکر مراد روانہ ہوئی۔ مگر اونٹ بہت خراب تھے وہ دوسرے روز صبح کو بچے پور میں پہنچے اور میں شکر مراد میں سے اتر کر گھر پہنچا۔ میری بی بی نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی تکرار نہ چھو۔ مراد۔ میں گھر میں گیا تو سب خاموش تھے۔ اسی وقت اندر مرادوں کو اور اندر سلطان بولوا۔ میں ہر چند پوچھتا ہوں کوئی نہیں بتاتا۔ بی بی کہتی ہیں وہ ہندو میں ہے جب سب مرد جمع ہو گئے تو میں نے کہا خدا کے واسطے بتاؤ تو سنی ماجرا کیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ بلاشبہ سجاد مراد مر گیا جو یہ سب خاموش ہیں۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میں نے زار سے زمین پر سر دے مارا کہ میرے دماغ سے خون جاری ہو گیا اور

میں نے کہا کہ اگر حقیقت بیان نہیں کرتے تو میں اپنے کو اسی وقت بد سے دیتا ہوں۔ تب عزیزوں نے میرے ہاتھ پکڑے اور کہا صبر کرو۔ ہم بیان کرتے ہیں۔ جب حمد مرزا خاں نے یہ حقیقت زبانی چوں کی بیان کی تو میں چٹخیں مار کر رونے لگا۔ میری کٹنی نے سجدہ مرزا کے دونوں چوں کو ل کر میرے آگے ٹھادیا۔ وہ چھوٹا بچہ کوئی سوا برس کا تھا۔ اس نے کبھی مجھے نہ دیکھا تھا اور نہ میں نے اسے دیکھا تھا۔ مگر جوش خون و تاثیر، بھوکہ وہ ٹھنیوں چل کر تر بجھو سے پٹ گیا۔ میں نے اسے چھاتی سے لٹایا اور اسے اپنے کہ وہ چار برس کا تھا اس نے میری روت میں ہاتھ ڈال دیئے۔ میں نے دونوں کو چھاتی سے لٹایا تو جو کتب میرے سینے میں بکھڑے رہی تھیں فی احمد تسکین ہوئی۔ حمد سلطان صاحب نے کہا کہ اب جاؤ مرزا خاں کو سمجھو۔ یہ ان کی نشانی سے تمہاری نسل قلم ہے۔ ان کی پرورش برادر قمر تھی۔ اپنے کو ہلاک کر دو گے تو یہ بچے کیونکر چلیں گے۔ غرض کہ بعد وہ چار بھائی سے باب میرے وہاں درست ہوئے تو میں نے کہا کہ میں اب حکام سے پاس جا کر فریاد کرتا ہوں۔ میری بی بی نے مٹی جو کچھ ہو باب صبر کرو۔ مردے کی مٹی عزیزِ سرور کے قبر کھود کر نقش بٹھوانی جائے۔ میرے اس توڑوا را نہیں کرتا ناش فریاد نہ کرو۔ یہ بوٹوں نے ذرا لیا تھا غرض کہ کسی نے بھی مجھے پتھر کی نہ جانے دیا میں نے کہا۔ اس کی فالتھ و روداد کرو۔ نہ کل صبح تمہارے آنے سے پہلے رسم بیویوں کی ہو چکی۔ کل سب عورتیں فراہم ہوئی تھیں و رہا سب عزیز و اقربا، دست آستانہ ہوئے تھے بعد قرآن خوانی کے ختم پڑھو دیا تھا۔ پھول گل ہو چھے ہیں۔ غرض میں تو اپنی مصیبت میں مبتلا رہا۔ سوگ آتے تھے رسم و فالتھ ادا کرتے تھے۔ دوسرے روز پکھری سے بہ کارہ آیا اور مجھ سے کہا کہ چوں کو سپہ نمذنت جی نے ملایا ہے تم ان کو لے کر چلو۔ غرض یہ کہ میں نے دونوں بڑوں کو سجدہ مرزا کے ہمراہ لے جا کر پکھری میں پہنچا۔ سپہ نمذنت و ان میں ان کا پیشہ سو چلی تھی اور آرمیوں نے ہمارا جد صاحب کو قتل میں بھی مدد دینا اطلاع دے کر اجازت قبلہ خوں نے مرگنا تحقیقات سے واسطے ظلم پہنچ بھی دیا تھا۔ یہ پتے کے قانون کو لے کر آئے۔ آہستہ سب جان دریافت کیا اور انہیں سمجھو لے اور تحقیقات جاری ہوئی۔ مندرجہ تحقیقات عمل انسانی سے معدے متوفی سے شکلیا پر آمد ہوا۔ خون بے اندامیت رہا۔ جب میں نے چار بونسل میں عرض کی کہ میرا بیٹا جون فوری مرگ میں ہمارا کیا ہے میں ان خون کا قصاص چاہتا ہوں و مرگ کی مٹی میں مراد اپنے خوراک میں ہیں ان پرورش

ہونی چاہئے۔ اس عرضی پر حکم ہوا کہ بعد تکمیل مثل مقدمہ سائل کی دادرسی ہونی چاہئے اور قتل کی تحقیقات اول محکمہ گرامی میں ہونی اور جنرل سپرنٹنڈنٹ نے اپنے مواجہ میں ایسی تحقیقات کی کہ بید شہید اور پھر نظامت میں مسل گنی اور پھر فوجداری میں آئی اور مجھے اور چوں کو طلب کیا گیا اور مسل کی تصدیق کی گئی بعد اس کے میں اس کے چوں کو ہمراہ لے کر باہر آؤں گا۔ متنی چند رہدور کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ میرا بیٹا جو ان بے قصور نوکری راج میں مارا گیا ہے اور میں دُرُحاح ہوں۔ کوئی دن کا مہمان ہوں۔ ان چوں اور اس کی بیوہ کی پرورش کون کرے گا۔ باہو صاحب نے اس وقت دو ممبر کو نسل کے ان کے پاس میں بیٹھے تھے ان سے دریافت کیا کہ کیا کہتا ہے۔ ان دونوں نے متفقہً مفید بیان کیا کہ اس کا بیاں راست ہے کوئی شک نہیں۔ ہمارے یہاں اطلاع آئی ہے۔ اسی وقت باہو صاحب نے فرمایا کہ ظہیر الدین تو رو نہیں۔ سچے پرکار جب نصاب نصاب نہیں ہے۔ تیرے اور تیرے چوں کی پرورش کی جائے گی اور قتل کو کسی سزا دی جائے گی کہ تیرے آنسو پکھ جائیں گے۔ تیرا بیٹا نہیں مارا گیا ہے۔ میں خود مدعی ہوں نیز صاحب ممبر ملکہ موجود تھے۔ ان کو حکم دیا کہ کاغذات دفتر کو نسل کے نکلوا اور انھیں ایک بار مہراج رام سنگھ جی نے اس کے بیس روپے باہر بھید روزینہ دارال جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ کاغذات نکلوا کر وہ جس روپیہ جاری کر دو۔ پھر میں نے عرض کی کہ میں اپنے بیٹے کے خون بہا میں ایک پیسہ نہیں چاہتا۔ اگر کوئی لاکھ روپے نقد اور ہزار روپیہ مہینہ مجھے دے گا تو بھی میں نہ لوں گا۔ میرا اصل بے بہا مارا گیا ہے ہاں اُمراج کو پرورش منظور ہے۔ تو اس کے چوں اور بیوہ کی پرورش کر دے تو باہو صاحب نے فرمایا ایسا ہی ہو گا۔ چنانچہ چار ماہ تک دفتر کو نسل میں ان کاغذات کا تجسس کیا گیا کچھ پتہ نہ چلا۔ چونکہ عرصہ بیشہ تجسس ہو چکا تھا اور دفتر خالی جا ختم ہو گیا تھا وہ کاغذ برآمد نہ ہوئے۔ آخر باہو صاحب نے مجھے بار حکم دیا کہ میں مجبور ہوں تیرے چوں کی تقدیر سے وہ کاغذات تو دستیاب نہیں ہوئے اور تجھے منظور نہیں۔ اب جو سجاد مرزاں تھانہ داری کی تنخواہ تھی اس کا نصف بارہ روپیہ دو آنہ تیرے چوں کا مقرر کیا گیا۔ انھارہ سال کی عمر تک بعد راج سے پرورش روزگار کی ہوئی چنانچہ اس حکم کی نفل بطور سند مجھے مل گئی میرے پاس موجود ہے۔ اس سند میں لکھا ہوا ہے کہ مبلغ دو ازادہ روپیہ بھید روزینہ دارال بنابر پرورش بیوہ و اطفال سجاد مرزا متوفی ظہیر الدین کو ملتے ہیں اور بعد وفات ظہیر الدین اس کے چوں کو انھارہ برس کی عمر تک ملیں گے۔ وہ

روز نہ میرے چوں کو گھر پر ملے جاتا ہے اور مستحکم و اشکھ قاتل سجاد مرزا کی نسبت سزا کے دائم الجس تجویز ہو کر جیل خانہ سپرد کیا گیا۔ وہ مجبوس ہے۔

بس اسی صدمہ جانکاہ نے میری کمر توڑ دی اور زندگی تلخ کر دی ہوش و حواس میں خندل واقع ہو گیا۔ دل و دماغ منتشر ہو گئے۔ لطف زندگی جاتا رہا۔ اسی روز سے میری بصارت و سماعت میں فرق آ گیا۔ اب آنکھوں سے سو جھتا نہیں کانوں سے بانگل بہر ابھٹا ہو گیا ہوں۔ جسم پر سوائے ستھوان اور پوست کے گوشت کا نام نہیں رہا۔ بے حیائی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ جاے غور ہے کہ ایسی حالت میں کوئی شعر کہ سکتا ہے۔

ٹونک میں شعر و شاعری :

اب تترے حالات شعر و سخن مقدم زمانہ قیام ٹونک معرض بیان میں سے جاتے ہیں۔ ٹونک میں اکثر شعر و سخن کے ٹپکنے اور پڑھنے کا اتفاق رہا اور بہت سی غزلیں بھی سیں۔ اکثر مشاعرے مواجہ نواب صاحب بہادر میں ہوئے۔ خدائی عنایت سے آج تک کسی کی غزل فقیر کی غزل پر سر نہ ہوئی۔ تمام اہل ٹونک اعلیٰ و اعلیٰ نے موجود ہیں۔ بڑے بڑے زور کار و گے کھ کر رہے اور جب اخیر میں میری غزل پڑھی گئی۔ سب سر د ہوئے۔ اکثر منصف مزاجوں نے اپنی غزلیں مر مشاعرہ چاک کر ڈالی ہیں بلکہ ہر باسیابی اتفاق ہو گیا ہے کہ اکثر حضار نے اہل بزم کو متنا کر دیا ہے کہ کوئی غزل کی داد نہ دینا اور پھر جب میں نے غزل شروع کی ہے تو لوگ پیچھے اہل مشاعرہ کے کھڑے ہیں ان کا شور تحسین و آفرین ایسا بلند ہوا ہے۔ حسد کا رنگ فق ہو گیا ہے۔ بہت سے معرکے ایسے بھی گزرے ہیں۔ چنانچہ ایک بار نواب صاحب کے مواجہ میں مشاعرہ ہوا اور اہل مشاعرہ نے اچھی اچھی غزلیں پڑھیں۔ میرے شاعرانوں نے بھی بہت اچھی اچھی غزلیں لکھی تھیں۔ غرض کہ جب یہ افتخار حسین خاں صاحب مضطرب نے غزل پڑھی ہے تو غزلیں ان کی بہت یاد رکھی۔ ان کے جاہداروں میں سے جو لوگ تھے۔ انہوں نے بڑے نعرے سبحان اللہ کے لگائے اور ہر شعر پر یہ بیان ہوتا ہے

افتخار حسین خیر تباری۔ جو ہمیں خیر تباری کے شاعر میر مینائی کے چھوٹے بھائی

تھے۔ بے پور میں وکیل تھے نواب ابراہیم خاں پسرے ہمسے سے اصداغ پیتے تھے ان کی وفات کے بعد

مضطرب خیر تباری سے صداقت پنے لگے۔ مضطرب کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ کیا کہن۔ کوئی شاعر اب کیا کہے گا۔ قلم تو زودیا ہے۔ ایک شرارت سی شرارت ہو رہی ہے کہ میں کیا بیان کروں۔ ہمارے قلم میرے شاعر و احمد سعید خاں عاشق کی غزل مضطر کی غزل سے تم نہ تھی۔ بدھ مذاق زبان میں بڑھی ہوئی تھی۔ قصہ کو تاہ آخر کو جب میری نوبت آئی تو میں نے بیان کیا سنو صاحبو، تم صاحبوں کی جوان طبیعتیں، دلوں میں نئی نئی انگلیں، سب طرح کی فرغ ابلی، دل و دماغ تمہارے صحیح اور درست ہیں۔ میں بوڑھا آدمی ہوش و حواس تک درست نہیں۔ دل و دماغ میں طاقت نہیں۔ ہزار ہا صدے قلب و جگر پر پڑے ہیں اب کیا تمہارے دل اور تمہارے مضمون میں سے اداں گا۔ مجھے تو معاف ہی رہتے تو تہ منہ سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب صاحب نے حکم دیا نہیں غزل پر جتنی پڑے کی جیسی کہہ رہا ہے یہ تمہاری دماغ سے اٹھنے والی مشاعرہ ہی مقرر ہو رہا ہے۔ غرض مجبور میں نے غزل شروع کی اور مطلع غزل پڑھا۔ اس غزل کا مطلع سنتے ہی شور مچا کیا اور مرزا محمد علی خاں صاحب نمبر نوائل نے پکار کر کہا کہ استادی۔ یہ معنی ہیں کہ ایک مطلع ایک دہان کے برابر ہے۔ وہ صاحب خوفناک رہتے تھے کہ قلم تو زودیا ہے۔ اب اصناف سے فرما میں کہ مطلع کہاں پانچ سے سو سنار کی اور ایک لوہار کی۔ وہ مطلع یہ ہے۔

وہ جھوٹا عشق ہے جس میں فغاں ہو

وہ کچی آگ ہے جس میں دہواں ہو

اس وقت افتخار حسین خاں صاحب نے فرمایا کہ انیس باتوں سے تو یہ دوگنا ہوتا

مانے جاتے ہیں۔ ایسے شعر سے سدا شعری نہ نکلتا ہے۔

غرض صاحب اس قسم کے معرکہ رہے۔ حالانکہ سوائے ایک خواب سیمین

(بقیہ جاتیہ)

میں وہ قلب مضطرب ہوں جسے کل سے کل نہ آئے

وہ نال بے ثمر ہوں جو پھلوں تو پھل نہ آئے

مطلع

نہ تم ان کو پوجو مضطر کہ یہ بت ہیں چند روزہ

تم اسی خدا کو پوجو کہ جسے اجل نہ آئے (ظہیر)

صاحب اسد اور سہم صاحب اور مظفر صاحب سب میرے دوست و ساتھی تھے۔ حد انخواستہ میرے ان کے درمیان کبھی چشمک یا تازہ کسی طرح کا نہیں، قیام و اطمینان جہاں حساد لکھنؤ کے نام پر مرنے والے جن کے باب و ادب و ادب میں جہی معنوی عبارت نصیب نہ ہونی ہوئی ان کا یہ عام تھا کہ رشتہ و حسد میں جس درباب ہو کے جاتے تھے خدا واسطہ کا پیر، چنانچہ روراول جو میں نے قصیدہ سائگرہ کا سنیا اور جس کی نسبت یہ ہا گیا تھا۔ یہ استاد ذوق کا قصیدہ ہے۔ میرے شاگرد صاحب جزاؤہ احمد سعید خاں نے اس کی تصحیح کا کام کیا۔ انہیں سے دیون ذوق مانگ کر لائے اور اس کو بجائے خدا میرے قصیدہ سے مدد دیکھا تو زمین آسمان کا فرق اس کی تشبیب میں تھا۔ استاد کے قصیدہ میں غسل صحت کی تشبیب تھی میرے قصیدہ میں سائگرہ کی وہ اس سے یونکر مطابق ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں مدت میں بڑا اختلاف۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ ذرا آپ میری خاطر سے تھوڑی دور تکلیف کیجئے اور ن صاحب کے مکان تک چلے۔ میں نے کہا کہ میں جاؤں بھی دو حساد ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ مصر ہو گئے کہ میں سے ہی چلوں گا۔ غرض کہ وہ مجھے ہمراہ کر رہا ہے۔ اور جا رہا ہے۔ جبے حضرت وہ چور ڈھور سب موجود ہیں۔ یہ وہ دنوں قصیدہ بھی موجود ہیں اور کہنے والے بھی۔ جو حضرات یہ فرماتے تھے کہ استاد کا قصیدہ پڑھ دیا ہے، وہ کون صاحب ہیں۔ ایک صاحب بولے کہ ہم ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔

احمد سعید خاں آپ اس واسطے استاد کا قصیدہ بتاتے ہیں۔

جواب زبان استاد کی اور متانت اور مضامین پکار رہے ہیں۔ زمانہ حال میں کوئی نہیں

کہہ سکتا ہے

اس وقت وہ دنوں قصیدے پڑھوائے گئے اور ان حضرات کو قائل معقول کیا گیا

نواب ابراہیم علی ۲۰ نواب ابراہیم علی خاں بہادر فرمانروا سے نوٹک کو خاندان

۱۰ نواب سیدان خاں اسد میر مظفر علی اسد لکھنؤ کے شاگرد اور صاحب دیون تھے

نواب صاحب نے ظہیر کی طرح نہیں بھی خاص طور سے نوٹک بدایا تھا۔ (ظہیر)

۲۰ نواب ابراہیم علی خاں خلیل ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد نواب محمد علی خاں

کی معزونی کے بعد ۱۸۶۶ء میں مندرجہ ریاست ہوئے۔ انہیں (ماتی حاشیہ گلے صلی پر)

عام زدہ اور سادہ مت رکھنے اور اس کے ملک کو آباد اور بہتر نواب صاحب موصوف جمیع محبہ سے ذاتی اور صفاتی سے آراستہ پیراستہ ہیں۔ نواب صاحب ممدون کو نفوق قدسیہ میں شمار کرنا چاہئے۔ نواب صاحب سار میں، شائع مفتی و پیر نگار۔ حابد و زاہد، ماخدا۔ عاشق رسول۔ سیندر۔ شریف پور۔ بدل شستہ۔ رحیم۔ کریم۔ جواد۔ فیض۔ بہادر۔ نخی۔ دریادل۔ بریم انفس۔ خدا ترس۔ وسیع الخلاق دوستدار فی زمانہ دنیا میں نہیں۔ میرے قلم کو طاقت نہیں کہ ان کے اوصاف حمیدہ تحریر کر سکے۔ لول تو یہ کہ نواب صاحب بہادر کے ثروت و حشمت دریا ست کے باوجود، بوئے رعونت اور تمکنت پاس ہو کر نہیں نکلی۔ سراپا عجز و انکسار جسکو خلق مجسم کہنا چاہئے۔ زہد و صلاح کا یہ حال ہے کہ کبھی نماز سحر تک قضا نہیں ہوئی۔ اوقات شہانہ روزی یاد اکی میں بسر ہوتی ہے۔ شب کو کل چار گھنٹے آرام کرتے ہوں گے۔ چار بجے بیدار ہو جاتے ہیں۔ خدمتگاروں کو حکم ہے کہ مجھے جگا دو۔ صبح کو بیدار ہوئے اور حوٹ ضروری سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہوئے، ماغ میں مسجد ہے، اس میں نماز جگانہ باجماعت ادا کرتے ہیں۔ میں نے چشم خود دیکھا ہے کہ گھڑیوں مسجد میں پڑے ہوئے تفرغ دزاری کرتے ہیں رحم و ترحم کا یہ حال ہے کہ شاید کسی خدمتگار سے کچھ قصور سرزد ہو گیا اور اسے کوئی طمانچہ غصہ میں مار پٹنے تو پھر اسی سے قصور موقوف کرتے ہیں کہ میں اللہ کے واسطے میرا قصور موقوف کر دے۔ سخوت کا یہ حال ہے کہ باوجود اس بدمستگانی کے کہ پانچ ہزار روپے دن کے دست خرچ کے مقرر ہیں اس میں بہت سے لوگ بیش قرار درباری ہیں اور ان کی

(بقیہ حاشیہ)

ایکے پاسے رُجھال روئے انور آفتاب واضحی پڑھنے لگے حیران ہو کر آفتاب
 روشنی کا ایک مرکز ہے قلب پر آفتاب ہیں یہاں ایک ایک جلوے میں بہر آفتاب
 آپکے پر تو سے اس نے پائی ہیں آرائشیں ہے جہین صبح پر چاندی کا جھومر آفتاب
 آسمان و نلوں کو بھی ہے پاس خاطر آپ کا اک اشارہ جب کیا آیا پلٹ کر آفتاب
 آپ ہی کیا چاند نور بتی ہے شب بھر جستجو آپ ہی کو ڈھونڈتا رہتا ہے دن بھر آفتاب
 آپ محشر میں اگر بہر وضو فرمائیں عزم آفتاب لے کے دوڑے تپ کوثر آفتاب
 (نظیر)

اور ابھی اس میں شریف ہے۔ جو کچھ داد و بخش ہوتی ہیں اس میں سے کثرت ہیں۔ ریاست کے روپ سے کچھ تعلق نہیں سوائے نقد و غیرہ کے۔ پوشاک اسلحہ جو وقت پر موجود پیدائش دیا۔ زمان پر کبھی کوئی کلمہ تمذیب کے خلاف نہیں آتا۔ مرتبہ و مرتبہاں کسی تنفس کو ان کے دے سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ عملداری ٹونک میں مقدمہ رہے کسی کا کہ مرتکب منہیت کا ہو جائے۔ مسکرات وغیرہ کا پورا پورا انتظام ہے۔ رمضان المبارک میں کیا مجال ہے کہ بے عذر شرعی کوئی ترک صوم و صلوٰۃ کر سکے۔ کوچہ کوچہ محتسب ہوتا ہے۔ جس کو تارک الصوم پاتا ہے فی الفور گرفتار کر کے کو تواری میں پہنچایا جاتا ہے اور پھر وہ تاناختام ماہ مبارک کو تواری نظر بند رہتا ہے۔ وہاں اس سے روزے رکھوائے جاتے ہیں اور رویت بدل شوال پر رہا کر دیا جاتا ہے۔ زمان فاجرہ کو گرفتار کر کے نکاح کرادیے جاتے ہیں۔ نواب صاحب بہادر کو مودود شریف کا از حد شوق ہے۔ سال میں ایک بار مجلس مولود شریف منعقد ہوتی ہے۔ علماء، فضلاء، صاحبزادے، عمائد ملازم سب فراہم ہوتے ہیں۔ کھانا بہت عمدہ کھلایا جاتا ہے۔ شیرینی تقسیم ہوتی ہے ربیع الاول میں بارہ روز مجلس نبوی منعقد ہوتی ہے اور نظیر مانع کی نہایت تیاری ہو جاتی ہے۔ بھاڑ فانوس گلاس وغیرہ کی روشنی بکثرت ہوتی ہے اور اذن عام ہوتا ہے۔ تمام شہر کی خلقت فراہم ہوتی ہے اور سیر سیر بھر شیرینی سب کو تقسیم ہوتی ہے۔ سات روز مردانہ محفل رہتی ہے اور پانچ روز زنانہ مجلس ہوتی ہے۔ اس روز حکم ہے کہ رات کو کوئی فرد گہم سے باہر نہ نکلے پائے۔ مستورات پردہ نشین سب مجلس مودود میں جاتی ہیں اور وہ مودود شریف نظم و نثر نواب صاحب کی تصنیف سے ہے اور احادیث و روایات سمجھ کا ترجمہ ہے۔ اسی جزو کی اس کی ضخامت ہے وہ پڑھا جاتا ہے۔ شعر و شاعری کا از حد ذوق ہے اور کلام بھی عمدہ ہے۔ زیادہ توجہ حمد نعت کی جانب ہے مگر افسوس اس امر کا ہے کہ ریاست کے انتفاع میں بہت نقصان اور تنزل ہو گیا ہے اور ریاست بدرجہ غایت مقروض ہو گئی ہے۔ بائیس لاکھ کی ریاست اور پیداوار نو دس لاکھ کی رہ گئی ہے۔ وجوہات باعث تنزل ریاست واقع ہوئے ہیں۔ بڑی خرابی تو یہ ہے کہ علاقہ ریاست ٹونک کا منتشر پر غنات پر واقع ہوا ہے ایک پرگنہ دوسرے پرگنہ سے علیحدہ ہے اور عملداری بائے غیر سے ملتی ہے۔ اور صد بابوں کے فصل سے واقع ہوا ہے۔ پنج میں اور ریاستیں آگئی ہیں۔ جو حامل و ناظم جاتا ہے۔ پنی شکم پری سے غرض رکھتا ہے۔ ریاست کی خیر خواہی اور جانی رعایا سے چھ مطلب نہیں جس رعیت پر

چہ و تعدی ہوتا ہے رعیت پر خاست ہو کر اور ریاست میں چلی جاتی ہے مثلاً پرگنہ سرہون
ملاق ٹونک تو رہا ہو گیا اور جوپال آباد ہوئی۔ دوم یہ کہ خرچ اخراجات خاندان بہت بڑھ
گئے۔ اب سببش اتنی نہیں کہ نواب صاحب اپنی اود کا کچھ مقرر کریں۔ جن صاحبزادگان
ن مادیں و جو تنخواہ ہیں وہ اس میں سر رستے ہیں۔ ان دن ذاتی پچھ آمدنی نہیں۔

مورث اسٹے نواب محمد امیر خاں صاحب اول رئیس ٹونک کے بارہ بیٹے اور بیٹی
بنیاد ہیں اور تنخواہ اسی حساب سے تقسیم ہوتی چلی آئی۔ اب ریاست میں کیا رہ گیا ہے۔
خاندان کے مصارف میں برابر ہوں برائے نام ریاست ہے۔ ملوہ ازیں ریل کی سڑک نکلنے
سے اور رہا سہا سستی ماس برآمد اور تباہ کر دیا۔ مگر تاہم نواب صاحب کا ملوہ مت اور صرف خیرہ
خیرت نذر و نیاز وغیرہ میں کسی طرح فرق نہیں آئیہ ستور سابق اب تک ہیں جو مسافر آجاتے
ہیں۔ کچھ نہ کچھ سے ہی نکلتے ہیں۔ ہمیشہ اعراب بطور گداگر کے آتے ہیں اور روپیہ در دست
کمنہ و غیہ ہوتے جاتے ہیں۔ کوئی ٹونا پھوٹا شاعر بھی جا نکلتا ہے اور اس کی نواب صاحب تک
رسائی ہو جاتی ہے تو نوکر نہیں ہوتا تو زار و بول جاتا ہے۔

نواب صاحب کو شعر و سخن کا شوق از حد ہے۔ قصیدہ وغیرہ صد کے سنہ حرام جانتے
ہیں مخالف امر اے حیدر تھا۔ نواب صاحب ممدون شاعر کی قدر و منزلت و اعزاز فرماتے
ہیں۔

میں ریاست ٹونک میں بہت اچھی طرح سر کرتا تھا۔ تیس روپیہ ماہوار نواب
صاحب دیتے تھے۔ دس روپیہ ماہوار منگم صاحب دیتی تھیں۔ خدمتگاری تنخواہ صاحب وہ
احسان اللہ خاں صاحب دیتے تھے۔ انہیں کے مکان میں رہتا تھا۔ کرایہ مکان نہ دینا پڑتا تھا۔
سواری احسان اللہ خاں سے یہاں موجود تھی۔ جہاں چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ ایک تانگہ سرکار میں
سے قیمتات تھا۔ پندرہ روپیہ ماہوار خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب ڈھاکہ سے بھیجتے تھے۔ اہل و
عیال قریب تھے جب چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ نواب صاحب بہادر نہایت اعزاز و احترام سے پیش
آتے تھے۔ بارہا یہ ہوا ہے کہ میں فاصلہ سے الگ بیٹھتا ہوں اور نواب صاحب کی نظر پڑی ہے
فرمایا یہاں قریب آجاؤ۔ ہر چند میں نے عذر کیا یا ز قدر خود بشتاس فرمایا تم قریب آجاؤ تم
بہر سہ ہو میرا کلام سمجھ میں نہیں آئے گا اور اپنے قریب طلب فرمایا ہے۔ ہر طرح عزت و
حرمت سے سر ہوتی تھی۔ بیٹھے ٹھہارے گردش نصیب کی خواہ مخواہ وطن سے بے وطن ہو کر

مضبب ترغیب جھل احباب حیدر آباد میں چلے گئے۔ وہاں کے خطوط پہنچے حیدر آباد میں آج۔ یہاں کے امر القدر وال ہیں۔ شعر و سخن کا چہرہ چاند ہے۔ تہہ کے نام کے دست و گمشدہ ہیں۔ شعر و سخن کی بڑی قدر دانی ہے۔ غرض کہ میرا قصد بھی حیدر آباد کا ہی ہے۔ زیادہ تر خیال اس امر کا امتحان ہوا کہ میری عمر تو پوری ہو چلی ہے عمر بھری ہوئی ہے۔ پچھلے دنوں میں نے سوچا کہ میں نے جو کچھ کرنا تھا وہ تو نکل آئے۔ اس خیال سے خوش و امید ہو کر میں نے سوچا کہ کیا کچھ پارچہ پوشیدہ تیار کر کے چار ماہ کی رخصت کے کمرے پر چڑھنے آیا مگر جب میں آیا تو بی بی کی طبیعت علیل پائی آٹھ روز کے اندر اندر ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ خاندان کی صورت پیش کی جو کچھ روپیہ کا ہندوستان زدورہ کر کے لیا تھا۔ وہ تجھ میں صاف ہوا۔ اب ارادہ نسخ ہو گیا۔ میں نے جے پور سے لکھ بھیجا کہ مجھ پر تو یہ واقعہ گزر رہا ہے۔ چوتھری کی مشیت ایزدی میں داخل کیا ہے جو امر القدر کی تھا وہ ہوا مگر آپ جیسے آئیں۔

دسواں باب

حیدر آباد کن میں ورود

غرضکہ مجبور وہاں سے رو نہ ہوا۔ بڑے ہوتے ہو ایسے آئے۔ راجہ بھگوان
 سہاے بہادر نے مجھے باغ میں اتروا دیا۔ دو آدمی میرے ہمراہ آئے تھے یہ سب بار میرا ان پر
 پڑ گیا اور اول تو میرا خرچہ اسی نوے روپے کے قریب ہوا اور کا تھا۔ مگر پھر ایک صاحب کو میں
 نے رخصت کر دیا اس کو راجہ بھگوان سہاے بہادر نے رخصت نہ دیا۔ پورے ایک سال تک
 راجہ بھگوان سہاے بہادر میرے کفیل رہے اور میرے کل اخراجات ان کے ذمہ تھے۔ یہی
 ایام میں سرکار دولت مدارت کے ہمدانی نذر مہمانی۔ میں نے قصیدہ مدنیہ سنایا۔ بعد وقت
 رخصت فرمایا۔ میں پھر تم کو بلاواں گا۔ اسی ٹٹا میں روٹنگی، ہلی، تیاری ہو گئی۔ مہاراجہ
 صاحب دارا علی نصرت قدر، قدرت دہلی شریف سے آئے۔ اب میرے بھی ارادہ ہو گئے تو بھی
 وہاں وطن و چاند چل جن دوں سے نہ پاتا تھا۔ وہ سننے کے بعد نکل کر آئے۔ انہی سے
 صبر آروما واپسی مہاراجہ کے وہلی سے رہنا چاہئے۔ غرضکہ میں یہاں ٹھہر گیا تین مہینے کے بعد
 مہاراجہ صاحب بہادر شریف سے۔ مہمانی، مہاراجہ صاحب وہلی سے وطن کو چلے گئے۔ مجھ
 سے کہہ گئے تھے کہ میں جا کر اب راجہ بہادر سے چھو تجویر خرچہ کر کے لکھتا ہوں اور
 یہاں یہ کہہ رکھا تھا کہ۔ نیو، شگیمہ کی مہاراجہ مراد صاحب کی طرف سے ہوئی اور کسی
 قدر اسے ریاں بہادر، شگیمہ کی وہاں سے ماٹنی مہاراجہ بہادر مقرر فرما دیں گے۔
 تیرے ہی نذر ہو گئی ہو جائے گی وہ سب ورنہ ہاتھ نہیں۔ یہ سوائے راجہ بھگوان سہاے بہادر
 کے کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ اب یہ صورت ہوئی مجھ سے کہ گیا ورنہ کا صاحب لگنا تو
 مشکل ہے۔ مگر رخصت بہتر معقول طور سے ہو جائے گی۔ اسی امید میں آٹھ ماہ کا عرصہ نذر
 کیا اور سب کو ورنہ ہاتھ سے ہی نکلے۔ آخر ٹوٹک سے تحریر یعنی کہ تمہارا نام، فتنہ

سے جدا کر دیا گیا۔ اب تم ٹولک آ کر یہاں آئے۔ جب میں سب طرف سے مایوس ہو گیا تو جن صاحبوں نے مجھے مایا تھا وہ مہ چھپانے لگے۔ منانک چھوڑ دیا۔ تھر میں نے رمار خداوند نعمت کو عرض کی تھی اور اپنی منیبت اور انتحار تعلق ٹولک کا حال بھی رمار رمار خدمت میں لکھی۔ اور نیزہ داغ صاحب سے بھی رمار میں تھا۔ خداوند تعالیٰ رمار رمار تہدار کو تابہ سلامت رکھے کہ رمار نے عیال بہر سن اندھا بہر ا۔ پانچ۔ بکار محض سمجھ کر از رہ ترحم میری پرورش فرمائی کہ اس زمانے میں روٹی نصیب ہو گئی۔ ورنہ یار و گوں نے تو دنیا سے کھونے میں کوئی کس نہ رکھی تھی۔ اب گوشہ عافیت میں بیٹھا ہوا جو بچو دال دیا اور روکھی روکھی روٹی نصیب ہوتی ہے بہر اوقات پریشانی نصیب اسے قیمت حال برھاتا ہوں اور اپنے آپ آقائے نامدار خداوند نعمت کو دعا دیتا ہوں اور قدر دانی حیدر آباد کی تو طیر جن و گوں سے مجھے توقع تھی وہ اندر آ میں کا پھل نکلے۔ پھر جو پھر رہی سکی حالت قدر سخن کی ت تو یسین اسد ظنت مدار مہاراجہ کشن پر شا شا کے دم سے ہے۔ البتہ مہاراج صاحب بہادر اس فن سے قدر دان ہیں اور رمار میں اکثر شعراء ملزم ہیں اور نیزہ مہاراجہ صاحب بہادر کا کام بھی اگلے درجہ کا ہے۔ خود بھی ایسا فرماتے ہیں جس کا جواب نہیں۔ ظم و نثر قاری راہ بہت، جواب ہے۔ اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب بہادر جامع الکمال ہیں۔ ہر فن میں مداخلت تمار رکھتے ہیں۔ حسن اخلاق کی شہرت تو عالمیہ ہے۔ محتاج شہرہ و بیان نہیں ہے۔ فیضی و ریاضی و ادب و ادب و ادب و ادب و علو ہمت کا حال اظہر من الشمس ہے۔ سب سے صف و اصاف نذر و نیاز عرس بزرگان و مشائخ کا ہے۔ ان تقریبات میں سب درخی ملے انساب صف فرماتے ہیں۔ ہزار بار و پیہ تیاری سامان عراس میں اور پختہ طعام نیاز میں صرف ہوتے ہیں اور ہزار بار آدمیوں کو طعام بائے لذیذ پر تطفیف کھائے جاتے ہیں۔ اور تقسیم طعام بے دریغ ہوتی ہے۔

ع برین خوان یغمد شمن چہ دست

عرس مولائی ان تقریبات کے علاوہ مہاراجہ صاحب بہادر جب کوہ مہ علی پر شریف لے جاتے ہیں تو کئی کئی مہینے قیام فرماتے ہیں۔ تمام عمدہ سرکاری اور ملازمہ سرکار اور محلات وغیرہ ہمراہ ہوتے ہیں سب کو طعام پر تطفیف دونوں وقت مطبخ سرکار سے بے دریغ عطا ہوتا ہے اور ہنگام عرس حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا صلوہ اللہ علیہ میں چند

روز پیشتر از عرس اعلیٰ حضرت قدر قدرت قلب رفعت یواں پنجم بر جیس ٹیم رونق فوز
کو مبارک ہوتے ہیں اور تمام حیدر آباد کی ضقت کا زہام ہوتا ہے اس زمانہ میں کئی سو آدمی کا
جماع خاص و عام در دوست سر کار پر ہوتا ہے۔ خیمہ ہائے متعدد استوار ہو جاتے ہیں۔ کث
ارباب شہ و طوائف و غمہ ہ بھی حاضر ہوتی ہیں۔ اس اجماع کثیر و جم غفیر کو طعام سر کار سے
تقسیم ہوتا ہے۔ دونوں وقت دہائیں کھانے کے پکتی ہیں اور تقسیم ہوتی ہیں۔ کئی روز تک یہ
پخت جاری رہتی ہے اور بعد عرس کے نعمات ہم ایسا وہی قدر مر تب مہاراجہ صاحب
بہادر شرفیہاں تقسیم فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدر قدرت خداوند علیہ زمان قیام میں
تیں رہنے کے کارہ رونق فوری ہوتے ہیں۔ ہر مرقع و سرور پر ہوتی ہے۔ روشنی ہاں
ہوئی ہوتا ہے یہ مہاراجہ صاحب بہادر دریائی وریہ نیشی وریہ حوصلہ وریہ ہوتے
ایک نمونہ ہے جو معرض بیان میں آیا۔

آج کی میر پور میں یہ ہمت ہے کہ اس طرح بے دریغ نصف برے کا حیدر
آبدر میں بڑی بڑی سرکاریں اور جائیدادیں ہوا غلام ہیں۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی یہ اتنی
نہیں ہے جتنی کہ جاگیر سے ہے۔ مگر یہ ہمت اور حوصلہ کی مثالیں ہیں۔ ان میں
بے دریغ نصف برے غور کیا جاتا ہے کہ میراجد صاحب جاگیر کا قتل کیا ہے۔ تو ان میں سے
استندہ بال ہزر کی بحفاظت نہ ہوا۔

[illegible]

خاصہ کو تل ہزار روپیہ کی قیمت سے لگا کے پانچ ہزار تک موجود ہیں۔ قیل خانہ میں دو چار ہاتھی بھی ہیں اس کے علاوہ سامان جلوس نوبت غار و علم مایہ مراتب فوج سپاہ سوار پیدل۔ توپ خانہ۔ مصاصین ابکار عمدہ وغیرہ سب سامان ریاست موجود ہے غرضکہ جب میں یہاں پہنچی ہوں تو میرا امان فساد نکلا۔ یہاں مقدمہ برعکس پایا۔ قدر دان تو بالائے طاق رہی رونیوں کے لے پڑ گئے بھال سرکار دوست مدد ظہیر صاحب نوکس نے بڑا مانع دکھایا کہ وہ اپنا کھد ہار چھوڑ کر یہاں آکر حیران و پریشان ہوئے۔

میر محبوب علی خان ۱۔ بہ نفس نفیس نہایت اماندہ ہو ہو شیراز، شن و مانع،

۱۔ مظفر علی خان جنک نوب میر محبوب علی خان حکام ملک آصف شاہ ششم نمبرہ
ست ۱۸۶۶ء و پیدا ہوا۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۸۶ء و مندرجہ ریاست سے آپ نے تعلیم
تہیت مختلف اوقات میں مولوی محمد خان شہید، مولوی شیخ الزمان خان، مولوی انور اللہ خان،
مولوی اثراف حسین مظفر حسین خورشید، مولوی رانا اللہ خان، مسٹر گلدار، مولوی ہنسک، امر
ک، مولوی میر، مولوی آپ وزبان علی، قوری، رادو، گمیری پر عبور حاصل تھا۔ دن
پہ دن سے جیسا کہ تھے۔ آپ مولوی فضلہ، راجا اہل اس سے قدر دان تھے۔ تیناروں علی ظہور
امداد و آپ سے فیض پایا۔ مولوی سید محمد و ذکریا آصفی کی شہرت سے سے زریعہ
آپ نے مولانا شبلی، مولانا حیدر، مولوی ذکریا عبد حق قدر مدد ملی، ہندوستان رتن مات سرشار، مولوی
عبد حمید شرر، ڈپٹی نذیر احمد، سید علی مدد ملی، وغیرہ سبب، مولوی غلام اور مولوی مظفر علی خان کی
سرپرستی۔ مولوی غلام کو جو شہر، سخن میں ان کے استاد تھے جو عزت و شہرت و عروج حاصل ہوا
اور زبان کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ مولوی غلام کی تحواہ پندرہ سو روپے ماہوار تھی۔
عجب ہے کہ حضرت ظہیر مصنف کتاب ہدایہ حقاہ قدر دان نے ہوئی جیسا کہ ان کی تحریروں سے
ظاہر ہوتا ہے۔ میر محبوب علی خان آصف نقض کرتے تھے اور اپنے استاد غلام کے رنگ میں غزل
کہتے تھے۔ ان کی ایک غزل کے دو اشعار لکھتا ہوں۔

ما شوق تیر کی رغبت سے پریشان ہوں
یہ تاقی یہ لوثی ایمان بہت ہیں
کچھ درہو غم حضرت آصف کی ملاو
ہاں تیر کی محبت میں پریشان ہوں

(نظم)

روشن خیال۔ رحیم۔ رعیت نواز۔ رعیت دوست۔ رعیت پرور۔ خلیق۔ وجیہ۔ خوش رہ۔ خوش خو۔ خن گستر۔ حق پسند بہمہ صفت موصوف ہیں۔ فی زمانہ انہیں بک عادل شاہ تانی منا چاہئے اور نتیجہ رعایا پروری اور تالیف قلوب کا یہ رنگ ہے کہ تقریب میں رعایا اور دہ زمین اپنے پاس سے زر کثیر صرف کر کے تراش شہر و روشنی وغیرہ کا سماں فراہم کرتے ہیں اور محفل رقص و سرود گرم کر کے عیش و نشاط مناتے ہیں اور ان وجان سے اپنے باہ شاہ مہربان پر نثار اور قربان ہیں۔

رعایا حیدر آباد تمام و کمال خورشید و شعلات ممتول و مال ہے کسی طرح کی شکی نہیں۔

آبادی شہر بازار کثرت خلایق ایک جہان، مگر تصور کرنا چاہئے۔ سیر من حصار شہر حیدر آباد ہر چار جانب شہر کو سوں تک بازار اور مکانات سے چلے گئے ہیں، آبیوں کا سمن روا ہے۔ بازار ہموار گاڑی اور جھونکے وغیرہ دو گھڑی رات کے پچھلے سے نصف شب تک شہر میں دوڑتے ہیں۔ سواریوں کی کثرت سے پیدوں کو راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ شہر روز آمد و رفت خلقت جاری ہے۔

دہ زمین کی تنخواہیں بہ نسبت ریاست کے ہندوستان از ادنیٰ تا عظمیٰ چند ہند چار چند ہیں۔ اور دربار پیش قرار پاتے ہیں۔ متوسط طبقہ علیہ آصفیہ تین حصہ پر تصور کیا جاتے ہیں۔

طبقہ اعلیٰ طبقہ اوسط طبقہ ادنیٰ

امرا نے طبقہ اعلیٰ اور امرا اور جاگیردار میں جو خاندان شہر سے نسبت قریب رکھتے ہیں۔ جیسے نواب شمس الدین مرہٹوں کا خاندان ہے کہ ہون گاؤں۔ جاگیردار ہیں ان سے بڑھ کر کوئی جاگیردار نہیں۔ اسے حضرت قدردار قدرت کے ہمیشہ ہزاہ ہیں۔

درجہ ازاں اور امرا ہیں جو امرا کے قدیم در جاگیرداران مہارانی ہیں۔ مثلاً راجہ رایان مہاراجہ شیورام بہادر دیانت و ننت آصف جانی۔

دراب ریال رو کچھن رہا بہادر دیانت آصف جانی۔ مہاراجہ ریال مہاراجہ۔

بہادر خاندان و بہادر ملک بہادر جناب بہادر مرہٹوں کا خاندان ہے۔ قدر مرہٹوں کی دولت آصفیہ تو طبقہ اول میں تصور کئے جاتے ہیں۔

امرا کے طبقہ دوم اس طبقہ میں تین لاکھ روپیہ سے لے کر پچاس ہزار روپیہ
 تک جاگیردار مہسدار اور اکیس دولت بخش خوار درماہ دار مثل معین امہان و دیگر ملزمان
 محکمہ جات و تعلقہ داران وغیرہ وغیرہ۔ پانچ ہزار سے لے کر دو سو روپیہ کے تنخواہ دار و منصب
 دار تک طبقہ دوم میں شمار کئے جاتے ہیں۔

امرا کے طبقہ سوم اس طبقہ میں دو سو روپیہ سے لے کر پانچ روپیہ کے نوکر
 اندہر محکمہ جات و مدارس میں صیف فوج سوار، پیدل وغیرہ تصور کئے جاتے ہیں۔
 حیدر آباد کا سو روپیہ ماہوار کا ملازم و ریاست باہر ہندوستانی قاتمیں روپیہ ۱۵ ماہوار
 اور حیثیت میں برابر ہے۔

حیدر آباد میں دو سو روپیہ میں بر اوقات رہتا ہے و دشمن ہندوستان میں تیس
 روپیہ میں رہتا ہے و جب یہ ہے کہ ہندوستان میں سب اشیاء ارزاں ہیں حیدر آباد میں وہاں
 والے قوراپے کے خوراکے میں بھائی آنے کا فرق ہے۔

اقتصاد کی حالت اب اجناس کو غور کیجئے گوشت یہاں فی روپیہ چار روپیہ کا
 فروخت ہوتا ہے۔ ہندوستان میں آٹھ روپیہ کا بھتا ہے (یعنی اب وہ وقت نہیں رہا۔) جلد آٹھ
 روپیہ (۸) روپیہ کا نرخ ہے۔ ممکن ہے کہ حیدر آباد میں بھی اتنا نہ ہو گیا ہو (دو چھ روپیہ ہو گیا ہو)۔
 غلہ یہاں اس سے گاہ تو وہاں سترہ انچارہ یہاں تیس روپیہ دے کر دے کر قمرے کے ایک غریب آدمی
 سے لے کر پانچ روپیہ چار روپیہ کے مہینے میں رہتا ہے۔ حیدر آباد میں ایک آدمی کے پناہوں
 میں بھائی ایک روپیہ ماہوار طلب کرتا ہے اور مہینے میں دو سو روپیہ دھوکے دیتا ہے۔ تمام خط
 و موافق ایک آنہ بنتا ہے۔ (اب دہلی میں بھی یہی مقرر ہے) ہندوستان میں غریب آدمی
 حاکمیت کا ایک پیسہ دیتا ہے۔ آسودہ جاں دو پیسے دیتے ہیں یہاں جتنے مہینہ پیشہ ور ہیں سب
 خوش و خرم مرفہ الحال ہیں۔

اور طبقہ سوم کے شریف تدبیرت دنیا کی قلت معاش۔ حیدر آباد کے آخر جات
 بنی حسب حیثیت و تمول حد اعتدال سے بد جہاں تریں یہاں قلیل المعاش کی بر اوقات غیر
 ممکن ہے۔ خصوصاً مسافرین امیدوار روزگار نہایت خراب و خوار و ذلیل ہوتے ہیں۔ کوئی
 دروازہ پر آنے کا روادار نہیں ہوتا ہے۔

سوائے ذات باہر کات ہندوگان عالی المحضرت قدر قدرت خداوند ملکہ، و مہاراجہ

یہیں السلطنت مدار المہام بہادر۔

امراء کی تمکنت طبقہ اس ۱۰۰۰ سے امراء حیدر آباد نازک دماغ تمکنت دوست عیش پسند شہانہ مزاج ہیں غربا کے حال پر متوجہ بہت مہوتے ہیں۔ بدعہ غربا، شہت بال کی باریاٹی بھی دربار تک خواب و خیال ہے۔

سگ و دربان چوپائندہ غریب اسیں گریہاں گرفت و اس دامن ایسے نازک مزاج امراء کو شعر و سخن کا دماغ گھس ہے کہ وہ اپنے وقت عزیز عیش و آرام کو اس کا ریکارڈ میں صرف فرماویں۔

اس عندیہ ناوں و مدار گلٹ فرہند نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندرہ یہاں شعر و سخن کی کیا وقعت اور شاعر کی کیا قدر و منزلت کی فن کا اہل اس صاحب جوہر ہو۔ کوئی پرسان حال نہیں۔

ہاں کی قدر سے تو ابستہ مرتبہ خونوں کی عشر محرم میں قدر ہو جاتی ہے عمر نہیں وٹوں کی جو پیشینی شہت یافتہ ہیں اور ان کے تواجہ دو کا نام چلا آتات کی اعتبار سے وہ پچھتے باتے ہیں۔ خواہ وہ اس رتبہ کے ہوں۔ یا نہ ہوں۔ باعتبار شہت ان کی قدر، ان کی فرمانی جاتی ہے۔ حیثیت سے، فنون سے، چھتہ سے نہیں پنی تا موری و شہت سے مطلب ہے۔ کہ قدر میرے قدر میں یہ خواں و بدیہ ہے۔ اب ان شہت کے مقابل میں کوئی عرش کے تارے بھی قدر کے تو کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ سوائے مرتبہ خوانی کے خاص کوئی نذر و نیاز، نذر و معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ در شہت میں میرے غریب علی قدر نقدت طعمہ، ان سے ہیں اور غلام مسائیں کو عشرہ محرم میں گھانے گھواتے ہیں۔ نذر و روپ نذر و نیاز میں صرف کرتے ہیں غلام و ازیں کسی فن کے اہل گھانے کو کسی نہ کار میں و مرہوتے۔ ان کی سخنور واد پیر بعد ملتے نہایتھے مخالف اس کے بندہ ستان کے امر اکوہ اقسام کے شوق مہوتے ہیں۔ کی، وہ معبود جانب توجہ ہوتی ہے مثل چٹک بازی۔ بوتھاری یا و کسی قلم داری یا شہادہ نذر و محرم کو کھوزے کی ساری عاشق مہوتے۔ تو انھیں ایچھے مرطب و مر قوم کے تہاب خا سے محوزے علی قدر حیثیت طویئے میں موجود ہوتے ہیں اس فن کے آدمی نذر و مہوتے ہیں کسی میرے گھانے کے تہار عاشق مہوتات قوم اسار و بیہ انی۔ نصف مہوتات اس کے سامان فادہ ہوتے ہیں۔ غرض میرے گھانے فن کا شوق مہوتات اس

اس سے آگے بڑھ کر منع ہوتے ہیں اور ان کی قدر و اقدار کی جاتی ہے اور نہ اس اور نہ اس کے ہاں ہوتے ہیں۔ امیریں حیدر آباد اور چین خیمہ یافتہ ہیں۔ انگریزوں کے قدم بقدم چلتے ہیں اس وادہ مندرجہ ہوتا ہے۔ یہ میر سے ماری میں جہاد نہیں فرماتے ہیں۔ یہ محال کہ کسی اس کا نام اپنا انصار جوہر کے اور او شعبدہ بازی ایک جب ٹھک رہی ہے۔ یہ ان حضرات کی تشنہ کی اور مقتضایہ وازم حقیقہ خود رہی سے بیشتر ہی سند اس امر کا رہتا ہے کہ کوئی شخص مسافر و روزانے پر نہ آئے پائے۔

اس کے علاوہ اس حرج کا فیض حاصل ہوا، بیش، شہ سے سخاوت جو شیوہ۔
امارت ہے راقم الحروف کے گوش گزار نہیں ہوا۔

اپنے طرز کلام کی وضاحت :

ہر اقصائے بحر و بزم ہے ہر یوم و ہر لمحہ

[illegible]

میں نے فی مدت اسی چوبیس گھنٹوں میں حساب کیا تو اس طرح پر تیس
ہفتے ایک حصہ تو زمانہ طغویت اور تباہی اور موعجبہ طغوت شباب اور جوانی تک حصہ
حصہ اور سرگرمی و نفاذ مددگی و پیمانہ داری و تلاش و جدوجہد و ترقی و سرفرازیت
روزگاری میں تصور کیا جاتا ہے۔

[illegible]

استغناء حاصل کیا اور اپنی طبیعت کے زور سے ان تینوں ستان وقت اوق، مومن صاحب سے صاحب باب اخذ کر کے اپنی طرزِ تجد گاہ اختیار کی۔

شیخ صاحب موموں کی تربیت اور محوریت کی یہ وہی اختیار کی۔

مومن صاحب کے مضامین دربارک حیات، سوز، مدد زکات، توحید یہ۔

مرزا غالب صاحب کی ہندو شریکیت کی تقلید اختیار کی۔

اس کے علاوہ جو کلمات کہ میرے فقہ سابق میں مذموم اور غیر فطیح تھے، مسموم

کے ساتھ ان کے بارے میں و مترعات میں داخل یا خدا صفا و مہر مان تھے، ہاں بار و مومن کے گندہ، جاہد، میرا مقصد، یہ نہیں ہے کہ مجدد وقت ہوں اور حضرات بھی میری تقلید اختیار کریں۔ میں نے وہی مترعات غلط اپنے کلام میں شامل نہیں کیا اور احباب کو اپنے کلام کا اختیار ہے۔ جائز نہیں یا نہ رہیں

پچیس سال کام مجھے ریاستی جے پور میں اتحاق رہا، کارمرشتہ کا ہوا اس شام میں متعلق دستِ جمع آرمائی نہ ہوئی، شام اس عرصہ میں میں پچیس غنوں، ایک، قصید، تبارک، اتحاق، سب تقاضا، صاحب ہوا، تو مریحہ جب اس روزگار سے مستغنی ہو، خانہ تعین ہو، اس امر جواب مدد علی خان صاحب رونق کی روایت اختیار کی ہے جب ان جانب توحید کی ہے اور میرے ہاں شدت ہوئی ہے، درخشاں کی رجوع ہوئی ہے اور حرف و جانب سے وہ میرے شاعر ہونے شروع ہوئے اور مستحقِ مومن روز بروز ترقی پذیر ہوتی چلی گئی ہے۔ تاہم حنیت ایزدی سے دیوان اول گلستانِ مومن حتم و تہی کیا۔ میرے دیوان اشاعت زمانہ مدرستہ نوکل میں خدوہند مسبب سبب نے اس سے طبع کے سامان بھی فراہم کر دیے، رجب بھنگالان سے بہادر اور خواجہ عہد، انیم خان صاحب کی کفایت سے وہ چھپ کر تیار ہوا، اور تمام اطراف و کثاف ہندوستان میں شہرت پائی اور تاربان طبع دیوان دوم بھی ترتیب پایا۔ مریحہ اس قدر استطاعت سے ہوئی کہ وہ تین پتھر پا جاتا۔ سب حنیت یہاں سے تین دیوان کا نسخہ دیا۔ یہ اس مہجور ہے اور ایک جلد کے قریب مرثیے۔ سلام، رباعیات وغیرہ فراہم ہو گئے ہیں۔ خدوہند تو اسے اپنے نثرانہ غیب سے وہ سامان مہیا کیا۔ اس کا قزوہ بھی جمع ہو جائیں گے۔ خدوہند کو وہی سامان نہیں آتا۔

مدتِ عمر میری خدمت خدوہند میں ہوئی، اس کے بعد وہ بھی اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

اور جہاں رہا اعزاز و احترام سے رہا۔ روسائے اووالعزم نے میرے کلام کو نظر و قوت سے مدِ خطہ کیا اور جن امرا کے حوالے ہوتے تھے، نظر نکلتے تھے، سخن شناس کو خداوندِ عالم نے نگاہِ باریک بین و جومِ قابلیت و استعداد سخن شناسی عطا فرمائی ہے انہوں نے علی قدر مقدرات عطا کیے صلوات و خلعت و انعامات وغیرہ سے میری قدر افزائی فرمائی۔ حتیٰ کہ نوشہر کی غزال کے صدر میں مجھے بڑا روپ ایک امیر نے عنایت فرمائے ہیں اور جب نئی غزل لکھ لے گیا ہوں، اشرفیاء ملی ہیں۔

نواب احمد علی خاں صاحب رہنمائی میں بڑا روپ ماہوار کی معاش سے آرمی تھے۔ مدرسہ میرے کی پتہ کی شاہی درپیش ہوتی تھی تو اس تقریب میں مجھے دو سو روپیہ ملا وہ آٹھ مہینے کے مدت فرماتے تھے اور قصائد کا صلہ ملا وہ عطا ہوتا رہتا تھا۔ علی مذاقیہ شہزادوں، شہزادوں، شہزادوں کے ساتھ ساتھ خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب اشیم بھی ہمیشہ شکستہ کی فرماتے رہتے۔ اسی طرح مدت احمد سر ہوئی۔ اب چند روز کی زندگی باقی ہے۔ آفتاب بھام، شمع کا عالم ہے۔ ہر دمے راز ہے۔ اب زمانہ انحطاط و تفتن کا ہے۔ معراج مال تو حاصل ہوئی چلی ہے۔ تمام ہندوستان میں اُپرہ غازی خاں سے ہے۔ اُس کے حکام تک اور وہ شمس سے ہے کہ مدراس تک میرے شہزادہ موجود ہیں۔ جہاں میرا حکم پہنچ گیا ہے۔ وہ کلام کے مشتاق رہتے ہیں۔ ایک ایک مصرعہ کی قدر، منزلت کرتے ہیں۔ اسد حیات و تنہوں سے نکالتے ہیں۔ کوئی ایسا سخور نہیں جو مجھے جانتا نہ ہو۔ جو گلدستہ نیاجاری ہوتا ہے، پہلے درخواست میرے پاس آتی ہے۔ اب ان سے زیادہ دیا آسمان پر پہنچا ہے۔ عنایت یزائی سے میرے شہزادوں کا کام حد تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ خواستہ ہیں۔ ایک ایک کے سو سو، دو سو شہزادہ موجود ہیں۔ میری اصالت کے محتاج نہیں۔ یہ ان کا حسن عقیدت ہے کہ مجھے، کھاتے سنتے ہیں ورنہ شعرا کے ہم عصر سے ان کا کلام رتبہ میں نہیں، بلکہ خدا چاہے تو یہی ہو گا اور قصائد نگاری میں تو اپنا جواب آپ ہیں۔ مولوی نادر علی راز فشی نجم الدین احمد تاقب بدایونی، صاحبزادہ احمد سعید خاں عاشق نوکی درجہ اول میں یہ صاحب ہیں۔ درجہ دوم میں فشی رمضان علی خاں اختر اجمیری، فشی ابراہیم دیر روزوئی، نین میاں اس سارے بڑے اودھ، فشی سلطان احمد شاہ، سندھ کلکتہ و نواب خواجہ عبدالرحیم خاں صاحب اشیم نواب احمدیہ و ضمیمہ اسد علی خاں صاحب دہلوی متخلص بہ مضطرب سید حسن سید

پڑھے جاتے ہیں۔ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے۔ ایک پر ایک گرا پڑتا ہے۔ خلاف تہذیب اپنی اپنی جائے سے اٹھ کر غزل پڑھنے والے کے پیچھے جانتے ہیں۔ ایک جا سے شمع کو جہنم نہیں ہوتی اور لطف یہ کہ جو صاحب پڑھ چکے ہیں وہ انھے اور گھر کو روانہ ہوئے۔ لا حول ولا قوہ الا باللہ یہ کیسے بے تہذیب لوگ ہیں کہ ان کو ذرا خیال آداب محفل نہیں۔ اپنے دل میں نہایت پشیمان ہوا کہ تو اس محفل میں کیوں آیا۔ غرضکہ تمام شب بسر ہوئی۔ صبح کے قریب میری غزل کی نوبت آئی تو گنتی کے آٹھ دس آدمی تھے۔ باقی سب چل دیئے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ اپنا کلام منانے کو آئے تھے، میرے کلام کے شائق نہ تھے۔ خیر جب میری غزل پڑھی گئی ہے تو خدا کی عنایت سے جو ہمیشہ سے میرے کلام کا رنگ ہے اور جو کیفیت مشاعروں میں اور جا ہوتی ہے وہی یہاں ظہور میں آئی۔ ہر چند کے اس وقت بہت ہی تھوڑے سے آدمی تھے۔ مگر تمام حیدر آباد میں شہرت ہو گئی۔ پھر اور بڑے بڑے معرکہ رہے، جو حضرات کے یہاں استادوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے صد ہا شاگرد بھی ہیں اور واقعی کلام میں ان کا پایہ استاد کی کو پہنچا ہوا ہے وہ حضرات سب مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ خدا نے ان کے سامنے آبرورکھ لی۔ کوئی غزل کسی صاحب کی غزل سے انہیں نہیں رہی اور قصائد کا حال تمام حیدر آباد پر روشن ہے میرا لکھنا فضول ہے۔ ان حضرات میں اکثر شعرا کے نامور اہل لکھنؤ سے ہیں۔ دلی والوں میں فقط ہم دو آدمی تھے۔ یاد داغ صاحب یا فقیر ظہیر۔ سوداغ صاحب بذات خاص مشاعروں میں آتے نہ تھے۔ فقیر البتہ ہر مشاعرہ میں جا موجود ہوتا تھا۔ انجام اس کا یہ ہوا کہ ان بزرگواروں نے مشاعرہ میں آنا ترک فرمادیا۔ مہاراجہ مدارالمہام بہادر کے مواقع میں بھی اکثر جیسے ہوئے خدا نے وہاں بھی سرخرو کیا۔ ان جلسوں کی حقیقت حاضرین مشاعرہ کے دل پر منقش ہے مگر افسوس صد افسوس، صلہ اور مزد ایسی جانفشانی اور عرق ریزی و خون جگر پینے کا۔ سوائے رشک و حسد و نیش زنی و بیگنی کچھ نہ دیکھا اسے روشنی طبع تو بد من بلا شادی داغ صاحب مرحوم و مغفور کی بھی زندگی بھر یہی کیفیت رہی کہ لوگوں کو رشک و حسد رہا اور ہمیشہ خواہی نخواہی مورد اعتراضات رہے۔ علی ہذا القیاس میں بھی اسی بلا میں مبتلا ہوں۔

بعد رو توبہ تو اں رستن از عذاب خدا ی و لیک می نتاں از زبان مردم راست

بھلا داغ صاحب سے اگر رشک و حسد تھا تو ہی تھا کہ ان کو خدا جانے صاحب جاہ منصب کیا تھا مجھ بہ نصیب کو تو پیٹ بھر روئی بھی نصیب نہیں۔ تبھ سے ناحق کا بغض الہی

ہے۔ حاصل کلام جس قدر شہرت قدر دانی حیدر آباد سنی گئی تھی اسی درجہ کساد بازاری پائی
گئی بے ہنر اور جمند و عاقل خوار اور میں ذات خدا پر توکل کئے ہوئے بیٹھا ہوں۔ جب تک
آب و دانہ ہے بسر کرتا ہوں۔ اپنے خداوند نعمت کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

تمت بالخیر

☆ ☆

۳۰	بچے کی تربیت (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)	ڈاکٹر ام کلثوم	60/-
۳۱	انبیائے کرام (مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات)	علامہ رسول مہر	120/-
۳۲	خانہ کعبہ کے معمار اول حضرت ابراہیم علیہ السلام	علامہ عباس محمد العقاد المصری	100/-
۳۳	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات	ڈاکٹر ثریا ڈار	100/-
۳۴	تجدید فکریات اسلام	ڈاکٹر وحید عشرت	100/-
۳۵	آسمانی اثرات سے حفاظت کی چند کارگر دعائیں	مطلوب احمد قاسمی	30/-
۳۶	اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش	پروفیسر سلیم چشتی	50/-
۳۷	آخرت کی زندگی	مولانا ابوالکلام آزاد	15/-
۳۸	محمد بن قاسم سے اورنگزیب تک	پروفیسر سعید الحق	160/-
۳۹	مغرب کا عروج اور متوقع زوال	ڈاکٹر محمد امین	150/-
۴۰	عقلیات ابن تیمیہ	مولانا محمد حنیف ندوی	120/-
۴۱	محاضرات قرآنی (قرآن کریم کی تاریخی اہمیت)	ڈاکٹر محمود احمد غازی	140/-
۴۲	افکار ابن خلدون	مولانا محمد حنیف ندوی	120/-
۴۳	۱۸۵۷ء پہلی جنگ آزادی (واقعات و حقائق)	میاں محمد شفیق	120/-
۴۴	یہ باتیں بھی قرآن میں ہیں	میاں محمد افضل	160/-
۴۵	سیرۃ القرآن	سید معروف شاہ شیرازی	100/-
۴۶	حضرت ابوبکر صدیق کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۴۷	حضرت عمر فاروق کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۴۸	حضرت عثمان غنی کے ۱۰۰ قصے	مولانا خرم یوسف	35/-
۴۹	حضرت علی مرتضیٰ کے ۱۰۰ قصے	شیخ محمد صدیق منشاوی	35/-
۵۰	حضرت حسن اور حسین کے ۱۰۰ قصے	ابن سرور محمد اویس	35/-
۵۱	احادیث رسول سے منتخب ۶۰ سانچہ دلچسپ واقعات	محمد بن حامد بن عبدالوہاب	60/-
۵۲	آنحضرت کے بیان فرمودہ سبق آموز واقعات	طلعت عظمیٰ محمد سالم	85/-
۵۳	خاندان نبوی کے چشم و چراغ	ابن سرور محمد اویس	70/-
۵۴	تعلیمات شریعہ کی روشنی میں محبت کی حقیقت اور تقاضے	علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی	165/-
۵۵	آداب اعمال اور دعائیں	مولانا احمد عمر خاں	40/-
۵۶	قرآن حکیم انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	295/-
۵۷	صحابہ اکرام انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم	360/-
۵۸	۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات	سید ظہیر الدین خطیب دہلوی	125/-



اریب
پبلیکیشنز

Rs. 125/-

Areeb Publications

1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2 (India)

Ph : 23282550 • e-mail : apd@bol.net.in